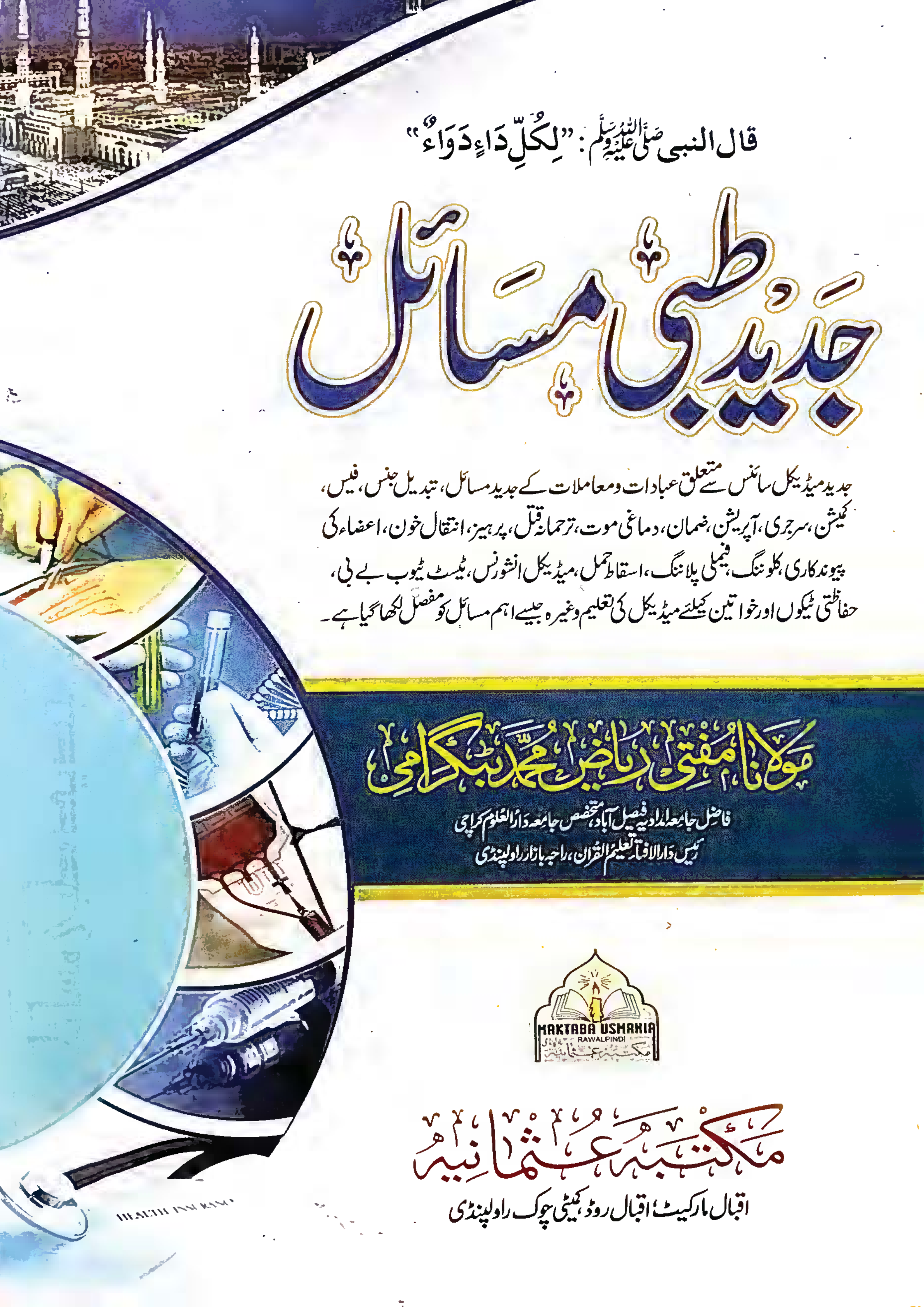


قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ"

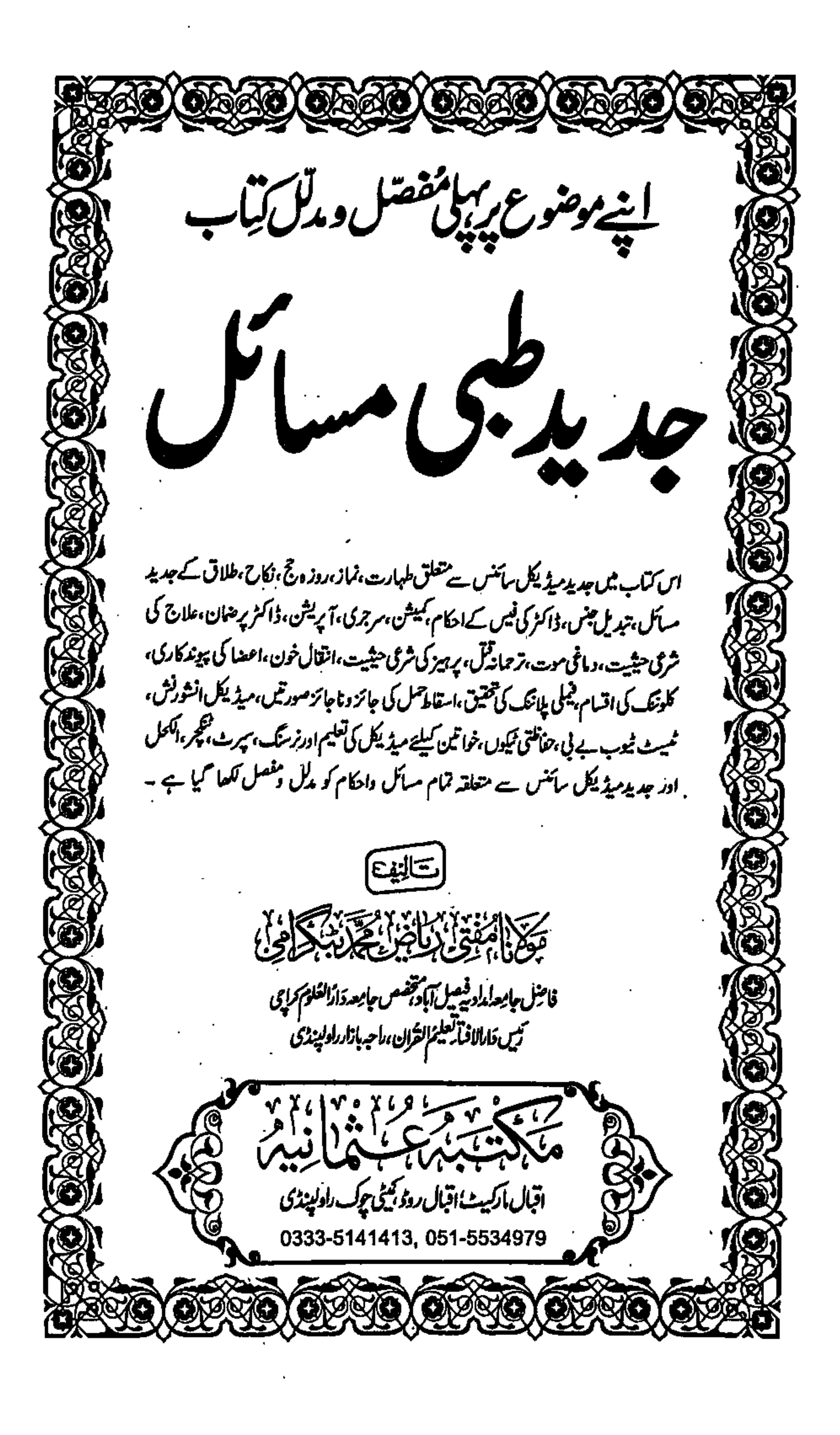
جدید طبی مسائل

جدید میڈیکل سائنس سے متعلق عبادات ومعاملات کے جدید مسائل، تبدیل جنس، فیس، کمیشن، سرجری، آپریشن، ضمان، دماغی موت، ترحمانہ قتل، پرہیز، انتقال خون، اعضاء کی پیوندکاری، کلوننگ، فیملی پلاننگ، اسقاط حمل، میڈیکل انشورنس، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، حفاظتی ٹیکوں اور خواتین کیلئے میڈیکل کی تعلیم وغیرہ جیسے اہم مسائل کو مفصل لکھا گیا ہے۔

مولانا مفتی ریاض محمد بگرامی
فاضل جامعہ امدادیہ فیصل آباد، متخصص جامعہ دار العلوم کراچی
رئیس دار الافتاء تعلیم القرآن، راجہ بازار راولپنڈی

MAKTABA USMANIA
RAWALPINDI

مکتبہ عثمانیہ
اقبال مارکیٹ اقبال روڈ، کمیٹی چوک راولپنڈی



اپنے موضوع پر پہلی مفصّل و مدلّل کتاب

جدید طبی مسائل

اس کتاب میں جدید میڈیکل سائنس سے متعلق طہارت، نماز، روزہ حج، نکاح، طلاق کے جدید مسائل، تبدیل جنس، ڈاکٹر کی فیس کے احکام، کمیشن، سرجری، آپریشن، ڈاکٹر پر ضمان، علاج کی شرعی حیثیت، دماغی موت، ترحمانہ قتل، پرہیز کی شرعی حیثیت، انتقال خون، اعضا کی پیوندکاری، کلوننگ کی اقسام، فیملی پلاننگ کی تحقیق، اسقاط حمل کی جائز و ناجائز صورتیں، میڈیکل انشورنش، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، حفاظتی ٹیکوں، خواتین کیلیے میڈیکل کی تعلیم اور نرسنگ، سپرٹ، ٹنکچر، الکحل اور جدید میڈیکل سائنس سے متعلقہ تمام مسائل واحکام کو مدلل و مفصل لکھا گیا ہے۔

تالیف

مولانا مفتی ریاض محمد بگرامی

فاضل جامعہ امدادیہ فیصل آباد، متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی
رئیس دارالافتاء تعلیم القرآن، راجہ بازار راولپنڈی

مکتبہ عثمانیہ

اقبال مارکیٹ اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی

0333-5141413, 051-5534979

نام کتاب : جدید طبی مسائل (محقق ومدلل)

مؤلف : مولانا مفتی ریاض محمد بلگرامی

طبع : نومبر ۲۰۱۵ء

ناشر : مکتبہ عثمانیہ راولپنڈی

ملنے کے پتے:

پنڈی	الخلیل پبلشنگ ہاؤس	کمیٹی چوک......راولپنڈی
	کتب خانہ رشیدیہ	نزد تعلیم القرآن، راجہ بازار......راولپنڈی
اسلام آباد	مکتبہ فریدیہ	نزد جامعہ فریدیہ......اسلام آباد
	مکتبہ رحمانیہ	رحمانیہ مسجد، آبپارہ......اسلام آباد
لاہور	اسلامی کتب خانہ	فضل الٰہی مارکیٹ، چوک اردو بازار......لاہور
	مکتبہ رحمانیہ	غزنی سٹریٹ، اردو بازار......لاہور
	مکتبۃ الحرمین	غزنی سٹریٹ، اردو بازار......لاہور
فیصل آباد	مکتبۃ العارفی	نزد جامعہ امدادیہ، ستیانہ روڈ......فیصل آباد
	مکتبہ اسلامیہ	امین پور بازار، نزد اٹلس بنک......فیصل آباد
ملتان	مکتبہ حقانیہ	ٹی بی ہسپتال روڈ......ملتان
	ادارہ اشاعت الخیر	بیرون بوہڑ گیٹ......ملتان
کراچی	ادارۃ المعارف	جامعہ دارالعلوم......کراچی
	مکتبہ عمر فاروق	نزد جامعہ فاروقیہ......کراچی
	مکتبہ لدھیانوی	نیو ٹاؤن ک......کراچی
پشاور	دارالاخلاص	قصہ خوانی بازار......پشاور
اکوڑہ خٹک	مکتبہ علمیہ	نزد جامعہ حقانیہ......اکوڑہ خٹک
مردان	مکتبہ نعیمیہ	پار ہوتی، نزد خیر المدارس......مردان
کوہاٹ	مکتبہ اشرفیہ	کمال پلازہ......کوہاٹ
کوئٹہ	مکتبہ رشیدیہ	سرکی روڈ......کوئٹہ

انتساب

میں اپنی اس حقیر کاوش کو ملک کی عظیم روحانی و علمی شخصیت، مشفق، محترم و مکرم استاذ، مربی طلبہ عظام، مرشد علما کرام، مصلح المدارس، مجدد تعلیم، دینی مدارس میں نظم وضبط کے بانی ومجدد، خلیفہ حضرت عارفی رحمہ اللہ، جامع المنقول والمعقول استاذ الفقہاء والمحدثین

شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ

بانی وسابق مہتمم جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

کی روح کو ایصال ثواب کرتا ہوں

میں نے اپنی زندگی میں ایسی ذہین وفطین، زیرک، معاملہ فہم، مزاج ومردم شناس، بذلہ سنج، ظرافت، طراوت، بداعت اور خوش طبعی کی پیکر، علم وعمل کی رسیا، اہل علم وفن کی قدر دان، طلبہ پر مہربان، رعب دار، جاذب نظر، پرکشش اور ہمہ جہت شخصیت نہیں دیکھی۔

فَرَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَاسِعَةً

ریاض محمد بلگرامی

فہرست مضامین

(۱)......جدید طبی مسائل

(۲)......طہارت اور جدید طبی مسائل

(۳)......روزہ اور جدید طبی مسائل

(۴)......حج وعمرہ اور جدید طبی مسائل

(۵)......نکاح و طلاق کے جدید مسائل

(۶)......ڈاکٹر کی فیس، متعلقہ مسائل کی تحقیق

(۷)......کمیشن کے چند مسائل

(۸)......ڈاکٹر اور طبیب کے چند فرائض

(۹)......سرجری (Surgery) کے مسائل

(۱۱) اتحاف اللبیب فی ضمان الطبیب (ڈاکٹر پر ضمان اور اس کا حکم)

(۱۲)......علاج کی شرعی حیثیت جدید تناظر میں (مدلل تحقیق)

(۱۳)......القنية فی احکام الحِمیة (پرہیز کی شرعی حیثیت)

(۱۴)......انتقالِ خون کے مسائل واحکام

(۱۵)......اعضا کی پیوند کاری

(۱۶)......ترحمانہ قتل (Mercy killing) کی شرعی حیثیت

(۱۷)......دماغی موت(Brain death)اور متعلقہ مسائل کی تحقیق

(۱۸)......کلوننگ(Cloning) کی شرعی حیثیت

(۱۹)......فیملی پلاننگ اور اس کے احکام ومسائل

(۲۰)......اسقاط حمل (Abortion)

(۲۱)......میڈیکل انشورنس (بیمہ صحت) کا حکم

عرض مؤلف

زیر نظر کتاب کا موضوع جدید میڈیکل سائنس سے پیدا ہونے والے جدید مسائل و احکام ہیں جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے، اس موضوع پر علماء عصر نے بڑا وقیع کام کیا ہے لیکن وہ کام بڑا منتشر اور پھیلا ہوا تھا۔ اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس جیسے تمام مسائل واحکام کو ایک جا جمع کر دیا جائے، زیر نظر کتاب کی تیاری میں مندرجہ ذیل امور کو مدنظر رکھا گیا ہے:

۱)...... موضوع سے متعلق تمام جدید مسائل واحکام کے احاطہ کی کوشش کی گئی ہے۔

۲)...... ہر مسئلہ مدلل اور باحوالہ لکھا گیا ہے۔

۳)...... ہر حوالہ میں اصل کتاب کی طرف مراجعت کی گئی ہے، کوئی حوالہ بھی بالواسطہ نہیں دیا گیا۔

۴)...... نئے پیدا ہونے والے مسائل میں اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے نیز انتہا کا حکم عموماً ابتدا سے مختلف ہوتا ہے، کیونکہ جوں جوں ایک چیز عام ہوتی ہے اس کی ضرورت بڑھتی ہے، اس طرح کے تمام مسائل میں آخری رائے اور مفتی بہ قول کو لیا گیا ہے۔

۵)...... اکابر دیوبند کے فتاویٰ اور تحقیقات سے خوب استفادہ کیا گیا ہے۔

۶)...... کسی نہ کسی فائدہ کے پیش نظر بعض اوقات ان حضرات کی عبارات کو بعینہ اقتباس کی صورت میں نقل کیا ہے۔

۷)...... طب اور میڈیکل سائنس علماء کرام کا میدان نہیں، اس بارے ڈاکٹر حضرات کی دی گئی معلومات کے مطابق حکم بیان کیا گیا ہے، نیز سائنسی تحقیقات بدلتی رہتی ہیں ان کے بدلنے سے حکم کا بدلنا ناگزیر ہے۔

۸)...... ناجائز اور خلاف شرع امور کی جائز قابل عمل اور قابل تنفیذ متبادل صورتیں لکھنے کا بھی اہتمام کیا ہے۔

۹)...... علاج و معالجہ کے مسائل کا اصل تعلق کتاب الکراہیہ سے ہے لیکن باقی کتب و ابواب میں بھی اس بارے منتشر مسائل ملتے ہیں، اس لئے اس کتاب میں فقہی ترتیب کے مطابق مسائل لکھے گئے ہیں۔

۱۰)...... پوسٹ مارٹم کے مسائل یہاں نہیں لکھے گئے، اس بارے ''پوسٹ مارٹم اور اس کی شرعی حیثیت'' کے نام سے بندہ کا رسالہ چھپ چکا ہے۔

۱۱)...... چونکہ یہ نازک موضوع اور الگ میدان ہے اس لئے عدم مناسبت کی وجہ سے اس موضوع کا حق ادا نہیں ہوا البتہ اس موضوع سے متعلق مختلف کتب میں جو بکھرے ہوئے مسائل تھے وہ ان شاء اللہ یکجا ملیں گے۔

۱۲)...... اس موضوع پر بندہ کے چند مستقل مقالے موجود ہیں ان سب کو اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔

ریاض محمد بنگرامی
دارالافتاء تعلیم القرآن راولپنڈی
۱۴۳۳/۶/۲۷ ھج

(۱)

علم الطب کی لغوی واصطلاحی تحقیق

لغوی معنی

طب میں طاء کا کسرہ مشہور ومعروف ہے لیکن طاء میں کسرہ کے علاوہ ضمہ اور فتحہ بھی جائز ہے ، اصل مادہ ط، ب، ب، ہے، اس کے متعدد لغوی معانی آتے ہیں:

۱)......تداوی: یعنی علاج معالجہ۔

۲)......مداوی: یعنی علاج کرنے والا طبیب، ڈاکٹر۔

۳)......الداء: یعنی بیماری لہذا طب کا لفظ لغت اضداد میں سے ہے۔

۴)......الرفق: یعنی نرمی۔

۵)......السحر: یعنی جادو، طب کا استعمال سحر میں اسلئے ہوا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ امراض کا سبب سحر وجادو ہوتا ہے اور وہ امراض کا علاج بھی اکثر وبیشتر جادو اور سحر کے ذریعہ کرتے تھے۔ (۱)

۶)......الشہوۃ: یعنی چاہت وخواہش۔

۷)......وہ راستے جو سورج کی شعاعوں میں نظر آتے ہیں۔

۸)......الحذق بالشئ: یعنی کسی بھی چیز اور فن میں مہارت۔ اور معالج یا ڈاکٹر کو چونکہ علاج معالجہ میں مہارت ہوتی ہے، اس لئے اس کو طبیب کہتے ہیں۔ طبیب کی جمع قلت اطبہ اور جمع کثرت اطباء آتی ہے۔

---

(۱) تكمله فتح الملهم(٤/٢٩٢)

اصطلاحی معنی

(۱) کشاف اصطلاحات الفنون کے مقدمہ میں ہے:

علم الطب وهو علم يبحث فيه عن بدن الانسان من جهة ما يصح و يمرض لالتماس الصحة وازالة المرض۔(۱)

(۲) مزید فرماتے ہیں:

وفی الاصطلاح علم بقوانين تعرف منهااحوال بدل الانسان من جهة الصحة وعدمهاوصاحب هذا العلم يسمى طبيبا۔(۲)

(۳) ابن سینا لکھتے ہیں:

ان الطب علم يتعرف منه احوال بدن الانسان من جهة ما يصح ويزول عن الصحة ليحفظ الصحة حاصلة ويستردها زائلة ۔(۳)

سب تعریفوں کا مآل ایک ہے کہ علم الطب وہ علم ہے جس میں بدن انسان کے احوال سے صحت ومرض کے حساب سے بحث کی جاتی ہے تا کہ اس کو صحت حاصل ہو اور لاحق مرض زائل ہو جائے۔ البتہ اب بدن انسان کی بجائے بدن حیوان کہنا چاہئے کیونکہ پہلے طب تقریباً انسانی بدن تک محدود تھا اب پھیل چکا ہے اور اس میں حیوانات کے بدن سے بھی بحث ہوتی ہے، یہ طب کا ایک بڑا شعبہ بن چکا ہے۔

علم الطب کا موضوع

علم الطب کا موضوع دو چیزیں ہیں: (۱) احوال بدن (۲) احوال ادویہ۔

کشاف اصطلاحات الفنون کے مقدمہ میں ہے:

وموضوعه بدن الإنسان وما يشتمل عليه من الاركان والا مزجة

(۱) کشاف اصطلاحات الفنون(۱/۵۹)

(۲) کشاف اصطلاحات الفنون(۳/۱۳۲)

(۳) القانون فی الطب(۱/۲۱)الکتاب الاول ، الفصل الاول(۱/۲۱)

والاخلاط والا عضاء والارواح والقوى والافعال واحواله من الصحة والمرض واسبابها من المأكل والمشرب والاهوية المحيطة بالابدان والحركات و السكنات ولا ستفراغات والاحتقانات والصناعات والعادات والواردات الغريبة والعلامات الدالة على احواله من ضرر افعاله وحالات بدنه ومايير زمنه والتدبير بالمطاعم والمشارب واختيار الخفواء وتقدير الحركة والسكون والادوية المركبة والبسيطة واعمال اليد لغرض حفظ الصحة وعلاج الامراض بحسب الامكان۔(۱)

علم طب کی اہمیت

ایمان اور ہدایت کے بعد سب سے بڑی اور اہم نعمت صحت اور تندرستی ہے۔اگر صحت نہ ہوتو دنیاوی تمام اسباب عیش وراحت، ہیچ ہیں اور صحت وتندرستی کی بنیاد علم الطب ہے۔

ا)......رسول اللہ ﷺ کی نظر میں علم الطب کی بڑی اہمیت تھی جس کا اندازہ مندرجہ ذیل امور سے لگایا جاسکتا ہے۔

ا......آپ نے طب کے بارے میں اتنی زیادہ تعلیم دی اور اس کی اہمیت کو واضح کیا کہ اس بارے بے شمار احادیث ہیں، تقریباً حدیث کی ہر اہم کتاب میں طب کے موضوع پر مستقل کتاب، باب یا فصل قائم کی گئی ہے۔

۲......رسول اللہ ﷺ نے علاج ومعالجہ کیلئے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو عرب کے مشہور و معروف طبیب حارث بن کلدہ کے پاس بھیجا تھا۔حارث بن کلدہ کا اسلام مختلف فیہ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس سے علم الطب کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عظیم صحابیؓ کو کافر کی خدمت میں بھیجا۔(۲)

---

(۱) کشاف اصطلاحات الفنون(۱/۵۹)

(۲) الاصابة(۱/۲۸۸)،تکمله فتح الملهم(٤/۲۹۲)

۲)......حافظ ابن القیمؒ نے الطب النبوی اور زاد المعاد میں علم الطب اور اس کے بارے میں دینی و اسلامی تعلیمات، احکام و مسائل پر احادیث کی روشنی میں جو مفصل بحث فرمائی ہے واقعہ ہے کہ وہ طب جدید اور موجودہ ترقی یافتہ دور کی میڈیکل سائنس کے لئے بھی سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے، اور حقیقت ہے کہ جو بنیاد انہوں نے فراہم کی ترقی اور عروج کے باوصف طب جدید اس میں اضافہ نہ کر سکی۔

۳)......خلیفہ رابع حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے چار علوم کو خاص اہمیت کا حامل قرار دیا ہے جن میں سے ایک علم الطب بھی ہے۔(۱)

۴)......حضرت امام شافعیؒ کا قول ہے:

"العلم علمان علم الفقه للاديان وعلم الطب للابدان"۔(۲)

یعنی حقیقی علم دو ہیں: علم الفقہ جس کا تعلق دین سے ہے اور جس سے طریقہ زندگی معلوم ہوتا ہے اور علم الطب جس کا موضوع بدن و جسم ہے۔

۵)......فقیہ ابو اللیث سمر قندی فرماتے ہیں:

عقلمند کو ایسے شہر میں پڑاؤ نہیں ڈالنا چاہئے جہاں پانچ چیزیں نہ ہوں:

۱)......با اختیار بادشاہ

۲)......عادل قاضی

۳)......کامیاب بازار

۴)......جاری رہنے والی نہر

۵)......دانا طبیب۔(۳)

---

(۱) مفتاح السعادة(۱/۳٦٧)

(۲) مفتاح السعادة (۱/۳٦٧)

(۳) تنبيه الغافلين(٤٧٨)

(۲)

طہارت اور جدید طبی مسائل

مریض کو پیشاب کی نالی لگی ہو تو وضو اور نماز کا حکم

☆ بعض مریضوں کو آپریشن ہوجانے کی وجہ سے پیشاب کی نالی اور نلکی لگا دی جاتی ہے، اس نالی کے ذریعہ پیشاب مثانہ سے رسک رسک کر بیگ یا تھیلے میں جمع ہوتا ہے، مریض کو پیشاب پر کوئی کنٹرول نہیں ہوتا، جونہی پیشاب بنتا ہے، فوراً خارج ہو کر بیگ میں جمع ہوجاتا ہے۔

☆ اس طرح بعض مریضوں کی چھوٹی آنت (ILostoiny) یا بڑی آنت (Clostomy) کو پیٹ پر جوڑ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ بیگ لگا دیا جاتا ہے، اس طرح خروج نجاست کا طبعی راستہ عارضی یا بعض صورتوں میں مکمل طور پر بند ہوجاتا ہے، اس طریقہ سے نجاست اور گندگی آنتوں کے ذریعہ آکر بیگ میں جمع ہوتی رہتی ہے، اس پر بھی مریض کا کنٹرول نہیں ہوتا، ایسے مریض کا حکم یہ ہے:

۱)...... نکلنے والے پیشاب اور نجاست سے روزے پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس کے ساتھ روزہ رکھنا درست ہے کیونکہ روزہ جسم میں بعض اشیاء کے داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے کسی چیز کے خارج ہونے سے نہیں۔

۲)...... مذکورہ طریقہ سے نکلنے والا پیشاب اور گندگی ناقض وضو اور نجس ہیں یعنی اس سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے اور اگر جسم یا کپڑے کو لگ جائے تو وہ ناپاک ہوجائیں گے، ان کا دھونا ضروری ہے۔

۲)......حافظ ابن القیمؒ نے الطب النبوی اور زاد المعاد میں علم الطب اور اس کے بارے میں دینی و اسلامی تعلیمات، احکام و مسائل پر احادیث کی روشنی میں جو مفصل بحث فرمائی ہے واقعہ ہے کہ وہ طب جدید اور موجودہ ترقی یافتہ دور کی میڈیکل سائنس کے لئے بھی سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے، اور حقیقت ہے کہ جو بنیاد انہوں نے فراہم کی ترقی اور عروج کے باوصف طب جدید اس میں اضافہ نہ کر سکی۔

۳)......خلیفہ رابع حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے چار علوم کو خاص اہمیت کا حامل قرار دیا ہے جن میں سے ایک علم الطب بھی ہے۔(۱)

۴)......حضرت امام شافعیؒ کا قول ہے:

"العلم علمان علم الفقه للاديان وعلم الطب للابدان"۔(۲)

یعنی حقیقی علم دو ہیں: علم الفقہ جس کا تعلق دین سے ہے اور جس سے طریقہ زندگی معلوم ہوتا ہے اور علم الطب جس کا موضوع بدن و جسم ہے۔

۵)......فقیہ ابو اللیث سمرقندی فرماتے ہیں:

عقلمند کو ایسے شہر میں پڑاؤ نہیں ڈالنا چاہئے جہاں پانچ چیزیں نہ ہوں:

۱)......بااختیار بادشاہ

۲)......عادل قاضی

۳)......کامیاب بازار

۴)......جاری رہنے والی نہر

۵)......دانا طبیب۔(۳)

---

(۱) مفتاح السعادة(۱/۳٦۷)

(۲) مفتاح السعادة(۱/۳٦۷)

(۳) تنبيه الغافلين(٤۷۸)

۱)......وریدی انجکشن: رگ میں لگنے والا(interavenous)
۲)......عضلاتی انجکشن: گوشت میں لگنے والا(muscullar)
۳)......جلدی انجکشن: جلد میں لگنے والا(subquitenius)

وریدی انجکشن کا حکم

وریدی انجکشن(interavenous) لگانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کے ذریعہ بدن میں اس وقت دوائی داخل کی جاتی ہے جب کہ خون نکل کر پچکاری میں پہنچ جاتا ہے، اور خون بھی زیادہ اور بہنے والا ہوتا ہے۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

''وریدی انجکشن میں سوئی کے درید میں پہنچنے کا یقین حاصل کرنے کا صرف یہی ذریعہ ہے کہ پچکاری میں خون آجائے، جب تک پچکاری میں خون نظر نہیں آتا اس وقت تک دوا بدن میں داخل نہیں کی جاتی......اسلئے صرف وریدی انجکشن ناقض وضوہے''۔(۱)

نیز فرماتے ہیں:

''جس طرح خون نکلنا ناقض وضوہے، اسی طرح خون نکالنے سے بھی وضوٹوٹ جاتا ہے، اس لئے وریدی انجکشن بھی ناقض وضوہے، کیونکہ اس میں خون پچکاری میں آجاتا ہے''۔(۲)

عضلاتی اور جلدی انجکشن کا حکم

عضلاتی(muscullar) اور جلدی انجکشن(subquitenius) سے وضونہیں ٹوٹتا، ان کے ذریعہ جسم اور بدن میں دوائی داخل کی جاتی ہے اور شریعت کا اصول یہ ہے کہ باہر سے غذا یا دوا کی صورت میں کسی چیز کا اندر جانا ناقض وضونہیں ہے، عضلاتی اور جلدی انجکشن

(۱) احسن الفتاویٰ(۲/۲۳)
(۲) احسن الفتاویٰ(۲/۲۷)

پر کچھ خون ضرور لگتا ہے نیز سوراخ پر بھی کچھ خون نکل آتا ہے لیکن وہ بہت معمولی ہوتا ہے، بہہ نہیں سکتا، اس لئے وہ ناقض وضو نہیں ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

" اذاخرج من الجرح دم قليل فمسحه،ثم خرج ايضاًومسحه فان كان الدم بحال لوترك ماقدمسح منه فسال انتقض وضوءه وان كان لا يسيل لاينتقض وضوءه" ۔(۱)

ہاں البتہ اگر انجکشن کا مقصد علاج اور جسم میں دوا پہنچانا نہ ہو بلکہ خون ہی نکالنا اور کھینچنا مقصود ہو مثلاً کسی دوسرے کو خون دینا ہے یا خون نکال کر ٹیسٹ کرانا ہے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"القراد اذا مص عضو انسان ، فامتلأ دما ان كان صغيرا لا ينتقض وضوءه كمامصت الذباب اوالبعوض وان كان كبيرا ينقض وكذاالعلقةاذامصت عضوانسان حتى امتلأ عن دمه انتقض الوضوء"۔(۲)

معدہ تک نلکی پہنچانے سے وضو کا حکم

میڈیکل ٹیسٹ کی ایک صورت آج کل یہ رائج ہے کہ ایک مخصوص نلکی معدہ تک پہنچائی جاتی ہے اور اس کے ذریعہ معدہ سے گوشت کا ٹکڑا نکال کر اس کا تجزیہ اور اس پر ریسرچ کی جاتی ہے، اس سے غسل تو واجب نہیں ہوتا، اور وضو ٹوٹنے میں یہ تفصیل ہے کہ اس کو معدہ تک پہنچانے کی دو صورتیں ہیں:

۱)......اگر منہ کے ذریعے پہنچائی جائے اور نجاست تک پہنچ کر نجاست سے آلودہ ہو کر واپس لوٹے تو اس سے وضو جائے گا اور اگر نلکی پر نجاست ہی نہ لگی اور نہ ہی جو گوشت کا ٹکڑا نکالا گیا ہے، وہ نجاست سے آلودہ ہے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ محض نلکی کا

(۱) الهندية(۱/ ٦) كتاب الطهارة،

(۲) الهندية (۱/ ٦)

منہ کے راستے سے اندر جانا یا محض گوشت کے ٹکڑے کا باہر نکلنا ناقض وضو نہیں، وضو نجاست کے نکلنے سے ٹوٹتا ہے۔

۲)......اگر نلکی پاخانہ کے راستہ سے ڈالی جائے، پھر نکالی جائے، تو اس سے مطلقا وضو ٹوٹ جائے گا، خواہ اس پر نجاست لگی ہو، یا نہ لگی ہو۔(۱)

(۱) کتاب الفتاوی(۲/۴۰-۴۱)

(۳)

روزہ اور جدید طبی مسائل

P.R اور P.V کرنے کا حکم اور اس کا روزہ اور وضوء پر اثر

P . R اور P . V معاینہ کی صورتیں ہیں، P . R یہ ہے کہ اس میں ڈاکٹر اپنی انگلی پر مواد (Lubricant) لگا دیتا ہے اور اس کے ذریعہ مریض کے مقعد کا معاینہ کرتا ہے اور P . V میں ڈاکٹر انگلی پر مذکورہ مواد ڈال کر VAGINA کا معاینہ کرتا ہے، اس کے احکام مندرجہ ذیل ہیں:

۱)......ایسا معاینہ صرف ضرورت شدیدہ کے وقت جائز ہے۔

۲)......اس سے وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ انگلی پر مواد لگا ہوتا ہے۔

۳)......اگر مریض روزہ دار ہے تو P.R یا P.V کرنے سے اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا بعد میں اس کی قضا ضروری ہے۔

۴)...... چونکہ اس معاینہ سے روزہ ٹوٹتا ہے لہذا جب تک ضرورتِ شدیدہ نہ ہو روزہ میں یہ معاینہ کرنا جائز نہیں ہے۔

خون چڑھانے (Blood Transfeusion) کا حکم

مذکورہ تفصیل کے مطابق روزہ کی حالت میں بدن میں خون چڑھانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ خون منافذ اصلیہ سے نہیں چڑھایا جاتا، بلکہ عارضی سوراخوں کے ذریعہ داخل کیا جاتا ہے۔

خون نکالنے کا حکم

روزہ دار اگر کسی مقصد کے لئے اپنا خون نکالے یا خود بخود نکل جائے تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا اور نہ اس میں کوئی کراہت آتی ہے۔

معدہ میں نلکی ڈالنے کا حکم

آج کل معدہ کے بعض امراض کی تحقیق، شناخت اور معدہ کا اندرونی معاینہ کرنے کے لئے منہ کے ذریعہ سے معدہ تک ایک خاص قسم کی نلکی پہنچائی جاتی ہے، بعض اوقات اس کے ذریعہ اندر سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹ کر نکال لیا جاتا ہے پھر اس پر تحقیق اور طبی ریسرچ کی جاتی ہے، یہ عمل شرعاً جائز ہے اور مریض اگر روزہ دار ہو تو اس سے اس کا روزہ بھی نہیں ٹوٹے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ فاسد ہونے کی متعدد شرائط ہیں ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ منافذ اصلیہ کے ذریعہ اندر داخل ہونے والی چیز جوفِ دماغ یا جوف بطن میں پہنچ کر وہاں ٹھہر جائے، واپس نہ نکلے، اگر واپس نکل آئی تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(۱) ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ولو شد الطعام بخيط وارسله في حلقه وطرف الخيط في يده لا يفسد الصوم"۔ (۱)

یعنی اگر کسی نے کھانے کی کوئی چیز دھاگے سے باندھی اور اسے اپنے حلق میں نیچے کو چھوڑ دیا جبکہ دھاگے کا ایک کنارہ اس کے ہاتھ میں ہے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(۲) علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

"قالوافي من ابتلع لحمامربوطاعلى خيط ثم انتزعه في ساعته انه لايفسدوان تركه فسد.........وهذا يدل على ان استقرار الداخل في الجوف شرط فساد الصوم"۔ (۲)

(۱) البحر الرائق (۲/۲۷۹)　　(۲) بدائع الصنائع: کتاب الصوم: (۲/۹۳)

یعنی فقہا کرامؒ نے فرمایا ہے کہ کسی نے دھاگے پر بندھا ہوا گوشت نگل لیا اور پھر اسی وقت نکال دیا تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر اسے چھوڑ دیا تو فاسد ہو جائے گا .....اس سے معلوم ہوا کہ جوف میں داخل ہونے والی چیز کا جوف میں ٹھہرنا فساد صوم کے لئے شرط ہے۔

(۳) صاحب خلاصہ لکھتے ہیں:

" و علی هذا لو ابتلع عنبا مربوطا بخيط ثم اخرجه لا يفسد صومه"۔(۱)

اگر کسی نے انگور کو دھاگے میں باندھ کر نگل لیا پھر کھینچ لیا تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(۴) صاحب درمختار لکھتے ہیں:

"وكذالوابتلع خشبة وخيطاولو فيه لقمة مربوطة الاان ينفصل منهاشيء ومفاده ان استقرارالداخل فی الجوف شرط للفساد۔"(۲)

پیشاب کی نالی ڈالنا

اگر مریض کا پیشاب بند ہو جائے یا اس میں کچھ رکاوٹ آ جائے تو آج کل پیشاب جاری کرنے کے لئے پیشاب کا پائپ، نالی اور (Catheter) ڈالا جاتا ہے، شرعاً مذکورہ نالی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ مثانہ اور پیشاب کی نالی (Urethra) کا تعلق Urinary system سے ہوتا ہے پیٹ سے نہیں نیز نالی کا ایک سرا باہر رہتا ہے۔

آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹنے کا حکم

آنکھ میں دوائی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا خواہ خشک دوائی ڈالی جائے یا مائع، بہنے والی ہو یا تر، بعض اوقات آنکھ میں دوائی ڈالنے سے حلق میں دوائی کا ذائقہ اور اثر صاف طور پر محسوس ہوتا ہے لیکن اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آنکھ اور حلق یا پیٹ ومعدہ کے درمیان

---

(۱) خلاصة الفتاوی (۲٦٠/۱)

(۲) درمختار (۳۹۷/۲)

اصلی منفذ موجود نہیں ہے، یہ اثر مسام کے ذریعہ جاتا ہے جس کا روزے پر اثر نہیں پڑتا، جیسے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا جائے تو اندرونِ جسم ٹھنڈک پہنچتی ہے لیکن اس سے بالاتفاق روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ولوا قطر شیئا من الدواء فی عینه لایفطر صومه عندنا"۔(۱)

درمختار اور فتاوی شامی میں ہے:

"او ادهن اواکتحل او احتجم و ان وجد طعمه فی حلقه ۔ وقال فی الشامية: (قوله:وإن وجد طعمه فی حلقه)ای طعم الحل والدهن كما فی السراج وكذا لوبزق فوجد لونه فی الاصح بحر،قال فی النهرلان الموجود فی حلقه اثرداخل من المسام الذی هوداخل البدن و المفطر انما هو الداخل من المنافذ للاتفاق علی ان من اغتسل فی ماء فوجد برده فی باطنه انه لایفطر۔"(۲)

ایک شبہ اور اس کا جواب

فقہی مضامین میں ہے:

"آنکھ اور ناک کے درمیان ایک باریک سا منفذ ہوتا ہے جس کو Naso Duct // Lacrimal کہتے ہیں، اس کی وجہ سے جب ہم آنکھ میں دوا کے قطرے ٹپکائیں تو وہ اس باریک سی نالی سے گزرتی ہوئی، حلق میں آجاتی ہے اور دوا کا مزا محسوس ہوتا ہے، اس سے خیال ہوتا ہے کہ جب دوا حلق تک پہنچتی ہے تو اس کے بعد لامحالہ معدہ تک بھی پہنچتی ہوگی لہٰذا روزہ ٹوٹ جانا چاہئے"۔(۳)

بعض حضرات نے اسی وجہ سے سیال ادویہ (Eye drops) کو مفسد قرار دیا ہے، چنانچہ

---

(۱) الهندية:(۱/۱۹۰)

(۲) الدر المختار مع الشامی(۲/۳۹۵)

(۳) فقهی مضامین ص(256باب :19)فساد وعدم فساد صوم کا معیار ۔

حکیم جمیل اصغر لکھتے ہیں:

''اس مسئلہ کا تعلق طب اور میڈیکل سائنس سے ہے، تشریح الاعضا یعنی Anatomy کے مطابق آنکھ کا حلق کی طرف منفذ موجود ہے چنانچہ تجربہ ہے کہ آنکھ میں ڈالی گئی دواؤں کا ذائقہ فوراً حلق میں محسوس ہوتا ہے، اس لئے آنکھوں میں سیال ادویہ (Eye drops) کا ڈالنا مفسد صوم ہے''۔(۱)

اس کا جواب یہ ہے:

۱)......شریعت نے اس کو قاعدہ ''إنما الفطر مما دخل وليس مما خرج'' سے مستثنیٰ کیا ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے:

'' إن رسول الله ﷺ كان يكتحل وهو صائم''

یعنی رسول اللہ ﷺ روزہ کی حالت میں سرمہ لگاتے تھے اور ظاہر ہے کہ سرمہ کا اثر بھی حلق میں محسوس ہوتا ہے اور تھوک و بلغم میں سرمہ کی سیاہی نظر آتی ہے۔

۲)......مذکورہ بالا منفذ اتنا باریک ہوتا ہے کہ عام نظر سے اس کا ادراک بھی نہیں ہوسکتا، لہذا یہ مسام کے مثل ہے اور مسام سے گزرنے والی چیز مفطر صوم نہیں ہوتی۔

علامہ زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ولئن كان عينه فهو من قبيل المسام فلا يفطره''۔(۲)

اگر وہ بعینہ سرمہ ہے تو چونکہ وہ مسام کے ذریعہ سے پہنچا ہے لہذا روزہ نہیں ٹوٹتا۔

نوٹ: بعض اوقات اس باریک سی نالی میں ایک نلکی داخل کر کے پانی گزارا جاتا ہے تاکہ صفائی ہوجائے اس صورت میں چونکہ وہ نالی اب مسام کی صورت میں نہیں رہی لہذا اب جو پانی حلق میں گر کر معدہ میں جائے گا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

کان میں دوا ڈالنے کا حکم

کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اس بارے تفصیل یہ ہے کہ:

(۱) روزہ اور میڈیکل سائنس (ص: ۲۱۸) (۲) تبيين الحقائق

۱)......خشک دواء رکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا خواہ کان کے کسی حصے میں ڈالی جائے کیونکہ خشک دوا وہیں قرار پکڑ لیتی ہے، جوفِ دماغ یا جوفِ بطن تک نہیں پہنچتی، ہاں اگر کسی طریقہ سے اس کے جوفِ دماغ یا جوفِ بطن تک پہنچنے کا یقین ہوگیا، تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔(۱)

۲)......تر اور مائع دوا ڈالنے کے بارے یہ تفصیل ہے کہ کان کے تین حصے ہوتے ہیں: (۱) بیرونی (۲) وسطی (۳) اندرونی، بیرونی اور وسطی میں تر دوائی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بیرونی اور وسطی کے درمیان، اسی طرح وسطی اور اندرونی کے درمیان پردہ ہوتا ہے، لہذا بیرونی اور وسطی میں ڈالی گئی دوا جوفِ دماغ یا جوفِ بطن تک نہیں پہنچ سکتی۔

البتہ اندرونی حصہ میں ڈالی گئی تر اور مائع دوا سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اس بارے آراء کا اختلاف ہے، قدیم فقہاء تقریباً اس بات پر متفق رہے ہیں کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

حاشیہ الطحاوی علی المراقی میں ہے:

"الحاصل انه لا خلاف فی افطاره باقطار الدهن"۔(۲)

یعنی اس بات پر اتفاق ہے کہ کان میں تیل کا قطرہ ڈالنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔

البتہ روزہ کیوں ٹوٹتا ہے؟ آیا اس وجہ سے کہ کان کا اندرونی حصہ خود جوفِ معتبر ہے جہاں کسی چیز کا پہنچنا مفطر صوم ہے یا کان اور جوفِ دماغ یا جوفِ بطن کے درمیاں منفذ اور راستہ ہے؟ صحیح یہ ہے کہ کان خود جوف معتبر نہیں ہے، جوفِ معتبر صرف جوفِ دماغ اور جوفِ بطن ہیں، کان میں دوا ڈالنے سے اس لئے روزہ ٹوٹتا ہے کہ کان اور جوفِ بطن یا جوفِ دماغ کے درمیان منفذ اصلی موجود ہوتا ہے، جب کان میں دوائی ڈالی جاتی ہے تو وہ جوفِ دماغ یا جوفِ بطن تک پہنچ جاتی ہے۔ صاحبؒ ہدایہ لکھتے ہیں:

"ومن احتقن اواستعط اواقطر فی أذنه افطرلقوله ﷺ الفطر ممادخل ولوجود معنی الفطر وهووصول مافیه صلاح البدن الی الجوف"۔(۳)

علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

---

(۱) الدر المختارمع رد المحتار :(۴۰۲/۲)

(۲) حاشیه الطحاوی علی المراقی :(۳۳۷/۲)

(۳) الهدایة:(۲۲۰/۱)

"أی إلی جوف الرأس أوالبطن"۔(۱)

یعنی کان میں دوا اور تیل ڈالنے سے اس لئے روزہ ٹوٹتا ہے کہ اس میں ڈالی گئی دوا جوف دماغ یا جوف بطن تک پہنچ جاتی ہے۔

گویا کہ مسئلہ کا دارومدار کان اور جوف بطن یا جوف دماغ کے درمیان منفذ کے ہونے یا نہ ہونے پر ہے، اس اعتبار سے اس کا تعلق طب سے ہے، قدیم فقہا کرام نے اس وقت طبی تحقیق کی روشنی میں یہی لکھا ہے کہ ان میں منفذ موجود ہے لہذا کان میں دوائی ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن طب جدید اور میڈیکل سائنس نے ثابت کردیا ہے کہ کان اور مذکورہ اجواف کے درمیان کسی قسم کا منفذ موجود نہیں ہے، اور کان میں دوائی ڈالنے کا اثر اگر حلق یا کسی جوف میں محسوس ہو تو یہ مسام کے ذریعہ پہنچے گا لہذا کان میں دوائی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور یہی صحیح ہے البتہ اگر کوئی احتیاط سے کام لے اور قدیم تحقیق کے مطابق عمل کرے تو اچھی بات ہے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی اور جامعۃ الرشید کراچی کے مفتیانِ عظام کی یہی رائے ہے۔(۲)

☆ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

"دراصل اس مسئلہ کا تعلق طب اور میڈیکل سائنس سے ہے، مختلف ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ کان اور دماغ یا معدہ کے درمیان کوئی منفذ نہیں ہے بلکہ کان کے سرے پر ایک پردہ موجود ہے جو اس راستہ کو بند کردیتا ہے"۔(۳)

☆ حکیم جمیل اصغر لکھتے ہیں:

"میڈیکل سائنس کے مطابق کان اور دماغ یا معدہ کے درمیان کوئی منفذ نہیں ہے بلکہ کان کے سرے پر ایک پردہ موجود ہے جو اس راستہ کو بند کردیتا ہے"۔(۴)

---

(۱) البنایة (۳۱۵/٤)

(۲) اس سلسلہ میں مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کا فیصلہ ملاحظہ ہو: ماہنامہ البلاغ رمضان ۱۴۲۲ھ / دسمبر ۲۰۰۱ نیز ملاحظہ ہو: ضابط المفطرات فی مجال التداوی والمقالات الفقهية (١١٤) للشيخ المفتی محمد رفیع العثمانی حفظه الله اور جدہ فقہ اکیڈمی کے فیصلے "قراردادیں اور سفارشات" وفتاوی دارالعلوم زکریا (۲۷۹/۳)

(۳) جدید فقهی مسائل (۱۸٦/۱)

(٤) روزہ اور میڈیکل سائنس ص: ۲۲۰

☆امدادالفتاوی میں مستفتی نے ایک ڈاکٹر کی یہ تحقیق لکھی ہے:

''کان میں تیل یا دوا ڈالی جائے تو اس کے معدہ میں کسی طرح پہنچے کا امکان نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ظاہری سوراخ ایک جلد پر جسے پردہ کہا جاتا ہے ختم ہو جاتا ہے اور وہ جلد اس طرح کان میں لگی ہوتی ہے جس سے وہ مثل ایک بند صندوق کے ہے جس کا راستہ صرف بیرونی سوراخ ہے''۔(۱)

ناک میں دوا ڈالنا

ناک میں دوا ڈالنے سے بالاتفاق روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ ناک اور جوفِ بطن کے درمیاں منفذ اصلی موجود ہے لہذا دوران روزہ ناک میں دوا ڈالنے سے احتراز ضروری ہے، اگر دوا ڈال دی تو گناہ گار بھی ہوگا اور روزہ کی قضا لازم ہے تاہم اگر شدید ضرورت ہو تو دوا ڈال سکتا ہے گناہ نہ ہوگا البتہ قضا ضروری ہے اور کفارہ دونوں صورتوں میں واجب نہیں ہے۔(۲)

رحم، فرج اور اندام نہانی میں دوا رکھنا

فرج کے دو حصے ہیں (۱) بیرونی (۲) اندرونی۔

احسن الفتاوی میں ہے:

''عورت کی شرمگاہ کے دو حصے ہیں ایک بیرونی حصہ جو مستطیل شکل کا ہے، اس کے بعد کچھ گہرائی میں جا کر گول سوراخ ہے اس گولائی سے اوپر کے حصے کو فرج خارج اور اندرونی حصے کو فرج داخل کہا جاتا ہے۔

شرعا فرج خارج میں دوا رکھنے یا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ وہ فرج داخل تک نہ پہنچے، اور فرج داخل میں دوا لگانے یا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر اتفاق ہے۔

---

(۱) امدادالفتاوی :(۲/۱۴۷)

(۲) الدرالمختار مع الشامی :(۲/۴۰۲)

"الاقطار فی اقبال النساء یفسد بلاخلاف وهو الصحیح"۔(۱)
لیکن واضح رہے کہ مذکورہ حکم تب ہے کہ روزہ کے دوران دوائی رکھی جائے، اگر رات کو رکھی تھی اس حالت میں روزہ شروع کر دیا تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔(۲)
کتاب الفتاوی میں ہے:
"اگر پہلے سے دوا رکھی گئی ہو اور روزہ کی حالت میں باقی رہے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص رات کے وقت غذا یا دوا کھائے اور روزہ شروع ہونے کے بعد بھی وہ معدہ میں موجود رہے"۔

اندام نہانی میں روئی کا پھایا رکھنا

مذکورہ تفصیل روئی کے پھائے کے ساتھ دوائی رکھنے میں بھی ہے یعنی اگر روئی کے پھائے کو دوائی میں تر کر کے روزہ کے دوران اندامِ نہانی کے اندرونی حصے میں رکھا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر پہلے سے رکھا ہے یا بیرونی حصہ میں رکھا گیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔(۴)

ٹیوب لگانے کا حکم

اگر اندام نہانی اور فرج میں اس طرح ٹیوب لگا دیا جائے کہ اس کا ایک کنارہ باہر ہو تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔(۵)

حاملہ عورت طبی معاینہ کرائے تو روزہ کا حکم

بعض اوقات حاملہ خاتون کا طبی معاینہ کیا جاتا ہے جس میں دوائی یا اس سلسلہ کی ماہر لیڈی ڈاکٹر اس کے فرج میں ہاتھ داخل کرتی ہے، روزہ کی حالت میں ایسے معاینہ سے بچنے کی کوشش

---

(۱) فی الهندية:(۱/۲۰٤)   (۲) احسن الفتاوی:(۲/۳۷)
(۳) کتاب الفتاوی :(۳/۳۸۱)   (٤) کتاب الفتاوی :(۳/۳۸۱)
(۵) احسن الفتاوی:(٤/٤٤۷)

کرنا چاہئے، اور اگر کسی نے ایسا معاینہ کرلیا تو روزہ فاسد ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر ہاتھ، انگلی یا آلہ خشک ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر اس پر پانی کی تری، تیل یا دوائی لگی ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔(۱)

جیسا کہ آج کل ہسپتالوں میں عموماً میڈیکل چیک اپ کی غرض سے مخصوص تیل، اینٹی سیپٹک لوشن کریم وغیرہ استعمال کی جاتی ہے، اور اس صورت میں اس لئے روزہ ٹوٹ جاتا ہے کہ عورتوں کے (Reproductive system) اور جوفِ بطن کے درمیان منفذ اصلی موجود ہوتا ہے۔

روزہ میں عورت کا داخل بدن ربڑ کا حلقہ چڑھانا

بعض اوقات امراضِ رحم کی وجہ سے رحم کے اندر ربڑ وغیرہ کا حلقہ چڑھایا جاتا ہے، شرعاً اس سے روزہ ٹوٹنے کے بارے یہ تفصیل ہے کہ خود روزہ کی حالت میں اس طرح حلقہ یا چھلا چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لہذا روزہ کے دوران اس سے بچنا ضروری ہے لیکن اگر پہلے چڑھا دیا اور وہ داخل رحم ہو گیا پھر روزہ رکھ لیا تو اس سے روزہ میں کوئی خلل نہیں آتا۔ (۲)

امداد الفتاوی میں ہے:

''خود روزہ کی حالت میں یہ چھلا چڑھانا مفسد صوم ہے، لیکن اگر غیر حالتِ صوم میں چڑھایا ہوا حالت صوم میں داخل بدن باقی رہے، تو اس سے روزہ میں کوئی خلل نہیں آتا''۔(۳)

رحم کی صفائی کا حکم

قرارِ حمل کے لئے طبی لحاظ سے بعض اوقات عورتوں کو رحم کی صفائی کروانی پڑتی ہے، شرعاً یہ

---

(۱) ماخذ : خير الفتاوی:(٤/٧٨)

(۲) ماخذه : آلات جديده كے شرعى احكام:(٩٥،٩٦)

(۳) امداد الفتاوی :(٢/١٤٤)

بھی علاج میں داخل ہے اور جائز و مباح ہے، بشرطیکہ لیڈی ڈاکٹر یا کسی دوسری ماہر خاتون سے باپردہ کرایا جائے۔

اور اس سے روزہ ٹوٹنے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر ہاتھ یا کوئی آلہ دوائی تیل وغیرہ سے تر کر کے داخل کیا گیا، تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر خشک داخل کیا گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، نیز خشک آلہ سے روزہ نہ ٹوٹنے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ آلہ کا ایک سرا باہر رہ جائے اگر کوئی آلہ مکمل داخل کر لیا گیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا اگرچہ خشک ہو۔

وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"وعلى هذا الا يفسد عندهم الصوم بالفحص النسائي بادخال آلة منظار و بقاء طرفها خارجا ويفسد بادخال الاصبع ونحوها"۔(۱)

روزہ میں دانت لگانا، نکلوانا یا اس پر دوائی لگانا

روزہ کی حالت میں دانت لگانے، نکلوانے اور اس پر دوا لگانے سے احتراز کرنا چاہئے، اس سے روزہ میں کراہت آتی ہے، کیونکہ خون اور دوائی نگل جانے کا امکان ہے فھو تعریض للصوم على الافطار پھر اگر دوائی پیٹ میں چلی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، دوائی خواہ کم ہو یا زیادہ، اور اگر خون چلا جائے تو تین صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا:

۱)......خون تھوک پر غالب محسوس ہو۔

۲)......دونوں مساوی ہوں۔

۳)......خون تھوک سے کم ہو مگر اس کا ذائقہ محسوس ہو۔

اور اگر خون تھوڑا بھی ہے اور اس کا ذائقہ بھی محسوس نہیں ہوتا تو روزہ فاسد نہ ہوگا، تاہم اگر بلا ضرورت شدیدہ دانت نکلوائے تو مکروہ ہے اور اگر واقعی ضرورت تھی تو جائز ہے۔(۲)

نیز اب دانت نکالنے سے قبل مسوڑھا سن کرنے کے لئے انجکشن یا سپرے کی صورت میں

---

(۱) الفقه الاسلامی وادلته(۱۷۰۸/۳)

(۲) الدرالمختار : (۳۹۶/۲)

Local Anasthesia استعمال کیا جاتا ہے، اس میں محذر اثرات ہوتے ہیں جس سے گوشت سن ہو جاتا ہے، اس میں یہ بھی ممکن ہے کہ دوا حلق میں اتر جائے لہذا اس بارے مزید احتیاط درکار ہوگی۔

نزلے میں دوا سونگھنا

نزلہ، زکام میں بعض دوائیں سونگھی جاتی ہیں جن سے افاقہ مل جاتا ہے، اس سے روزہ ٹوٹنے کے بارے یہ تفصیل ہے کہ:

۱)......اگر اس دواء میں سفوف پاؤڈر یا لیکویڈ دوائی موجود نہیں ہے تو اس کے محض سونگھے سے روزہ فاسد نہ ہوگا جیسے عطر، خوشبو اور گلاب کا پھول سونگھنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ بلا ضرورت اس کے استعمال سے احتراز کیا جائے، روزہ میں اس کا استعمال خلاف احتیاط ہے۔

۲)......اگر اس میں لیکویڈ دوائی یا سفوف موجود ہے تو اس کے سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس کی قضا ضروری ہے۔

فتاوی دار العلوم دیوبند مدلل مکمل میں ہے:

سوال: اٹلوس ایک روا ہے کہ نوسادر اور چونا ملا کر شیشی بھر کر ناک سے لگا کر سونگھا جاتا ہے اس کی تیزی دماغ تک پہنچتی ہے اس کے سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں روزہ اس کا ٹوٹ گیا قضا لازم ہے۔ (۱)

روزہ میں ویکس (Vicks) اور بام لگانے کا حکم

روزہ کے دوران بیرونِ جسم کسی بھی حصہ پر بام، زنڈو بام اور ویکس (Vicks) لگانا جائز ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگرچہ اس کا اثر دماغ تک پہنچ جائے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب خلقی منفذ کے ذریعہ اصل چیز جوف بطن یا جوف دماغ تک پہنچے تو روزہ ٹوٹتا ہے، جبکہ ویکس اور بام

---

(۱) فتاوی دار العلوم دیوبند مدلل مکمل :(٦/٤١٨)

میں اصل دوائی نہیں پہنچتی بلکہ اس کا اثر پہنچ سکتا ہے، اور وہ بھی مسام کے ذریعہ پہنچتا ہے خلقی منفذ کے ذریعہ نہیں لہذا ویکس وغیرہ مفسد صوم نہیں۔ (۱)

البتہ گرم پانی میں "وکس" ڈال کر بھاپ لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس میں قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔ (۲)

اور وکس سونگھنے میں وہی تفصیل ہے جو گزشتہ مسئلہ میں آچکی ہے۔

دوائی کے ذائقہ کا احساس

بعض اوقات آدمی سحری کے وقت یا رات کو دوائی کھالیتا ہے لیکن اس کا ذائقہ اور اثر دن کو روزہ کی حالت میں بھی محسوس ہوتا ہے، شرعاً اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا خواہ ذائقہ منہ میں محسوس ہو یا پیٹ اور معدہ سے ڈکار کی صورت میں آئے البتہ اگر ذائقہ دار ذرات منہ سے حلق اور پیٹ چلے گئے، تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ (۳)

روزہ میں ہومیوپیتھک دوائی سونگھنا

ہومیوپیتھک دوائی کی خصوصیت یہ ہے کہ اسے محض سونگھنے سے بھی مریض بعض اوقات تندرست ہوسکتا ہے اور اس کا مریض پر اندرونی اثر پڑتا ہے لیکن چونکہ محض اثر اندر جاتا ہے خود دوائی نہیں جاتی، اس لئے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

فتاوی محمودیہ جدید میں ہے:

سوال: ہومیوپیتھک دوا کے سونگھنے سے مریض کو اتنا ہی اثر ہوتا ہے جتنا کہ دوا کے کھانے سے، خوہ دوا کی صرف ایک ہی گولی چٹکی میں لیکر کسی روزہ دار مریض کو سونگھائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب: محض سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (۴)

---

(۱) ماخذه : كتاب الفتاوى:(۳/۳۹٤) ـ فتاوى دار العلوم زكريا:(۳/۲۷٤)

(۲) روزہ کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا:(ص:۲۰۹)

(۳) ماخذ: فتاوى حقانيه : (٤/١٦٠) (٤) فتاوى محموديه جديد :(١٠/١٥٥)

سانس کے ذریعہ دوا چڑھانا

سانس کے علاج کیلئے بعض خشک اور پاؤڈر نما ادویہ استعمال کی جاتی ہیں، اس دوا کو سانس کے ذریعہ چڑھایا جاتا ہے، یہ دوا پھیپھڑوں اور پیٹ میں داخل ہو جاتی ہے اور بعض اوقات حلق میں بھی چپک جاتی ہے چونکہ یہ دوا منفذ اصلی کے ذریعہ جوفِ بطن تک پہنچتی ہے لہذا اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، روزہ کے دوران اس کا استعمال صحیح نہیں ہے، افطاری کے بعد یا سحری بند ہونے سے پہلے استعمال کی جائے اور اس کے بعد خوف اچھی طرح منہ صاف کر لیا جائے پھر بھی حلق کے اندر کچھ رہ جائے تو کوئی حرج نہیں۔(۱)

ادویہ سے حیض بند کر کے روزے رکھنا

بعض خواتین مانع حیض ادویہ استعمال کر کے حیض روک لیتی ہیں اور اس طرح رمضان کے پورے روزے رکھتی ہیں اس کے کئی مقاصد ہوتے ہیں مثلاً:

۱)......رمضان میں روزہ اور عبادت کا ثواب زیادہ ہے، فضیلت اور ثواب حاصل کرنے کے لئے ایسا کرتی ہیں۔

۲)......رمضان میں روزہ رکھنے کی ایک فضا بنی ہوتی ہے، اس کا روزہ آسان ہوتا ہے بعد میں قضا کرنا مشکل اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔

یہاں دو حکم ہیں: (۱) خون روکنے کی شرعی حیثیت (۲) روزہ کی صحت کا حکم۔

۱)......شرعاً خواتین کا ادویہ کے ذریعہ خون روکنا درست عمل نہیں ہے خواتین کو مہینہ میں ایک بار خون آنا ایک فطری اور طبعی عمل ہے جو اللہ تعالی کا مقدر کردہ ہے، اس کو غیر فطری اور مصنوعی طریقہ سے روکنا خاتون اور اس کی صحت کے لئے مضر اور نقصان دہ ہے، طب جدید وقدیم میں حیض کے خون کا خروج عورت کی صحت اور تندرستی کی نشانی سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ

(۱) ماخذہ : آپ کے مسائل اور ان کا حل:(۲۸۸/۳)

فاسد مادہ نکل جاتا ہے اور بقیہ خون صاف ہو جاتا ہے۔

اور جہاں تک مذکورہ مقاصد و اغراض کا تعلق ہے تو حیض آنا غیر اختیاری ہے لہذا خاتون اگر رمضان کا روزہ قضا کرے تو بھی اس کو پورا ثواب ملتا ہے اور بعد میں مشقت سے قضا کرنے پر بھی ثواب ہے۔

کتاب الفتاوی میں ہے:

''عورتیں چونکہ اس معاملہ میں معذور ہیں اس لئے امید ہے کہ رمضان کے بعد روزہ رکھنے کا ان کو اسی قدر ثواب ہوگا جو رمضان میں رکھنے کا ہوتا ہے بلکہ ممکن ہے کہ وہ زیادہ اجر کی مستحق ہوں، کیونکہ رمضان المبارک کے ماحول میں سب کیساتھ مل کر روزہ رکھنا آسان ہوتا ہے اور عام دنوں میں تنہا روزہ رکھنا نسبۃً دشوار، اور جو حکم اللہ کے حکم سے ادا کیا جائے اور اس میں زیادہ مشقت ہو اس میں زیادہ اجر و ثواب کی توقع ہے''۔(۱)

۲)......اگر کسی خاتون نے حیض روک کر روزہ رکھ لیا تو روزہ ادا ہونے کے بارے یہ تفصیل ہے کہ اگر حیض شروع ہونے سے پہلے دوا استعمال کر ڈالی اور حیض بالکل آیا ہی نہیں تو سب روزے صحیح ہیں اور اگر حیض ظاہر ہو چکا تھا تو شرعاً یہ جاری کے حکم میں ہے لہذا اگر خاتون معتادہ ہے یعنی اس کے حیض آنے کے ایام مقرر ہیں تو اتنے دنوں کا روزہ نہ ہوگا مثلاً اس کو چھ دن حیض آتا ہے اور حیض کا خون ظاہر ہو چکا تھا تو وہ چھ دن حائضہ ہی شمار ہوگی اور اس کا چھ دن روزہ نہ ہوگا اور اگر وہ مبتدأہ ہے یعنی پہلی بار خون آیا ہے یا پہلے بھی خون آیا ہے لیکن عادت مقرر نہیں ہے تو تین دن تک حیض شمار ہوگا اس کا روزہ صحیح نہیں، بعد میں اس کی قضا ضروری ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مانع حیض ادویہ استعمال کرنے سے خون کم آتا ہے بالکل بند نہیں ہوتا وقفہ وقفہ سے قطرہ آتا ہے یا پیشاب کے ساتھ سرخی محسوس ہوتی ہے یا جسم یا کپڑوں پر دھبہ لگ جاتا ہے ایسی خاتون شرعاً حائضہ ہی شمار ہوتی ہے لہذا اگر اس نے اس دوران روزہ رکھا تو روزہ ادا نہ ہوگا۔

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

---

(۱) کتاب الفتاوی :(۴۰۳/۳)

"والحائض اذا حبست الدم عن الورود لایخرج من ان تکون حائضا بخلاف صاحب الجرح"۔(۱)

ٹی بی (تپ دق) کے مریض کے لئے روزہ کا حکم

ٹی بی یعنی تپ دق کے مریض بعض اوقات انتہائی کمزور ہو جاتے ہیں اور انہیں روزہ رکھنے سے سخت ضرر اور نقصان ہوتا ہے لہذا اگر ماہر اور دیندار ڈاکٹر روزہ رکھنے سے منع کر دے تو ان کے لئے روزے افطار کرنا جائز ہے، فی الحال روزے نہ رکھے، آئندہ جب صحت یاب ہو تو قضا کر لے، اور اگر آئندہ بھی روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دیدے۔(۲) یہی حکم ہر مریض کا ہے۔

انجکشن اور ٹیکہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا

شرعاً کسی بھی قسم کے انجکشن اور ٹیکہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا مثلاً 3 سی سی، گلوکوز، لارجک ٹال، نیسٹو بیان، نکھتا مائیڈ۔ اور ٹیکہ خواہ رگ میں لگایا جائے یا بدن کے کسی اور حصہ میں اور خواہ بوقت ضرورت لگایا جائے یا بلاضرورت اور خواہ طاقت کا ٹیکہ ہو، روزہ کسی صورت نہیں ٹوٹتا البتہ طاقت کے ٹیکہ سے احتراز کرنا چاہئے کیونکہ اس سے روزہ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ دوا یا غذا سے روزہ ٹوٹنے کی متعدد شرائط ہیں جن میں بعض کا تعلق مبحوث فیہ مسئلہ سے ہے ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱)......دوا یا غذا جوفِ دماغ یا جوفِ بطن تک پہنچ جائے، تو روزہ ٹوٹتا ہے اس کے علاوہ کسی جوف میں پہنچنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

جوف (Cavity) کی تعریف یوں کی گئی ہے:

الجوف: الخلا ثم استعمل فیمایقبل الشغل والفراغ۔(۳)

---

(۱) فی خلاصۃ الفتاوی :(۱/۲۳۱) کتاب الحیض،

(۲) ماخذہ : فتاوی رحیمیہ جدید :(۷/۲۵۷)

(۳) القاموس الفقھی لغۃ واصطلاحا:(ص:۷٤)

یعنی جوف کے لغوی معنی خلا اور خالی چیز کے ہیں۔

اور فقہ کی اصطلاح میں بدن کے ہر اس خالی حصہ کو کہا جاتا ہے جو کبھی مشغول ہوتا ہو، اور کبھی فارغ رہتا ہو۔

اس معنی میں انسانی جسم میں متعدد اجواف (Cavitys) موجود ہیں جیسے منہ ناک کان شرمگاہ، احلیل، حلق دماغ معدہ، آنتیں اور پیٹ وغیرہ لیکن کتب فقہ میں تصریحات موجود ہیں کہ صرف جوفِ بطن اور جوفِ دماغ میں دوا یا غذا پہنچنے سے روزہ فاسد ہوتا ہے اس کے علاوہ کسی جوف میں دوا پہنچنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا الا یہ کہ وہاں سے جوفِ بطن تک راستہ ہو اور دوا جوفِ بطن تک پہنچ جائے۔

اس بات کی دلیل یہ ہے کہ جسم پر لگنے والے زخموں کی متعدد اقسام ہیں لیکن فقہا کرام نے لکھا ہے کہ ان میں سے صرف دو قسم کے زخموں پر دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹتا ہے (۱) جائفہ: کیونکہ زخم پیٹ تک پہنچتا ہے، (۲) آمہ: کیونکہ یہ زخم دماغ تک پہنچتا ہے۔(۱)

معلوم ہوا کہ روزہ فاسد ہونے کے لئے دوا کا جوفِ دماغ یا جوفِ بطن میں پہنچنا ضروری ہے بلکہ ان دو میں سے بھی اصل جوفِ بطن ہے جوفِ دماغ میں دوا پہنچنا خود مفسد نہیں بلکہ جو دوا جوفِ دماغ پہنچتی ہے عادتِ اکثر یہ یہ ہے کہ وہ منفذ کے ذریعہ جوفِ بطن تک پہنچ جاتی ہے۔

ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفی التحقیق أن بین الجوفین منفذا اصلیا، فماوصل الی جوف الرس وصل الی جوف البطن کذافی النهایة والبدائع۔(۲)

یعنی تحقیق یہ ہے کہ جوف دماغ اور جوف بطن کے درمیان اصلی منفذ موجود ہے لہذا جو چیز جوف دماغ پہنچتی ہے وہ جوفِ بطن بھی پہنچ جاتی ہے۔

معلوم ہوا کہ جوفِ بطن ہی معتبر ہے، جوفِ دماغ کو تبعاً مانا گیا ہے۔

۲)...... جوف بطن سے کیا مراد ہے؟ جوف بطن کے دو معنی ہیں:

ا...... عام: اور وہ یہ کہ سینہ سے نیچے شرمگاہ تک پورا حصہ مراد لیا جائے، جس میں اعضاء

(۱) الدرالمختار: (۲/۴۰۲)

(۲) البحرالرائق: (۲/۴۸۸)

رئیسہ معدہ، آنتیں، مثانہ، رحم، گردے وغیرہ سب آ جاتے ہیں،اسے (Abdominal Cavity) کہا جاتا ہے۔

۲......خاص، یعنی صرف معدے اور آنتوں کا حصہ(Alimentary Canal) یہاں دوسرا خاص معنی مراد ہے یعنی روزہ اس وقت ٹوٹے گا جب معدے اور آنتوں کے جوف میں دوا پہنچے۔

۳)......جوف بطن تک پہنچ کر وہاں ٹھہر جائے،اگر دوا یا کوئی دوسری مفسد چیز جوف بطن تک پہنچ تو گئی لیکن ٹھری نہیں، اسی وقت فوراً نکال لی گئی تو روزہ نہیں ٹوٹتا،اس بارے تفصیل اور حوالہ جات ملاحظہ ہوں بعنوان ''معدہ میں نلکی ڈالنے کا حکم''۔

۴)......روزہ فاسد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مفسد صوم چیز خود جوف بطن تک پہنچے،اس کا اثر پہنچنا کافی نہیں ہے اگر صرف اثر پہنچا تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، اس کی دو مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

۱......حالت روزہ میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کرنا بالاتفاق صحیح ہے حالانکہ ٹھنڈے پانی کا اثر اندرونِ جسم محسوس ہوجاتا ہے۔

۲......کسی کا حلق خشک ہے تھوک تک نہیں آ رہا اگر وہ تراوٹ پیدا کرنے کے لئے کلی کرتا ہے تو درست ہے اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ خود پانی حلق میں نہیں پہنچتا بلکہ اس کا اثر پہنچتا ہے۔

۵)......خود اس مفسد چیز کا پہنچنا بھی اس وقت معتبر ہے جبکہ وہ منفذ اصلی کے ذریعہ پہنچے، منفذ عارضی کے ذریعہ پہنچنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، جوف بطن تک دو قسم کے سوراخ پہنچ سکتے ہیں

۱......اصلی اور خلقی سوراخ(Natural Opening) اس کو فطری اور اصلی منفذ اور مخرق کہا جاتا ہے جیسے منہ ناک، دونوں شرمگاہوں کے راستے۔

۲......عارضی سوراخ(Artificial Opening) مثلاً سوئی سے بنایا گیا سوراخ اسے غیر اصلی منفذ و مخرق کہا جاتا ہے، شرعاً عارضی مخرق سے جوف بطن میں داخل ہونے والی چیز سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی روزہ دار کو حشرات الارض مثلاً سانپ بچھو اور بھڑ

کاٹ ڈالیں تو روزہ نہیں ٹوٹتا، حالانکہ اس کا زہر بدن کے اندر چلا جاتا ہے، جس کی علامت یہ ہے کہ بدن پھول جاتا ہے اور سانپ کا زہر دماغ تک پہنچ جاتا ہے۔

انجکشن کے ذریعہ جسم، وریدوں، رگوں اور شریانوں میں جو دوا پھیلتی ہے اور جوف بطن تک پہنچ جاتی ہے وہ اصلی منفذ کے ذریعہ نہیں جاتی لہذا اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، تاہم اگر ضرورت نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ روزہ افطار کرنے کے بعد ٹیکہ لگایا جائے، بعض حضرات کے ہاں ٹیکہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لہذا اختلاف سے بچنا اولی ہے۔

الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید وغیرہ میں فساد صوم کا قول اختیار کیا ہے۔(۱)

گلوکوز، ڈرپ اور طاقت کے انجکشن کا حکم

مذکورہ حکم گلوکوز چڑھانے، ڈرپ اور طاقت کے انجکشن کا بھی ہے کہ اصول اور ضابطہ کی رو سے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن روزہ میں بلا ضرورت گلوکوز چڑھانا، ڈرپ اور طاقت کا ٹیکہ لگانا مکروہ ہے۔

گلوکوز (Dextrose) خالص ہو، یا کسی خاص انجکشن کی آمیزش کے بعد (Intravenous) لگایا جائے۔

☆مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

"جس شخص کو بیماری کی وجہ سے گلوکوز چڑھانا ضروری نہ ہو، محض تقویت کے لئے روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانا ایک درجہ کی کراہت سے خالی نہیں، کیونکہ روزہ کا رکن اپنے آپ کو غذا سے محروم رکھنا ہے اور گلوکوز چونکہ غذا کی ضرورت ہی کو پورا کرتا ہے اس لئے گلوکوز چڑھانا گویا جسم کی غذائی ضرورت کو پورا کر دیتا ہے اس لئے محض تقویت کے لئے روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانے سے بچنا چاہئے"۔(۲)

مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

(۱) الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید:(۱/۱۴۳،۱۴۴)

(۲) کتاب الفتاوی :(۳/۳۹۰)

’’گلوکوز لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ یہ گلوکوز کسی عذر کی وجہ سے لگایا جائے، بلا عذر گلوکوز چڑھانا مکروہ ہے‘‘۔(۱)

مزید لکھتے ہیں:

’’عذر کی وجہ سے رگ میں بھی انجکشن لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، صرف طاقت کا انجکشن لگوانے سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے، گلوکوز کے انجکشن کا بھی یہی حکم ہے‘‘۔

پائپ کے ذریعہ معدہ میں دوا پہنچانا

بعض اوقات مریض خود کھانے کی قدرت نہیں رکھتا تو حلق کے راستہ پیٹ میں پائپ اتار دیا جاتا ہے پھر پائپ کے ذریعہ دوائی دی جاتی ہے، اس سے بالاتفاق روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ یہ منفذ اصلی کے ذریعہ بدن میں داخل ہوتی ہے۔

روزہ میں آکسیجن ماسک لگانے کا حکم

بعض مریضوں اور پائلٹوں کو آکسیجن ماسک لگایا جاتا ہے، اس میں اگر صرف ہوا کے ذریعہ سانس جاری کرنا مقصود ہو، غذا یا دوا اس میں شامل نہ ہو تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، ہاں اگر اس میں دوا کے ذرات بھی شامل جیسا کہ بعض مریضوں کو اس کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

آکسیجن گیس (Oxygen Gas) مریض کو براہِ راست (Pure) نہیں دی جاتی بلکہ گیس پہلے پانی میں جاتی ہے اور پانی سے نمی لے کر مریض کے بدن میں داخل ہوتی ہے، اگر یہی بات ہے تو اس سے روزہ فاسد ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ فتاوی عثمانی میں ہے:

’’آکسیجن ماسک لگانے سے اگر سوائے ہوا یا اس کے کسی جز کے کوئی اور چیز حلق میں نہ جاتی ہو تو اس کے لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا‘‘۔(۲)

---

(۱) آپ کے مسائل اور ان کا حل :(۳/۲۸۸)

(۲) فتاوی عثمانی :(۲/۱۸)

وینٹولین پمپ کا حکم

سانس کی تنگی دور کرنے کے لئے جو وینٹولین پمپ استعمال کیا جاتا ہے اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ اس میں دوا ہوتی ہے جو حلق کے اصلی منفذ کے ذریعہ پھیپھڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔

انہلیر کا حکم

دمہ اور ضیق النفس (Asthma) کے مریض کو انہیلر (Inhaler جسے لوگ پف کہتے ہیں) استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اور ایسا مریض اس کے بغیر پورا دن نہیں گزار سکتا۔ سوال یہ ہے کہ انہیلر سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ انہیلر میں لیکوئیڈ گیس نما سی چیز میں ادویات شامل کی جاتی ہیں اور ماہرین کا کہنا یہ ہے کہ اس میں موجود نمی آلات تنفس میں سرایت کر جاتی ہے اور اس طرح سانس کی نالیوں میں کشادگی اور طراوت پیدا کرتی ہے۔

اس کا جواب اس تحقیق پر موقوف ہے کہ انہیلر کے ذریعہ دوا کے اجزا خود حلق کے نیچے پہنچتے ہیں یا گیس میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور ہوا نیچے جاتی ہے؟ پہلی صورت میں روزہ ٹوٹتا ہے اور دوسری صورت میں نہیں۔

صحیح تحقیق یہی ہے کہ خود دوا کے اجزا حلق میں جاتے ہیں لہٰذا انہیلر سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا اگر افطاری اور سحری کے وقت لئے گئے انہیلر پر گزارہ ہو سکتا ہو اور دن کو اس کی ضرورت نہ پڑتی ہو تو ایسے مریض کا روزہ رکھنا ضروری ہے اور اگر دن کو بھی استعمال ضروری ہو تو ایسا مریض معذور ہے، روزہ نہ رکھے، بعد میں اگر قضا ممکن ہو تو قضا کرے اور اگر قضا بھی ممکن نہ ہو تو روزوں کا فدیہ دے۔ (۱)

(۱) خیر الفتاوی (۹۸/۴) فتاوی محمودیہ (۱۵۴/۱۰) فتاوی دار العلوم زکریا (۲۸۱/۳) فتاوی حقانیہ (۱۷۰/۴) ماہ رمضان المبارک کے فضائل واحکام ص: (۱۳۶) روزہ اور میڈیکل سائنس ص: (۲۲۲) اور روزہ کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا ص: (۸۵) میں یہی موقف اختیار کیا گیا ہے، جبکہ کتاب الفتاوی (۳۹۱/۳-۳۹۴) میں اس بارے توقف اختیار کیا گیا ہے۔

نیبولائزیشن (NEBULIZTION) کا حکم

دمہ اور ضیق النفس جب انتہائی شدید ہو تو فوری طور پر سانس جاری کرنے والی زود اثر ادویہ بذریعہ NECULIZER دی جاتی ہیں چونکہ اس سے دوائی کے ذرات اندر پہنچ جاتے ہیں لہذا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔(۱)

ذیابیطس کے مریض کے لئے روزہ کا حکم

اگر ذیابیطس کے مریض کے لئے روزہ رکھنا ممکن ہو جیسا کہ عموماً ممکن ہوتا ہے تو اس کا روزہ رکھنا فرض ہے چھوڑنا جائز نہیں، البتہ اگر مرض بہت شدید ہے یا مریض بہت بوڑھا ہے اور اس کیلئے روزہ رکھنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے تو روزہ افطار کرسکتا ہے پھر اگر آئندہ ٹھیک ہونے کی امید ہو تو فدیہ دینا کافی نہیں، قضا ضروری ہے اور اگر آئندہ صحت مند ہونے کی توقع نہ ہو تو فدیہ دے سکتا ہے۔(۲)

منجن، ٹوتھ پیسٹ، ٹوتھ پاؤڈر، گم پینٹ وغیرہ کا حکم

روزہ کی حالت میں منجن، ٹوتھ پیسٹ، ٹوتھ پاڈر، گم پینٹ، ادویاتی سنون اور اس جیسی تمام اشیا کا استعمال مکروہ ہے کیونکہ اس سے روزہ ٹوٹنے کا خطرہ ہوتا ہے، پھر اگر دوران استعمال کوئی ذرہ حلق میں اتر جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر کچھ بھی نہ اترا تو روزہ صرف مکروہ ہے۔

ہیمورائیڈل آئنٹمنٹ کا استعمال

بواسیر کی شدید تکلیف کی صورت میں ڈاکٹر حضرات فوری سکون کے لئے ہیمورائیڈل آئنٹ منٹ (Haemorrhoidal Ointment) تجویز کرتے ہیں اس کی ڈبیہ پر اگرچہ لکھا

(۱) روزہ اور میڈیکل سائنس ص (۲۲۳)

(۲) ماخذہ : فتاوی دارالعلوم دیوبند مکمل مدلل :(۶/۴۷۴)

ہوتا ہے ''بیرونی استعمال کے لئے'' لیکن اس کا طریق استعمال اس طرح ہے کہ دوا کی ڈبیہ کی ٹیوب پر ایک لمبی NOSAL لگائی جاتی ہے جو مقعد کے اندر داخل کر کے متاثر مقام تک پہنچائی جاتی ہے لہذا ہیمورائیڈل آئنٹمنٹ کے استعمال سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔(۱)

روزہ کی حالت میں اینما (Anema) کا حکم

پتہ کا ایکسرا کرنا ہو تو پہلے مریض کا اینما (Anemia) یعنی حقنہ کیا جاتا ہے جس میں اجابت کی جانب سے نلکی کے ذریعہ آنتوں تک اتنا زیادہ پانی پہنچایا جاتا ہے کہ آنتیں بھر جاتی ہیں اور پانی واپس آنا شروع ہو جاتا ہے اینما (Anemia) کے عمل سے بالاتفاق روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس کے وجہ ظاہر ہے کہ اس میں اینما کے اجزا ترکیبی پانی، صابن، سٹارچ وغیرہ منفذ اصلی کے ذریعہ آنتوں تک پہنچ جاتے ہیں۔

پائیریا کی پیپ کا منہ میں آنا

پائیریا دانتوں کا ایک مخصوص مرض ہے اس میں مسوڑوں، دانتوں، دانتوں کی جڑوں اور جبڑوں سے ہر وقت پیپ (Puss) جاری رہتی ہے البتہ عموماً مقدار میں تھوک اور لعاب سے کم ہوتی ہے اس لئے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔(۲)

روزے کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

''پائیریا ایک مستقل بیماری ہے، پیپ منہ میں پیدا ہوتی ہے اس سے احتراز ممکن نہیں پیپ کی مقدار بھی کم اور تھوک سے مغلوب ہوتی ہے اسلئے روزہ فاسد نہیں ہوگا''۔(۳)

بواسیری مسوں پر مرہم یا دوا لگانا

بواسیر کی بیماری کی وجہ سے مریض کے مقعد میں گوشت کے زائد ٹکڑے پیدا ہو جاتے ہیں

(۱) روزہ اور جدید میڈیکل سائنس ص:(۲۲۵)

(۲) روزہ اور جدید میڈیکل سائنس ص: (۲۲٤)

(۳) روزے کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا (ص:۵۷)

جنہیں مسے کہا جاتا ہے، یہ مسے بعض اوقات باہر نکل جاتے ہیں، ان پر دوا لگانے میں مندرجہ ذیل تفصیل ہے:

۱)...... جو مسے باہر ہوں ان پر دوا لگانا جائز ہے اور یہ مفسد صوم نہیں، بشرطیکہ دوا اندر نہ پہنچے نیز جب تک دوا مسہ پر موجود ہے اسے اندر نہ کیا جائے تاہم اگر ان کو اندر کر دیا جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس کی دو وجوہ ہیں:

۱...... بواسیری مسے کا مقام معدہ سے کافی نیچے ہوتا ہے پھر اگر خارج سے انہیں تر کر کے داخل کیا جائے تو تری معدہ تک نہیں پہنچ پاتی۔

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

''ایسی حالت میں روزہ اس کا قائم رہے گا، روزہ میں کسی طرح کا نقصان نہ آوے گا اس واسطے کہ محل مسوں کا جو کنارہ دبر ہے اس جگہ پر پانی پہنچنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، نہ معذور کا نہ غیر معذور کا''۔(۱)

احسن الفتاوی میں ہے:

''بواسیری مسے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں اور براہ مقعد داخل ہونے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد نہیں لہذا مسوں کو پانی سے تر کر کے چڑھانے سے اور مسوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ کانچ کو تر کر کے چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس لئے کہ یہ موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہے''۔(۲)

۲...... ایسی تری اور دوائی کے اندر جانے سے احتراز مشکل ہے۔

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

''حالت صوم میں ہاتھ کو پانی سے تر کر کے مسوں کو دبانا یا طہارت مسوں کی پانی سے کر کے مسوں کو دبانا مفسد صوم نہیں ہے، اس واسطے کہ جو رطوبت پانی کی مسوں پر رہ جائے گی اور وہ مسوں کے ساتھ جوف میں داخل ہوگی اس سے احتراز ممکن نہیں خصوصاً مریض بواسیر شدید کو اور جو اس قسم کی چیز جوف میں داخل ہو جس سے احتراز ممکن نہ ہو

(۱) فتاوی رشیدیہ ص: (۳۷۲)

(۲) احسن الفتاوی: (۴/۴۴۰)

وہ ناقض صوم نہیں ہوتی جیسے رطوبت پانی کی جو منہ میں بعد کلی کے رہ جاتی ہے باوجودیکہ وہ بنسبت رطوبت مسوں کے کثیر ہوتی ہے"۔(۱)

۲)...... بواسیری مسے اگر اندر ہوں تو ان پر مرہم لگانے، دوائی یا تیل لگانے یا تر کرنے سے بچنا چاہیے، اس میں احتیاط ہے تاہم روزہ ٹوٹنے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر دوائی یا تیل مسوں پر ہی جذب ہو گیا معدہ تک نہیں پہنچا تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر معدہ تک پہنچ گیا یا اتنا قریب ہو گیا کہ معدہ اسے جذب کر لیتا ہے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔(۲)

کسی آلہ (APPLICATOR) کے ذریعہ دوا اندر داخل کرنے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

خونی بواسیر کے مریض کا حکم

اگر کوئی خونی بواسیر کے ایسے مرض میں مبتلا ہے کہ روزہ رکھنے سے واقعی سخت تکلیف ہوتی ہے تو اس کے لئے روزہ نہ رکھنا جائز ہے بعد میں قضا کرے، اگر مرض دائمی ہے آئندہ بھی قضا نہ کر سکے تو فدیہ دیدے۔

فتاوی دارالعلوم دیوبند مدلل مکمل میں ہے:

سوال: ایک شخص خونی بواسیر میں دو ماہ سے مبتلا ہے اور وہ نفل روزے بھی رکھا کرتے ہیں، جب روزہ رکھتے ہیں خون آنے لگتا ہے اور مسے بھی پھول جاتے ہیں اور بڑی تکلیف ہوتی ہے لہذا روزہ نہ رکھے تو ہو نہیں سکتا، اور رکھے تو یہ تکلیف، پھر اس کو رمضان شریف میں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: ایسے مریض کو رمضان شریف میں روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے پھر جب تندرست ہو جائے اور قابل روزہ رکھنے کے ہو جائے، اس وقت قضا کرے، فدیہ دینا اس کو کافی نہیں ہے البتہ ایسے مریض کو جس کا مرض دائمی ہو جائے اور صحت سے

---

(۱) فتاوی رشیدیہ:(۳۷۲)

(۲) ماخذہ: فتاوی دارالعلوم دیوبند:(٦/٤١١)مع حاشیہ

ناامیدی ہو فدیہ دینا جائز ہے۔(۱)

حالت روزہ میں حمل چیک کرانا

حمل کے ابتدائی دنوں میں حمل چیک کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، چیک کرنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ لیڈی ڈاکٹر حاملہ عورت کی شرمگاہ میں انگلی ڈال کر معاینہ کرتی ہے، بعض اوقات دستانے پہن کر انگلی ڈالتی ہے اور بعض اوقات دستانوں کے بغیر۔

حمل چیک کرنے سے روزہ ٹوٹنے میں مندرجہ ذیل تفصیل ہے:

۱)......لیڈی ڈاکٹر خشک دستانہ پہن کر یا خشک انگلی داخل کر کے معاینہ کرے تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔

۲)......اگر گیلا دستانہ یا گیلی انگلی شرمگاہ میں داخل کرے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۳)......خشک دستانہ یا خشک انگلی ہی شرمگاہ میں داخل کرے لیکن داخل کرنے کے بعد اندرونی رطوبت سے گیلی ہوگئی اور اس نے نکال کر خشک کئے بغیر دوبارہ داخل کر دیا تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

آپریشن (OPERATION) کا روزے پر اثر

محض آپریشن اور عملی جراحی (OPERATION) سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ یہ مفسد صوم اشیاء میں شامل نہیں ہے البتہ دورانِ آپریشن دوسرے مفسدات پائے جانے کی وجہ سے روزہ ٹوٹ سکتا ہے، چنانچہ آپریشن سے مندرجہ ذیل صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا:

۱)......وہ آپریشن جو پیٹ، معدہ اور دماغ کے علاوہ جسم کے کسی ایسے حصے کا کیا جائے جن سے دماغ یا پیٹ کی طرف منفذ اصلی موجود نہ ہو۔

۲)......جسم کے کسی حصہ میں مصنوعی پیوندکاری سے روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ کوئی دوائی پیٹ یا

(۱) فتاوی دارالعلوم دیوبند مدلل مکمل :(٤٨٤/٨)

دماغ تک نہ پہنچے۔

۳)......اگر خود معدہ، دماغ یا پیٹ کا آپریشن اس طرح کیا گیا کہ وہاں سے کچھ کاٹ کر نکال دیا گیا کوئی چیز داخل نہیں کی گئی تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

مندرجہ ذیل صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے:

۱)......آپریشن کے دوران معدہ، دماغ یا پیٹ میں کوئی دوائی پہنچ جائے۔

۲)......معدہ پیٹ یا دماغ میں کوئی مصنوعی عضو لگا دیا جائے۔

۳)......معدہ، پیٹ یا دماغ سے آپریشن کے ذریعہ کوئی عضو نکالا گیا پھر اس کو اندر لگا دیا گیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

معتکف کا علاج کے لئے نکلنا

علاج نہ ضرورت شرعیہ میں داخل ہے اور نہ حاجت طبعیہ میں، لہذا عام بیماری کے علاج کے لئے معتکف کا نکلنا جائز نہیں ہے اگر نکلا تو گناہ بھی ہوگا اور اعتکاف بھی ٹوٹ جائے گا۔

اور اگر شدید بیماری میں مبتلا ہو گیا تو بھی علاج کے لئے نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا البتہ گناہ نہیں ہوگا۔

(۴)

حج وعمرہ اور جدید طبی مسائل

حالت احرام میں ٹیکہ لگانا جائز ہے

اگر حاجی یا معتمر کو ٹیکہ لگانے کی ضرورت پیش آئے تو اس کا حالت احرام میں کسی بھی قسم کا ٹیکہ لگانا بلا کراہت جائز ہے خود بھی لگا سکتا ہے اور دوسرے سے بھی۔

خیر الفتاوی میں ہے:

سوال: ایک شخص مرض ذیابیطس وشوگر میں سخت مبتلا ہونے کی وجہ سے روزانہ ایک ٹیکہ لگواتا ہے اب وہ حج پر جارہا ہے کیا احرام کی حالت میں ٹیکہ لگوانا اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کوئی حرج نہیں ہے۔(۱)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

''حاجی حالتِ احرام میں انجکشن خود بھی لگا سکتا ہے اور دوسرے کو بھی لگا سکتا ہے''۔(۲)

ذیابیطس کے مریض کے لئے حج بدل کا حکم

گزشتہ مسئلہ سے واضح ہوگیا کہ ذیابیطس (شوگر) کے مریض کے لئے احرام کی حالت میں

(۱) خیر الفتاوی :(۱۶۸/٤) (۲) فتاوی رحیمیه(۹۸/۸)

انجکشن لگانا درست ہے لہذا اگر ذیابیطس کا مریض حج پر جائے اور ادویات اور انجکشن کے ذریعہ اپنے مرض کو کنٹرول کر سکے تو اس کا خود حج کرنا ضروری ہے اور اگر فی الحال وہ مرض پر کنٹرول کرنے سے عاجز ہے لیکن آئندہ صحت یاب ہونے کی امید ہے تو انتظار کرے جب تندرست ہو جائے تو خود جا کر حج کرے، ان دونوں صورتوں میں اس کا کسی کو اپنے حج بدل کے لئے بھیجنا صحیح نہیں ہے اور اگر مرض گرفت سے باہر اور آئندہ بھی تندرست ہونے کی امید نہ ہو تو ان دو شرطوں کے ساتھ ذیابیطس کا مریض کسی اور سے اپنا حج بدل کرا سکتا ہے۔(۱)

حالت احرام میں ماسک (MASK) لگانے کا حکم

احرام کی حالت میں ماسک (Mask) لگانا صحیح نہیں ہے اگر کسی نے لگالیا تو دم کے بارے یہ تفصیل ہے کہ اگر ایک مکمل دن یا مکمل رات لگائے رکھا تو اس کی وجہ سے دم واجب ہے اور اگر ایک دن یا رات سے کم لگائے رکھا تو صدقہ واجب ہے یعنی پونے دو یا سوا دو کلو گندم یا اس کی قیمت صدقہ کر دے۔(۲)

حالت احرام میں بام اور وکس (Vicks) استعمال کرنے کا حکم

حالت احرام میں بام، وکس (Vicks) اور وہ تمام خارجی ادویات استعمال کرنا درست نہیں ہے جن میں تیز خوشبو ہوتی ہے خواہ بلا وجہ استعمال کی جائے یا کسی عذر کی وجہ سے، ہر صورت منع ہے البتہ اگر عذر کی وجہ سے ہو تو گناہ نہ ہوگا جزا پھر بھی واجب ہے، پھر جزا میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کامل عضو پر یا اس سے زیادہ پر لگائی تو اس کی وجہ سے دم واجب ہے اور اگر عضو سے کم پر لگائی تو صدقہ واجب ہے۔

"ولو تداوی بالطیب او بدوا فیه طیب غالب ولم یکن مطبوخا و الزقه بجراحته یلزمه صدقة اذا کان موضع الجراح لم یستوعب عضوا و اکثر الا

(۱) انظر ایضا الفتاوی الحقانیه :(۲۵۱/٤)

(۲) ماخذه : فتاوی دار العلوم زکریا :(٤٤٤/۳)

ان یغسل ذلك مرارا فیلزمه دم ......الخ(١)

حالتِ احرام میں منجن یا ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا

حالتِ احرام میں مسواک کرنا جائز ہے خواہ ذائقہ دار ہولہذا مسواک ہی کا اہتمام کرنا چاہئے ،خاص طور پر اس لئے بھی کہ مسواک سنت عمل ہے اور مروجہ ٹوتھ پیسٹ سے یہ سنت ادا نہیں ہوتی تاہم اگر کسی نے حالتِ احرام میں منجن یا ٹوتھ پیسٹ استعمال کر ڈالا تو اس پر جزا واجب ہونے میں کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ:

١)......اگر منجن اور ٹوتھ پیسٹ بالکل سادہ ہو کسی قسم کی خوشبو اس میں شامل نہ ہو تو اس کے استعمال سے کچھ واجب نہ ہوگا اور اس کا استعمال بھی جائز ہے۔

٢)......اگر منجن اور ٹوتھ پیسٹ میں لونگ ، کافور، الائچی یا ان کے علاوہ کوئی خوشبودار چیز ڈالی گئی ہو اور وہ پکی نہ ہو لیکن خوشبودار چیز کم اور مغلوب ہو تو حالتِ احرام میں ایسی منجن اور ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا مکروہ ہے لیکن اس کی وجہ سے صدقہ واجب نہیں ہوتا۔

٣)......اگر مذکورہ خوشبودار اشیاء غالب ہوں اور پکی بھی نہ ہوں تو ایسے منجن اور ٹوتھ پیسٹ کے استعمال پر دم واجب ہوگا کیونکہ منجن یا ٹوتھ پیسٹ پورے منہ یا منہ کے اکثر حصہ میں لگ جاتا ہے۔(٢)

افعالِ حج بروقت ادا کرنے کیلئے مانعِ حیض ادویہ استعمال کرنا

حج کے ایام میں تمام افعال حج کو معمول اور اپنے مقررہ اوقات میں سرانجام دینے کیلئے بعض خواتین مانعِ حیض ادویہ استعمال کرلیتی ہیں،اس بارے دو مسائل قابل تنقیح ہیں:

١)......ممسک حیض ادویہ استعمال کرنے کی شرعی حیثیت۔

---

(١) فی غنية الناسك،باب الجنايات،مطلب فی التداوی بالطيب:١٣٣

ماخذه:ایضا فتاوی رحیمیه:(١٠٤/٤)

(٢) ماخذه : فتاوی رحیمیه :(١٠٤/٨)

۲)......اگر کسی خاتون نے ایسی ادویہ استعمال کرلیں اور افعال حج ادا کر دیئے تو ادائیگی درست ہوئی؟

۱)...... پہلا مسئلہ: مسک حیض ادویہ استعمال کرنا شرعاً کیسا ہے؟

یہ مسئلہ دوسرے طبی مسئلہ پر موقوف ہے وہ یہ کہ ایسی ادویہ استعمال کرنے سے ضرر اور نقصان لاحق ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر ضرر نہ ہوتو شرعاً ان کا استعمال جائز ہے اور اگر ضرر ہوتو جائز نہیں ہے، تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایسی ادویہ صحت کے لئے مضر اور نقصان دہ ہوتی ہیں، ایک تو اس لئے کہ خاتون کو حیض آنا فطری اور قدرتی چیز ہے اِس کا روکنا نقصان دہ ہے جیسے بوقتِ ضرورت ناک بہتی ہے اس کا روکنا نقصان دہ ہے، دوسرے اس لئے بھی کہ حیض میں فاسد مواد اور پرانا خون نکل جاتا ہے اس طرح تندرستی حاصل ہوتی ہے لہذا اس کا روکنا صحت کے لئے مضر ہے اور شرعاً بلاضرورتِ شدیدہ اس کا روکنا صحیح نہیں ہے، خواہ حج اور رمضان کے لئے ہو۔ کیونکہ حیض کی وجہ سے خواتین کے لئے حج کے افعال وقتِ مقررہ پر ادا کرنے میں عموماً بڑی تکلیف کا سامنا نہیں ہوتا، طوافِ زیارت کے علاوہ تمام افعال حج حالتِ حیض میں بھی ادا کئے جاسکتے ہیں اور طوافِ زیارت اگر حیض کی وجہ سے مؤخر ہوجائے تو اس کی وجہ سے دم وغیرہ بھی واجب نہیں ہے البتہ آج کل واپس آنے کی تاریخ طے ہوتی ہے اور بعض اوقات مقررہ تاریخ تک عورت پاک نہیں ہوسکتی اور باوجود کوشش کے ٹکٹ موخر بھی نہیں ہوسکتا، اگر ایسی صورتِ حال پیش آنے کا خطرہ ہوتو مسک حیض ادویہ استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

☆ مفتی احمد ممتاز صاحب لکھتے ہیں:

"حیض ونفاس بند کرنے کی ادویات کا استعمال دو وجہ سے درست نہیں (1) ان میں سے بعض ادویات پیشاب وغیرہ نجس اشیا سے بنتی ہیں (2) یہ ادویات جسم کے لئے مضر ہیں"۔(۱)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

"ماہواری (حیض) فطری چیز ہے اس کے روکنے سے صحت پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ

(۱) حج وعمرہ میں خواتین کے مخصوص مسائل ص:(۸۵)

ہے اس لئے رمضان میں گولیاں استعمال نہ کرے، بعد میں روزوں کی قضا کر لے، حج میں بھی استعمال نہ کرنا چاہئے، طواف زیارت کے سوا تمام افعال ادا کر سکتی ہے اور حیض سے پاک ہونے کے بعد طوافِ زیارت بھی کر سکتی ہے"۔(۱)

۲)......دوسرا مسئلہ: اگر کسی خاتون نے مجبوری کی وجہ سے یا بلا ضرورت دوا استعمال کر ڈالی اور طوافِ زیارت بھی کر لیا تو اگر خون بالکل آیا ہی نہ ہو تو طوافِ زیارت صحیح ہو گیا اور اگر خون آ چکا تھا پھر دوائی کھا کر اسے ختم کیا ہے تو وہ شرعاً حائضہ ہی شمار ہو گی اور طوافِ زیارت ادا نہ ہو گا، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ادویات سے خون کم ہو جاتا ہے بالکل بند نہیں ہوتا، وقفہ وقفہ سے خون کے قطرے آتے ہیں یا کپڑوں پر دھبہ لگ جاتا ہے یا پیشاب کے وقت سرخی محسوس ہوتی ہے ان سب صورتوں میں وہ حائضہ ہی شمار ہو گی، مسجد میں داخل ہونا اور طواف کرنا درست نہ ہو گا۔

☆ اگر حج پر جانے والی خاتون کو اپنی عادت سے معلوم ہو جائے کہ طوافِ زیارت کے دنوں میں حیض آ جائے گا اور دوسری طرف واپسی کا ٹکٹ بھی لے لیا گیا ہے اگر حیض بند نہ کیا جائے تو سخت مشکل پیش آئے گی تو ایسی صورت میں مانع حیض ادویہ استعمال کرنا جائز ہے یہ ایک عذر ہے البتہ رمضان میں پاک رہنے کیلئے اس کے استعمال کی اجازت نہیں دی جا سکتی، حج اور روزہ میں فرق یہ ہے کہ حج کی نوبت عموماً ایک بار آتی ہے اور اس میں ایسا عارض پیش آنا بھی نادر الوقوع ہے جبکہ رمضان کے روزے ہر سال آتے ہیں، اور ہر رمضان میں حیض آتا ہے نیز حج و عمرہ میں سخت مشکل پیش آ سکتی ہے اور روزہ قضا کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔

نس بندی کرنے والے کا حج

ضرورتِ شرعیہ اور سخت مجبوری کے بغیر نس بندی کرنا حرام ہے، خاص طور پر مستقل نس بندی کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے، گناہ کبیرہ اور عظیم جرم ہے لیکن یہ اپنی جگہ گناہ ہے اس سے عبادت کی صحت پر اثر نہیں پڑتا، بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ ایسے مرد و عورت کی کوئی عبادت

(۱) فتاوی رحیمیہ: (۱۳۶/۸)

قبول نہیں ہوتی، یہ بات غلط ہے۔

کتاب الفتاوی میں اس طرح کے سوال کے جواب میں ہے:

''اگر مرد یا عورت نے کسی طبی عذر کے بغیر محض پرورش اولاد کے خوف سے نس بندی کرائی تو یہ گناہ ہے اور اس سے توبہ کرنی چاہئے، لیکن حج کے درست اور مقبول ہونے یا نہ ہونے کا تعلق اس سے نہیں ہے، حج کے درست ہونے کیلئے افعال حج کو صحیح طریقہ پر انجام دینا ضروری ہے۔'' (۱)

اسقاط حمل اور حج

مذکورہ حکم بلا وجہ اسقاط حمل کا بھی ہے یعنی یہ سخت گناہ ہے لیکن حج اس کے ساتھ بھی ادا ہو جاتا ہے۔

کتاب الفتاوی میں ہے:

''کسی میڈیکل مجبوری کے بغیر محض معاشی پسماندگی کے خوف سے یا ولادت کی تکلیف اور بال بچوں کی پرورش کی الجھن سے بچنے کیلئے یا اپنی جسمانی کشش کو برقرار رکھنے کی غرض سے اسقاط حمل اور بچہ نہ ہونے کا آپریشن کرانا سخت گناہ ہے اور کسی مسلمان عورت کو قطعاً زیبا نہیں لیکن حج کے صحیح ہونے اور نہ ہونے کا اس سے کوئی تعلق نہیں........ویسے بھی حج میں گناہوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت ہے، اس لئے امید ہے کہ اگر کوئی عورت اس غلطی کی مرتکب ہو وہ توبہ کرے اور حج کر لے تو اللہ تعالی اپنی رحمت سے اس کے اس گناہ کو بھی معاف فرما دیں گے''۔ (۲)

محرم کیلئے عینک لگانا

حالت احرام میں عینک لگانا مطلقاً جائز ہے خواہ دھوپ کی عینک ہو یا نظر کی، طبی نقطہ نظر سے

(۱) کتاب الفتاوی: (۱۰۲/۴)

(۲) کتاب الفتاوی: (۱۰۲/۴)

ہو یا شوقیہ، کیونکہ یہ محظوراتِ احرام میں شامل نہیں ہے۔(۱)

ویکسی نیشن ٹیکے لگوانا

گردن توڑ بخار سے تحفظ کے لئے ۲۰۰۰ء سے سعودیہ حکومت نے حج وعمرہ کرنے والوں کے لئے حفظ ماتقدم کے طور پر ویکسی نیشن ٹیکوں کو ضروری قرار دیا ہے، ہماری معلومات کے مطابق یہ ٹیکے درست اور حلال اجزاء ترکیبیہ سے بنتا ہے اور اس کے فوائد بھی ہیں لہذا حج وعمرہ کرنے والوں کو ایسے ٹیکے لگانا چاہیے۔

(۱) ماخذہ : امداد الاحکام:(۲/۱۸۰)

(۵)

نکاح وطلاق اور جدید طبی مسائل

تبدیلی جنس سے پہلے اور بعد کی اولاد کا آپس میں نکاح

اس زمانے میں جنس کی تبدیلی کا وقوع سامنے آچکا ہے اور اس کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ عورت مرد بن گئی، مسئلہ یہ ہے کہ مرد عورت یا عورت مرد بن جائے تو جنس کی تبدیلی سے قبل کی اولاد اور تبدیلی جنس کے بعد کی اولاد کا آپس میں نکاح شرعاً جائز ہے؟ مثلاً ایک عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا بعد میں عورت کی جنس بدل گئی، اس سے مرد بن گیا پھر اس نے نکاح کیا اور اس کے نتیجہ میں بچی پیدا ہوئی شرعاً اس لڑکے اور لڑکی کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مذکورہ لڑکا اور لڑکی ایک ہی ذات سے پیدا ہوئے ہیں اگر چہ بوقتِ ولادت مولود منہ (جس سے وہ پیدا ہوئے ہیں) کی صفت مختلف تھی، تحریم نسبی میں اصل ذات اور شخصیت کا اعتبار ہوتا ہے صفت (ذکورت وانوثت) کا نہیں۔(۱)

تعیین رشتہ

مذکورہ صورت میں پہلے نکاح سے بچہ اور دوسرے نکاح سے بچی کے درمیان رشتہ یہ ہے کہ بچہ بچی کا حقیقی بھائی ہے کیونکہ بچے کی ولادت کے وقت والدہ کی انوثت قائم تھی، اور بچی مذکورہ بچے کی علاتی بہن ہے کیونکہ بچی کی ولادت کے وقت اس کی صفت ذکورت ہے۔

---

(۱) ماخذہ : فتاوی محمودیہ :(۳٤۸/۱۱)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

''ہر ایک کی تولید کے وقت جو مولود منہ کی صفت تھی اس کے اعتبار سے رشتہ قائم کیا جائے گا''۔(۱)

وراثت کا حکم

مذکورہ صورت میں وراثت کے احکام میں بھی بوقت ولادت مولود منہ کی صفت کا اعتبار ہوگا لہذا بچہ بچی کا خیفی بھائی کے طور پر اور بچی اس کی علاتی بہن کے طور پر وارث ہوگی۔

انتقالِ خون سے حرمت ثابت نہیں ہوتی

شرعاً مرد اور عورت میں محرمیت قائم ہونے اور نکاح کے عدم جواز کے صرف تین اسباب ہیں: (۱) نسب (۲) رضاعت (۳) مصاہرت، اس کے علاوہ محرمیت کا کوئی سبب نہیں ہے لہذا مرد و عورت کے ایک دوسرے کو خون دینے سے محرمیت ثابت نہ ہوگی نہ ابتداءً اور نہ انتہاءً، ابتداء یہ ہے کہ اجنبی مرد و عورت میں سے ایک نے دوسرے کو خون دیدیا تو اس کے بعد ان دونوں کا نکاح ہوسکتا ہے اور انتہاءً یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ایک نے دوسرے کو خون دیدیا تو ان کا نکاح بدستور برقرار ہے، اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''شوہر کا خون بیوی کے بدن میں یا بیوی کا خون شوہر کے بدن میں داخل کرنے سے نکاح پر شرعاً کوئی اثر نہیں پڑتا، نکاح بدستور قائم رہتا ہے کیونکہ شریعت اسلام نے محرمیت کو نسب، مصاہرت اور رضاعت کے ساتھ مخصوص کیا ہے، ان سے تجاوز کرنا درست نہیں''۔(۲)

---

(۱) ماخذہ : فتاوی محمودیہ :(۳٤۹/۱۱)

(۲) جواهر الفقه(۷/ ٤۹)

بلڈ پریشر کی حالت میں طلاق

بلڈ پریشر لو اور ہائی ہونے کی حالت میں دی گئی طلاق بھی شرعاً واقع ہوجاتی ہے کیونکہ عموماً اس دوران نہ عقل مؤوف ہوتی ہے اور نہ جنون طاری ہوتا ہے، دماغی توازن برقرار رہتا ہے ہاں اگر واقعۃً کسی کا بی پی بہت زیادہ بڑھ جائے اور ذہنی توازن ختم ہوجائے اور تمیز باقی نہ رہے تو اس دوران دی گئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

''اگر واقعۃً کوئی شخص مرض کی وجہ سے عقلی توازن سے محروم ہوجائے اور ماہر و معتبر ڈاکٹر اس کی تصدیق کریں تو اس حالت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی''۔(۱)

نس بندی کرنے والے کی بیوی کو فسخ نکاح کا حق نہیں

شریعت نے کل آٹھ اسباب کی وجہ سے عورت کو عدالت سے نکاح فسخ کرنے کا اختیار دیا ہے وہ آٹھ اسباب یہ ہیں:

۱)......شوہر مجبوب یعنی مقطوع الذکر ہو۔

۲)......عنین ہو یعنی آلہ تناسل موجود ہے، لیکن جماع پر قادر نہیں ہے۔

۳)......متعنت ہو یعنی قدرت کے باوجود بیوی کو خرچہ نہیں دیتا۔

۴)......معسر ہو یعنی فقر اور ناداری کی وجہ سے بیوی کے مصارف پر قدرت نہیں رکھتا۔

۵)......مفقود ہو یعنی گم ہوگیا ہے۔

۶)......غائب غیر مفقود ہو یعنی موجود ہے لیکن بیوی کو خرچہ نہیں دیتا اور عدالت کے طلب کرنے کے باوجود حاضر نہیں ہوتا۔

۷)......مجنون ہو یعنی خطرناک حد تک مجنون ہے۔

۸)......ظالم ہو یعنی بیوی کو اس قدر زدوکوب کرتا ہے کہ بدن پر نشان پڑ گئے ہیں البتہ ہر

---

(۱) جدید فقہی مسائل:(۱/۲۹۶)

سبب کی متعدد شروط وقیود ہیں جن کی تفصیل حیلہ ناجزہ اور احسن الفتاوی میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ایک جدید صورت یہ پیش آئی ہے کہ اس زمانے میں بعض مرد نسبندی کر لیتے ہیں جس کے نتیجہ میں وہ قوت تولید سے محروم ہوجاتے ہیں، پھر خواتین کی طرف سے تنسیخ نکاح کا مطالبہ شروع ہوجاتا ہے، کیونکہ بیوی اولاد کا سلسلہ چاہ رہی ہوتی ہے، اور نکاح کا ایک بنیادی مقصد توالد وتناسل بھی ہے جس سے بیوی محروم ہوجاتی ہے۔

لیکن مذکورہ صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں ہے خواہ پہلے اس کے بچے ہوں یا نہ ہوں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ شریعت نے چند مخصوص اسباب کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق دیا ہے، مرد میں قوت تولید نہ ہونا ان میں شامل نہیں ہے، نیز نس بندی کی وجہ سے مرد میں قوتِ تولید تو ختم ہوتی ہے لیکن جماع اور دواعی جماع پر قوت حاصل ہوتی ہے جس سے عورت کا حق پورا ہوسکتا ہے۔

"لو لم يكن له ماء و يجامع فلاينزل لا يكون لها حق الخصومة، كذا في النهاية"۔(۱)

"یعنی اگر مرد جماع کرسکتا ہے لیکن تولید کا مادہ موجود نہیں ہے تو عورت کو عدالت میں خصومت کا حق حاصل نہیں ہے"۔

فتاوی رحیمیہ میں اس طرح کے سوال کے جواب میں ہے:

"محض قوت تولید مفقود ہونے کی وجہ سے تفریق نہ ہوسکے گی.....لہذا عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق نہیں ہے، خلع کرسکتی ہے"۔(۲)

عقیم (بانجھ) کی زوجہ کو فسخ نکاح کا حق نہیں۔

اگر کسی مرد میں ابتداءً مادہ تولید نہ ہو اور ڈاکٹر بھی رپورٹ جاری کردیں کہ اس کے مادہ منویہ میں بچے پیدا کرنے والے جراثیم موجود نہیں ہیں یا ختم ہوچکے ہیں تو گزشتہ تفصیل کے مطابق

(۱) في الهنديه (۱۵٦/۲) الباب الثاني عشر في العنين،

(۲) فتاوی رحیمیه (۳۸۱/۸)

اس کی بیوی کو بھی عدالت سے نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

فتاوی حقانیہ میں ہے:

''جراثیم کا ختم ہونا کوئی عیب نہیں اور نہ ڈاکٹری رپورٹ حکم قطعی ہے لہذا جب کسی عورت کا خاوند نفسِ جماع پر قادر ہو تو اسے یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنا نکاح بذریعہ عدالت فسخ کرائے''۔(۱)

ایڈز کی وجہ سے تنسیخ نکاح

ایڈز (Acquired Immune Deficie ney syndrome) کا مخفف ہے یہ انتہائی مہلک اور متعدی بیماری ہے، اس سے انسان کا دفاعی نظام مفلوج ہو جاتا ہے اور اس کا خطرناک پہلو یہ ہے کہ جنسی عمل کے ذریعہ دوسرے کی طرف متعدی ہوتا ہے دورانِ حمل اور رضاعت ماں سے بچوں کی طرف بھی منتقل ہو جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ مرد ایڈز میں مبتلا تھا اور اس نے بتائے بغیر عورت سے شادی کر لی یا شادی کے وقت تندرست تھا، بعد میں ایڈز میں مبتلا ہو گیا تو کیا اس کی بیوی کو عدالت سے نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہے؟

خلاصہ جواب یہ ہے کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں عورت کو تنسیخ نکاح کا حق حاصل ہے اور اس بارے ائمہ ثلاثہ اور امام محمد رحمہم اللہ کے قول پر فتوی ہے۔فتاوی عالمگیریہ میں ہے:

"اذا كان بالزوج جنون اوبرص اوجذام فلا خيار لها كذا في الكافي، قال محمد: ان كان الجنون حادثاً يأجله سنة كالعنة ثم يخير المرأة بعد الحول اذا لم يبرأ وان كان مطبقاً فهو كالجب وبه ناخذ۔(۲)

تفصیل اس کی یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے مذہب میں جبہ (مقطوع الذکر ہونے) اور عنہ (عنین ہونے) کے علاوہ مرد کے کسی عیب یا مرض کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں ہے جبکہ دوسرے ائمہ اور امام محمدؒ کے ہاں فی الجملہ بعض

(۱) فتاوی حقانیه(٤/٥٣٢)

(۲) فتاوی عالمگیریه(١/٥٥٢) كتاب الطلاق، الباب الثانی عشر فی العنین

دوسرے عیوب وامراض کی وجہ سے بھی عورت کو فسخ کا حق ملتا ہے۔

اس اتفاق کے باوجود جزئیات میں کچھ اختلاف ہے امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جنون ،برص اور جذام کی وجہ سے حق فسخ حاصل ہے لیکن فقہا کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ تین میں حصر نہیں ہے، ان تین کو بطور مثال بیان کیا گیا ہے، یہاں اس بارے صرف دو شہادتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱)......ملک العلماء علامہ کاسانی رحمہ اللہ بدائع الصنائع میں رقم طراز ہیں:

"خلوه من كل عيب لا يمكنها المقام معه الا بضرر كالجنون والجذام و البرص شرط للزوم النكاح حتى يفسخ به النكاح"۔(۱)

یعنی نکاح لازم ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے مرد میں کوئی ایسا عیب موجود نہ ہو جس کی وجہ سے عورت اس کے ساتھ بغیر ضرر اور تکلیف کے نہ رہ سکے، اگر ایسا عیب موجود ہو تو اس کی وجہ سے نکاح فسخ ہو سکے گا، جیسے جنون، جذام اور برص کے امراض۔

۲)......امام زیلعی رحمہ اللہ تبیین الحقائق میں لکھتے ہیں:

وقال محمد رحمه الله: تردالمرأةاذا كان بالرجل عيب فاحش بحيث لا تطيق المقام معه لانها تعذرعليها الوصول الى حقهاالمعنى فيه فكان كالجب والعنة۔"(۲)

امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ اگر مرد میں ایسا فاحش عیب موجود ہے کہ اس کی وجہ سے عورت شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی، تو عورت نکاح رد کر سکتی ہے کیونکہ شوہر میں ایسی خامی موجود ہے جسکی وجہ سے وہ اپنا حق وصول نہیں کر سکتی لہذا یہ مجبوب اور عنین کے مترادف ہے۔

فقہاء عصر کی آراء

۱)......فقہ اکیڈمی ہند کے زیر نگرانی اس بارے بحث میں شرکت کرنے والے تمام مقالہ

(۱) بدائع الصنائع(۲/۳۲۷)

(۲) تبیین الحقائق(۳/۲۵)

نگاروں نے امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے ایڈز کی وجہ سے بیوہ کو فسخ نکاح کا اختیار دیا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "طبی اخلاقیات، دائرے اور ضابطے فقہ اسلامی کی روشنی میں" مرتبہ: مولانا مجاہد الاسلام قاسمی رحمہ اللہ۔

تلخیص مقالات میں مولانا فہیم اختر ندوی لکھتے ہیں:

"تمام مقالہ نگار علما کرام نے ائمہ ثلاثہ اور امام محمدؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق حاصل ہونے کی رائے دی ہے"۔(۱)

۲)......جدید فقہی مسائل میں ہے:

"ائمہ ثلاثہ کے علاوہ حنفیہ کے نزدیک بھی ایڈز ان امراض میں سے ہے جن کی وجہ سے عورت کو حق تفریق حاصل ہے کیونکہ یہ برص وجذام سے زیادہ قابلِ نفرت بھی ہے اور متعدی بھی اور چونکہ جنسی ربط بھی اس مرض کی منتقلی کا ایک اہم سبب ہے اس لئے ایڈز کا مریض شوہر اس کی بیوی کے حق میں نامردہی کے حکم میں ہے کہ وہ مرض کی منتقلی کے خوف سے اس مرد کے ذریعہ داعیہ نفس کی تکمیل نہیں کرسکتی۔ لہذا عورت کو ایسے مرد کے خلاف دعوی تفریق کا حق حاصل ہوگا"۔(۲)

سوزاک (GONORRHOEA) آتشک (SYPHILIS)

وغیرہ کی وجہ سے فسخ نکاح

گزشتہ مسئلہ اور اس بارے درج تفصیل کی روسے اگر مرد سوزاک، آتشک جیسی خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہو تو عورت عدالت کے ذریعہ اپنا نکاح فسخ کرسکتی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

"گو کہ فقہاء نے انہی تین امراض کا ذکر کیا ہے مگر دراصل اس میں تمام ہی موذی، نفرت انگیز، متعدی اور ایسے امراض شامل ہیں جن کا عموماً علاج نہیں ہو پاتا مثلا

(۱) طبی اخلاقیات ص:۱۷

(۲) جدید فقہی مسائل(۵/۴۹)

سوزاک (SYPHILIS) آتشک (GONORRHOEA) وغیرہ"۔(۱)

مرگی کے مریض کی بیوی کو تنسیخ نکاح کا حق نہیں

اگر شوہر مرگی کا مریض ہو تو یہ محض ایک عیب ہے جو کہ تنسیخ نکاح کا شرعی عذر و سبب نہیں ہے لہذا اس کی بیوی کو تنسیخ نکاح کا حق حاصل نہیں ہے اگر نکاح کے بعد مرض لاحق ہوا ہے پھر تو ظاہر ہے اور اگر پہلے سے شکایت تھی تو نکاح کے وقت عورت کو بتانا ضروری تھا، اگر بتائے بغیر نکاح کر دیا گیا تو یہ عورت کے ساتھ دھوکہ اور فریب ہے لیکن نکاح پھر بھی منعقد ہو جاتا ہے اور عورت کو تنسیخ نکاح کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

بیوی کو حد سے زیادہ مارا تو شوہر پر علاج کا خرچہ واجب ہے

اگر شوہر نے بیوی کو حد شرعی سے زیادہ مارا تو علاج و معالجہ کے تمام مصارف بالاتفاق شوہر سے وصول کئے جا سکتے ہیں خواہ وہ بیوی کو طلاق دیدے۔

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

سوال: شوہر نے عورت کو بری طرح مارا پیٹا جس کی وجہ سے اس کے پیٹ اور آنت پر زخم آیا اور اس کو ہسپتال میں داخل کرنا پڑا، شوہر کو اس کا اقرار ہے اور گھر کے افراد بھی اس وقت موجود تھے، اس کے بعد شوہر نے اسے طلاق دیدی، تو ہسپتال اور دوا وغیرہ کا خرچ شوہر سے وصول کرنا کیسا ہے؟

الجواب: شوہر نے ظالمانہ مارا پیٹا اور اس کی وجہ سے عورت زخمی ہوئی اور برائے علاج ہسپتال میں داخل کرنا پڑا تو دوا علاج اور ہسپتال کا خرچ شوہر کے ذمہ لازم ہے، اس سے وصول کرنا جائز ہے اگر اسلامی حکومت ہوتی تو اس صورت میں ثلث دیت (۱/۳) لازم ہوتی۔(۲)

---

(۱) طلاق وفسخ نکاح کی شرعی حیثیت (ص:٦١)

(۲) فتاوی رحیمیه (٨/٤٥٠)

معتدہ کا علاج کے لئے نکلنا

دو شرطوں کے ساتھ معتدہ خاتون علاج کے لئے گھر سے نکل سکتی ہے:

۱)...... ڈاکٹر کو گھر نہ بلایا جا سکتا ہو۔

۲)...... مرض شدید ہو، اگر ڈاکٹر گھر آ سکتا ہے خواہ کچھ زیادہ فیس دینی پڑے یا مرض شدید نہیں تو پھر معتدہ کا علاج کے لئے نکلنا جائز نہیں۔(۱)

جانوروں سے انجکشن کے ذریعہ دودھ نکالنا

شریعت مطہرہ کی تعلیم یہ ہے کہ جانوروں کو بھی بلاوجہ تکلیف نہ دی جائے، اس لئے حتی الامکان جانور کو اس بات کا عادی بنانا ضروری ہے کہ وہ گھاس، بھوسہ اور کھل وغیرہ کھلانے پر دودھ دے، انجکشن لگانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے کہ اس میں جانور کو بار بار تکلیف میں مبتلا کرنا پڑتا ہے تاہم بعض اوقات جانور اس طرح دودھ نہیں دیتا، اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا دودھ خشک ہونا شروع ہو جاتا ہے، اس صورت میں نقصان سے بچنے کے لئے انجکشن لگا کر اس کا دودھ نکالنا جائز ہے۔

احسن الفتاوی میں اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں ہے:

"یہ طریقہ بلاشبہ جائز ہے اللہ تعالی نے حیوانات کو انسان کے نفع کے لئے پیدا فرمایا ہے اسلئے ان سے انتفاع میں ان کو کچھ تکلیف بھی ہو تو کچھ حرج نہیں، اس لئے گوشت کی بہتری کی غرض سے حیوان کا خصی کرنا بالاتفاق جائز ہے حضور ﷺ نے خصی دنبوں کی قربانی کی ہے، خصی کرنے کی تکلیف انجکشن لگانے سے بھی بہت زیادہ ہے"۔(۲)

---

(۱) ماخذہ : احسن الفتاوی (۵/۴٤۱)

(۲) احسن الفتاوی:(۸/۲۲۳)

جانوروں کو حفاظتی ٹیکے اور انجکشن لگانا

جس طرح بیمار جانوروں کا علاج ومعالجہ کرنا اوران کو انجکشن لگانا درست ہے اسی طرح حفظ ما تقدم کے طور پر وبا اور متعدی بیماریوں کے ایام میں تندرست اور صحت مند جانوروں کو بھی انجکشن لگانا درست ہے۔کفایت المفتی جدید میں ہے:

''ٹیکا لگانا تجربے سے مفید ثابت ہوا ہو تو جائز ہے''۔ (۱)

بلاضرورت مریض کو انجکشن اور ڈرپ لگانا

اگر مریض کو واقعی انجکشن یا ڈرپ کی ضرورت ہو تو اسے انجکشن یا ڈرپ لگانا درست ہے لیکن اگر اسے ضرورت نہ ہو تو بلا ضرورت ڈرپ یا انجکشن لگانا درست نہیں ہے، بعض ڈاکٹر بلا ضرورت مریض کو ڈرپ یا انجکشن لگا دیتے ہیں تاکہ اسے ذہنی اطمینان حاصل ہوجائے یا ڈاکٹر پر اعتماد آجائے اور آئندہ بھی رجوع کرے یا ڈاکٹر کا مقصد اپنی ادویات بیچنا اور مال کمانا ہوتا ہے، یہ ناجائز اور گناہ ہے، یہ مریض کے ساتھ دھوکہ اور خیانت ہے اور بلاوجہ اضافی بوجھ ڈال کر اس کا مال لوٹنے کا مہذب طریقہ ہے، شعبہ طب میں امانت ودیانت کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے، ڈاکٹر کا مریض کے مفاد کے برعکس اپنے مالی مفاد اور ذاتی غرض کے لئے کوئی قدم اٹھانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر ڈرپ طاقت کی ہے اور ڈاکٹر یہ سمجھتا ہے کہ مرض سے جو کمزوری واقع ہوئی ہے یہ ڈرپ یا انجکشن اس کے ازالہ میں معاون ہے یا ڈرپ یا انجکشن سے کچھ ذہنی سکون وآرام میسر آسکتا ہے جس سے اس کا موجودہ مرض دور ہونے میں معاون ثابت ہوسکتا ہے یا ڈاکٹر مریض سے صراحۃً یہ کہہ دے کہ بیماری کے ازالہ کے لئے تو ڈرپ یا انجکشن کی ضرورت نہیں تاہم اگر آپ چاہیں تو لگا دیں گے پھر مریض اجازت دیدے تو مذکورہ صورتوں میں انجکشن یا ڈرپ لگانے کی اجازت ہے۔(۲)

---

(۱) کفایت المفتی جدید(۹/۱٤۹) کتاب الحظر والاباحة

(۲) ماخذہ : فتاوی دار العلوم کراچی

☆مذکورہ تفصیل کے مطابق مریض کو صرف اتنی ادویات دینا چاہئے جتنی اس کے لئے ضروری ہوں، ضرورت سے زائد ادویات تجویز کرنا جائز نہیں ہے، یہ مریض کے ساتھ دھوکہ اور خیانت ہے، بعض ڈاکٹر معاینہ کے ساتھ باقاعدہ ادویات بھی فروخت کرتے ہیں اور بلا ضرورت زیادہ ادویات دیتے ہیں یہ جائز نہیں، اسی طرح بعض ڈاکٹروں کا میڈیکل سٹور والوں کے ساتھ کمیشن کا معاملہ ہوتا ہے، اور مریض کو ضرورت سے زیادہ ادویات دلواتے ہیں، یہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔

جانور کو انجکشن کے ذریعہ حاملہ کرانا

شرعاً افزائش نسل کے لئے انجکشن کے ذریعہ کسی بھی مادہ جانور مثلاً اونٹنی بھینس، گائے، بکری بھیڑ وغیرہ کو حاملہ کرنا جائز ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا علاج ہے نیز انسانوں میں شریعت نے حفظ نسب کا بہت اہتمام فرمایا ہے لیکن جانوروں کے نسب کا لحاظ ضروری نہیں ہے، جانوروں میں حلت وحرمت کا مسئلہ پیش آتا ہے اور بچہ حلت وحرمت میں ماں کے تابع ہوتا ہے لہذا جب ماں معلوم ہو تو بچہ کی حلت وحرمت کا فیصلہ ہو سکتا ہے اگر چہ باپ کا علم نہ ہو۔(۱)
تاہم بہتر یہی ہے کہ نر سے ہی مادہ کو جفتی کے ذریعہ حاملہ کرایا جائے، ایک تو یہ فطری، خلقی اور طبعی عمل ہے، اسے مصنوعی عمل پر ترجیح حاصل ہے، دوسرے اس لئے بھی کہ شریعت مقدسہ نے حیوانات کے بھی بڑے حقوق بیان فرمائے ہیں، اللہ تعالی نے انسانوں کی طرح جانوروں میں نر اور مادہ پیدا کیا ہے اور ہر ایک میں انسانوں کی طرح خواہش رکھی ہے، جانور کا حق یہی ہے کہ اس کی یہ خواہش فطری طریقہ سے پوری ہو جائے۔(۲)

جانور کو بذریعہ بیج حاملہ کرنا

فتاوی دارالعلوم کراچی میں ہے:

(۱) ماخذہ : فتاوی حقانیہ(۳۹۹/۲)
(۲) ماخذہ : فتاوی محمودیہ (۲٤۷/۱۸)

’’موجودہ دور میں ویٹرمزی (شفاخانہ) میں گائے، بھینس کو (Pregnant) کرنے کیلئے بیج رکھا جاتا ہے اس کو کچھ علماء نے حرام قرار دیا ہے، واضح فرمائیں۔ ماسٹر فاروق چکڑالہ

الجواب حامداومصلیا: حیوانات کو بذریعہ انجکشن گابھن کرنے میں چونکہ شرعاً کوئی قباحت نہیں، اسلئے درست ہے۔ ماخوذ از تبویب 232/14 ہ واللہ اعلم

ریاض محمد بگرامی	الجواب صحیح	الجواب صحیح
دارالافتاء دارالعلوم کراچی	اصغر علی ربانی	احقر محمود اشرف
12/6/1420ھ	12 جمادی الثانی 1420ھ	13/6/1420ھ

طاعون وچیچک سے حفاظت کے انجکشن

اگر کسی علاقے میں طاعون، وبا، اور چیچک وغیرہ کا مرض پھیل رہا ہو تو حفظ ماتقدم کے طور پر جیسے دوسری جائز احتیاطی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں اسی طرح بطور علاج حفاظت کا انجکشن لگانا بھی جائز ہے۔(۱)

کالرا اور ہیضہ کا انجکشن لگانا

مذکورہ تفصیل کے مطابق کالرا اور ہیضہ کے پھیلنے کا خطرہ ہو تو اس کا انجکشن لگانا بھی جائز ہے اور اگر سرکار (حکومت) انجکشن دیوے تو اس کا لینا بھی درست ہے۔

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

سوال: کالرا (ہیضہ) کی وبا کے زمانے میں سرکار حیضہ کے انجکشن دیوے تو لینے میں شرعاً کوئی حرج ہے؟

الجواب: کوئی حرج نہیں، حفظ ماتقدم کے طور پر علاج کر سکتے ہیں ہوگا تو وہی جو خدا کو منظور ہے۔ (۲)

---

(۱) ماخذہ : فتاوی محمودیہ جدید (۳۷۳/۱۸)

(۲) فتاوی رحیمیہ:(۱۶۸/۱۰)

ایکسرے (x-ray) کا حکم

طبی ضرورت کے لئے مروجہ ایکسرا جائز ہے، اس میں شرعا کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

☆ یہ ایک طبی ضرورت ہے۔

☆ اس میں جسم کے اندرونی حصے کی تصویر لی جاتی ہے جس پر پردہ کے احکام لاگو نہیں ہوتے ، ہاں تنگیز کا ایکسرا ضروری ہو تو پردہ کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

☆ ایکسرے میں اندرونی جسم کی جو تصویر لی جاتی ہے وہ شرعی لحاظ سے ممنوع تصویر میں شامل نہیں ہے، شرعاً ممنوع تصویر وہ ہے جس سے صاحب تصویر کی شناخت ہو سکے، یہی وجہ ہے کہ جس تصویر میں صاحب تصویر کا سر اور چہرہ محفوظ نہ ہو وہ ممنوع نہیں ہے، ایکسرے میں لی گئی تصویر اندرونی جسم کے کسی مخصوص حصے کی ہوتی ہے اس سے صاحب تصویر کی شناخت نہیں ہوتی، اس لئے جائز ہے۔(۱)

بذریعہ آپریشن ولادت

مروجہ طریقہ سے آپریشن کر کے بچہ نکالنا شرعاً جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ بھی علاج و معالجہ کی ایک صورت ہے۔(۲)

لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ آپریشن لیڈی ڈاکٹر سے کرایا جائے، عام حالات میں مرد ڈاکٹر سے ایسا آپریشن کرانا جائز نہیں ہے۔

مرد ڈاکٹر سے آپریشن کرانا

اصل حکم یہی ہے کہ ڈیلیوری کیس لیڈی ڈاکٹر ہی سے حل کرایا جائے اور لیڈی ڈاکٹر پہ بھی لازم ہے کہ وہ کیس کے دوران خاتون کے مقام ستر کو بقدر ضرورت دیکھے، ضرورت سے زیادہ

(۱) ماخذہ : جدید فقهی مسائل(۱/۳۱۳) (۲) ماخذہ : کفایت المفتی(۹/۱۵۱)

دیکھنا اس کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔

تاہم اگر کوئی ایسی صورت پیش آ گئی کہ ڈیلیوری کیس اور آپریشن کے لئے لیڈی ڈاکٹر دستیاب نہیں ہے اور زچہ اور بچہ میں سے کسی ایک کی جان کو خطرہ ہے تو مرد ڈاکٹر سے بھی آپریشن کرانے کی اجازت ہے اور ڈاکٹر پر لازم ہے کہ وہ مقام ستر پر بلاضرورت نظر نہ ڈالے۔

"الولاد بواسطة الطبيب ....المنصوص عليه شرعاً ان بدن المرأة الاجنبية كله عورة عدا وجهها وكفيها وقدميها،وانه يحرم عل الاجنبى عنها النظرالى ماعداذلك الاعندالضرورة كالطبيب والخاتن للغلام والقابلة والخاقن ولايتحاوزهؤلاء قدرا لضرورة..... وفى التبيين وينبغى للطبيب ن يعلم امرأة ......ولماكانت حال الولادة من الحالات الدقيقة التى تستدعى مهارة الطبيب الحاذق انقاذالحياة الحامل،وحياة الجنين فى هذه العملية، كما انه لايعلم قبل مجيء المخاض ان كانت هذه الولادة ستكون سهلة اوعسيرة يخشى منهاعلى حياة الحامل واحتياطا للمحافظة على حياة الحامل ونجاح عملية الولادة تستثنى حالة الولادة من هذا الحكم العام وتعتبرمن حالات الضرورة التى يجوز للطبيب ان يباشرها بنفسه على اية حال كانت الولادة۔ والله اعلم۔ (۱)

ہسپتال میں بچہ کی ولادت

اگر گھر پر زچگی کا بندوبست نہ ہوسکتا ہو یا بندوبست ممکن ہے لیکن زچہ یا بچہ کی جان کو خطرہ ہے تو ایسی صورت میں ہسپتال میں بچہ کی ولادت اور اس کا انتظام درست ہے اور ایسے ہسپتال کا انتخاب کرنا ضروری ہے جس میں باپردہ انتظام ہو اور خواتین ڈاکٹر زعمل ولادت کے درمیاں خدمت سرانجام دیتی ہوں۔

(۱) وفى الفتاوى الاسلامية من دارالفتاوى المصرية (۲٤۸۹/۷) الموضوع (۱۰٦۲)

آپریشن (Operation) کی شرعی حیثیت

عام حالات میں انسانی جسم کی کانٹ چھانٹ، قطع وبرید، جراحی اور آپریشن درست نہیں ہے کیونکہ شریعت کی رو سے انسانی جسم قابل تکریم و تعظیم ہے اور آپریشن اسکی تعظیم کے منافی ہے لہذا محض حسن وجمال میں اضافہ کرنے کیلئے آپریشن اور اعضا کی سرجری درست نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی ضرورت نہیں، یہ زیب وزینت کا درجہ ہے جس کے لئے شریعت قطع وبرید کی اجازت نہیں دیتی، البتہ علاج ومعالجہ کے لئے بوقتِ ضرورت آپریشن درست اور جائز ہے کیونکہ اس میں خود جسم انسانی کی حفاظت مقصود ہے اور ایسی ضرورت کے لئے آپریشن کرنا حدیث سے ثابت ہے۔

"عن جابرؓ قال: بعث النبی ﷺ إلی أبی طبیبا فقطع منه عرقا"۔(۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک طبیب بھیجا، اس نے آپ کی ایک رگ کاٹ دی۔

☆ مولانا مفتی عبدالواحد صاحب لکھتے ہیں:

"ہر وہ آپریشن کرنا جائز ہے جس سے مریض صحیح ہو جاتا ہے یا کبھی صحیح ہو جاتا ہے اور کبھی مر جاتا ہے اور اگر بیمار حصہ چھیڑنے سے مریض جانبر نہ ہوتا ہو تو پھر ایسا آپریشن کرنا جائز نہیں"۔(۲)

☆ ازالہ عیب کے لئے آپریشن جائز ہے مثلاً کسی کے پیدائشی طور پر کوئی عضو زائد ہے تو آپریشن کے ذریعہ اس کو علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔

اذا اراد الرجل ان یقطع اصبعا زائدا او شیئا آخر ان کان الغالب علی من قطع مثل ذلك الهلك فانه لایفعل وان کان الغالب هو النجاة فهو فی سعة من ذلك۔(۳)

(۱) ابوداد(۱۸٤/۲) کتاب الطب، باب فی قطع العرق.

(۲) مسائل بهشتی زیور(٤٤٤/۲)

(۳) فی الهندیة(۱۱٤/٤)

فقہا کرام نے آپریشن کے جواز کی یہ شرط لگائی ہے کہ اس کے نتیجہ میں نجات کا غالب گمان ہو آج کل عمومی نوعیت کے جو آپریشن ہوتے ہیں ان میں نجات وسلامتی کا گمان غالب ہوتا ہے۔

مرد ڈاکٹر سے عورت کا مخصوص آپریشن کروانا

اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ عورت کا مخصوص آپریشن عورت GYNACOLOGIST سے کرایا جائے، بلکہ شرعی مسئلہ کی رو سے عورتوں کے خصوص امراض کے بارے عورتوں کو ہی مہارت حاصل کرنا چاہئے، مردوں کے لئے بطور خاص اسے سیکھنا ہی درست نہیں ہے لیکن ضرورت شدیدہ کے وقت مرد GYNACALOGIST سے مخصوص آپریشن کرانے کی چند شرائط کے ساتھ اجازت ہے:

۱)......اس علاج کی ایسی ماہر لیڈی ڈاکٹر میسر نہ ہو جس سے تسلی بخش علاج ہو سکے، اور کسی عورت کو دوا وغیرہ بتا کر علاج کرنا بھی ممکن نہ ہو۔

۲)......آپریشن واقعی ضروری ہو، اس کے بغیر عورت کی ہلاکت کا خطرہ ہو۔

۳)......عورت آپریشن کے لئے بدن کا صرف وہ حصہ کھولے جتنا آپریشن کیلئے کھولنا ضروری ہے، عورت کا باقی بدن مکمل طور پر ڈھانپ لیا جائے۔

۴)......ڈاکٹر صرف بقدر ضرورت آپریشن کی جگہ پر نظر ڈالے اور جسم کے باقی حصوں کو ہر گز دیکھے۔

آپریشن کے لئے اجازت اور اس کے مسائل

ڈاکٹر کا آپریشن کرنے کے لئے مریض یا اس کے ولی سے اجازت لینا ضروری ہے، اجازت کے بغیر آپریشن کرنا جائز نہیں ہے۔

فقہا کرام نے لکھا ہے کہ اجازت کی تین اقسام ہیں:

(۱) شرعی اجازت (۲) قانونی اجازت (۳) شخصی اجازت

شرعی اجازت یہ ہے کہ طبیب ماہر وحاذق ہو اس میں علاج معالجہ کی صلاحیت واہلیت موجود ہو اور علم طب سے واقف ہو اور قانونی اجازت یہ ہے کہ اس کے پاس گورنمنٹ یا کسی مستند ادارہ کی سند طبابت موجود ہو اور شخصی اجازت یہ ہے کہ مریض یا اس کے متعلقین کی اجازت سے علاج کرے، چوتھی صورت اجازت ضروریہ کی ہے جس کا ذکر اگلے مسئلہ میں آرہا ہے۔

روایات وآثار

۱)عن ابن مجاهد عن ابيه ان علياً قال فی الطبيب:ان لم يشهد علی ما يعالج فلا يلومن الا نفسه،يقول:يضمن۔(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ اگر طبیب علاج کے عمل پر گواہ نہ بنائے (اجازت نہ لے) تو اپنے آپ کو ملامت کرے کیونکہ اس پر ضمان ہے۔

۲)عن الضحاك بن مزاحم قال: خطب علیؓ الناس،فقال:يامعشر الاطباء البياطرة والمتطببين،من عالج منكم انساناأودابة فلياخذ لنفسه البرائة فانه ان عالج شيئاولم ياخذ لنفسه البرائة فعطب فهوضامن۔(۲)

حضرت علی رضی اللہ نے دوران خطبہ اطباء اور پنساریوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص بھی کسی انسان یا جانور کا علاج کرے تو اپنے لئے اجازت لے لے اگر اجازت کے بغیر علاج کیا، اور مریض ہلاک ہو گیا، تو اس پر ضمان ہے۔

☆ بعض اوقات مریض سخت بیمار اور بے ہوش ہوتا ہے خود اجازت نہیں دے سکتا، اور اس کے اولیا بھی دور ہوتے ہیں اور حادثات وغیرہ کی صورت ایمرجنسی کی ہوتی ہے فی الحال اولیا سے رابطہ نہیں ہوسکتا، بلکہ اولیاء کا پتہ بھی نہیں ہوتا، ایسی صورت میں اگر مریض کی ہلاکت وعضو کے تلف ہونے یا سخت تکلیف دہ مرض میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو ڈاکٹر اجازت کے بغیر بھی اس کا آپریشن وعلاج کرسکتا ہے اگر آپریشن سے مریض ہلاک ہو گیا تو ڈاکٹر پر ضمان لاگو نہ ہوگا،

---

(۱) مصنف عبد الرزاق(۹/۴۴۱)باب الطبيب، كتاب العقول،رقم الحديث :۱۸۰۴۶

(۲) مصنف عبد الرزاق(۹/۴۴۱)باب الطبيب، كتاب العقول،رقم الحديث :۱۸۰۴۷

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ممکن حد تک انسانی جان بچانا شریعت کی طرف سے ضروری ہے لہذا یہاں اجازتِ ضروریہ کی بنا پر آپریشن درست ہوگا۔

تبدیلی جنس کے احکام

سائنس کی ترقی کے اس دور میں جنس کی تبدیلی (یعنی مذکر کو مونث بنانا اور مونث کو مذکر بنانا) ممکن ہوگئی ہے اور اس کی مثالیں موجود ہیں۔

☆ تبدیلی جنس کے کامیاب آپریشن کے بعد دو افغان بہنیں لڑکا بن گئیں، قندیا اور زاہدہ کا آپریشن بولان میڈیکل کمپلیکس میں ہوا، دونوں بچپن سے لڑکوں والی حرکتیں کرتی تھیں۔

"کوئٹہ (آئی، این، پی) تبدیلی جنس کے کامیاب آپریشن کے بعد دو افغان لڑکیاں بہنیں لڑکا بن گئیں، گیارہ سالہ قندیا اور نو سالہ زاہدہ کا آپریشن سٹیلائٹ ٹاﺅن کے ایک ہسپتال میں بولان میڈیکل کمپلیکس ہسپتال یورالوجی ڈیپارٹمنٹ کے سرجن ڈاکٹر سلطان ترین نے کیا آپریشن کے بعد قندیا کا نام عزت اللہ اور زاہدہ کا نام زاہد اللہ رکھا گیا ہے اس موقعہ پر ان کے بڑے بھائی عبد القدیر خاموش نے بتایا کہ ان دونوں بہنوں کی حرکات وسکنات بچپن ہی سے لڑکوں جیسی تھیں ہم انہیں لڑکی سمجھ کر لڑکیوں کا لباس پہناتے رہے یہ کھیل کود میں بھی لڑکیوں کی بجائے لڑکوں کو ترجیح دیتی تھیں اس صورت حال کے پیش نظر ہم نے ڈاکٹر سے رجوع کیا جس نے بتایا کہ آپریشن کے ذریعہ دونوں کی جنس تبدیل ہوسکتی ہے لہٰذا ان کا آپریشن کروایا گیا جو کامیاب رہا، ڈاکٹر سلطان ترین نے کہا کہ اس طرح کے نوے فیصد کیسز میں آپریشن کے ذریعے جنس تبدیل ہوسکتی ہے لیکن شعور وآگہی کی کمی کے باعث لوگ ڈاکٹروں سے رجوع نہیں کرتے"۔(۱)

جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق کے مطابق جنس کی تبدیلی ان لوگوں میں ہوتی ہے جو ناقص

(۱) روزنامہ: اسلام۔ ۳۰ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھج، ۲۱ جولائی ۲۰۰۷ء

الخلقت ہوتے ہیں اوران کی جسمانی وبدنی تکمیل نہیں ہوئی ہوتی، پیدائشی طور پران میں جسمانی بدنی اورطبی نقص ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کی صحیح بڑھوتی نہیں ہو پاتی مثلاً ایک نومولودکوظاہری نشانی کے بل بوتے پر والدین نے لڑکی تصور کر کے اس کے ساتھ بچیوں والا معاملہ شروع کردیا تو ابتدامیں وہ بچی ہی شمار ہوتی ہے اوراس کو کوئی خاص تکلیف بھی نہیں ہوتی لیکن جوں وہ بلاغت کی طرف بڑھتی ہے اوراس کی عمر میں اضافہ ہوتا ہے تو اسے کچھ تکلیف شروع ہوتی ہے جوابتدا میں عارضی ادویات سے رفع ہوجاتی ہے لیکن عمر کے ساتھ ساتھ درد اور تکلیف میں اضافہ ہوتا ہے ایسی بیماریوں کے لئے مخصوص طریقہ علاج اور الگ شعبہ قائم ہوتا ہے اسے یورالوجی کہاجاتا ہے بالآخر یورالوجسٹ ڈاکٹر طبی معاینہ کے بعد سرجری کا حکم دیتا ہے اور مختلف سرجریوں اورآپریشنز کے بعد اس کی جنس تبدیل ہوجاتی ہے جس کا طریق کاراور تفصیل ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔

نقص خلقیت کے اسباب ومحرکات

بچہ ناقص الخلقت کیوں پیدا ہوتا ہے اس کے اعضا بدنیہ میں کمی کیوں ہوتی ہے؟ اس کے اسباب ومحرکات کیا ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں تو یہ سب کچھ اللہ تعالی کے قضاوقدر سے ہوتا ہے اور اللہ تعالی بتاتے ہیں کہ میں نے ہی انسان کو کامل، تندرست وتوانا اورعمدہ ترکیب سے بنایا ہے اگر یقین نہ آئے تو ناقص الخلقت انسانوں کو دیکھ لو، کوئی ان کو اصل خلقت میں کامل نہیں کرسکتا، اللہ تعالی کاارشاد ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾۔(۱)

اوردوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ﴾(۲)

اللہ ہی وہ ذات ہے جو رحموں میں جیسے چاہے تمہاری صورتیں بناتا ہے۔

---

(۱) سورۃ التین

(۲) آل عمران

لہٰذا کسی کا ناقص الخلقت ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ انسان بے بس کمزور اور ضعیف ہے البتہ اس کی کچھ ظاہری طبی وجوہ واسباب بھی ڈاکٹروں نے بیان فرمائے ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱)......قرارِ حمل کے وقت خاتون کے رحم کا صحیح طور پر صاف نہ ہونا، یہی وجہ ہے کہ جدید طب میں رحم کی صفائی کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔

۲)......رحم میں غیر طبعی مواد اور اجزا پیدا ہونا۔

۳)......رحم میں رسولی ہونا۔

۴)......حاملہ خاتون کا حمل کے دوران اپنی صفائی ستھرائی کا خیال نہ رکھنا۔

۵)......ناقص خوراک کا استعمال، یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر حضرات حالتِ حمل میں اچھی، عمدہ اور مقوی غذا استعمال کرنے ک حکم دیتے ہیں۔

۶)...... ماہواری میں بے قاعدگی اور خرابی ہونا۔

۷)......ممسک حیض ادویہ استعمال کرنا خاص طور پر استقرارِ حمل کے آگے پیچھے کے ایام میں اس کا استعمال زیادہ مضر ہے۔

۸)......توہم پرستی اور جاہلانہ خیالات ورسوم

۹)......حالت حمل میں زیادہ پریشانی اور غم وفکر

☆شرعاً یہاں تین صورتیں بنتی ہے: (۱) تبدیلی جنس (۲) تکمیل جنس (۳) تعیین جنس

(۱) تبدیل جنس

جنس تبدیل کرنا جائز نہیں ہے حرام ہے اور اس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

۱)......یہ تغییر لخلق اللہ ہے اور خلق اللہ کی تغییر ناجائز اور حرام ہے، یہ شیطانی عمل اور اس کی پیروی ہے، شیطان لعین نے لوگوں کو گمراہ کرنے اور راہِ راست سے ہٹانے کے بارے کچھ اسباب بتائے ہیں تغییر خلق اللہ بھی اس میں شامل ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ

خَلْقَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴾(۱)
یعنی شیطان نے کہا کہ میں لوگوں کو ضرور بالضرور گمراہ کروں گا، اور ان کو امیدیں دلاؤں گا اور میں ان کو حکم دوں گا کہ وہ جانوروں کے کان چیریں اور میں ان کو سکھلاؤں گا کہ وہ اللہ کی تخلیق اور اس کی بنائی صورت کو بدل دیں اور جو بھی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بناتا ہے وہ صریح اور واضح نقصان میں ہے۔

۲)......اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو دو مختلف اجناس بنایا ہے اور دونوں کو بعض الگ الگ احکام کا مکلّف اور پابند کیا ہے اور مرد کو عورت کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے، اور عورت کو مرد کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کو شریعت میں غیض وغضب کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے اس اس پر لعنت آئی ہے جب ان مختلف اجناس کا ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کرنا موجب لعنت ہے تو پوری جنس تبدیل کر دینا اس سے بڑا گناہ اور موجب لعنت ہوگا۔

مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''جو مرد زنانہ ہیئت اختیار کرے یا زنانہ لباس پہنے اس پر حدیث پاک میں لعنت آئی ہے اس طرح جو عورت مردانہ لباس پہنے اس پر بھی حدیث پاک میں لعنت آئی ہے یہاں تک کہ عورت مردوں کی طرح گھوڑے پر سوار ہو اس پر لعنت آئی ہے پھر مستقلاً صفت ذکورت کو انوثت میں تبدیل کرنا یا اس کا عکس کہاں درست ہوگا، کہ اس میں ہر دو کی تخلیق کی مخصوص غایت ہی فوت ہو جاتی ہے''۔(۲)

۳)......دنیا کا انتظام وانصرام تا قیامت رہے گا اور اس کیلئے انسانیت کی بقا ضروری ہے اور انسانیت کی بقا اور سلسلہ تناسل مرد وزن دونوں کی مرہوں منت ہے ا[illegible] کی تبدیلی کی اجازت دیدی جائے تو تناسل کا سلسلہ ختم ہوسکتا ہے۔

۴)......مذکر و مؤنث بنانے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھا ہے جو مذکر پیدا ہوا ہے وہ اللہ کی منشا و مرضی کے مطابق مذکر ہے اور جو مؤنث ہے وہ بھی اللہ کی مرضی اور منشا سے ہے، اب اس میں تبدیلی کرنا اللہ تعالیٰ کے منشا کو بدلنے اور اللہ کا مقابلہ کرنے کے مترادف ہے۔

---

(۱) النساء ٤:١١٩)

(۲) فتاوی محمودیہ(١٦٢/٥)قدیم

قال اللہ تعالیٰ: ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ وَ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا وَّ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾۔(۱)

(۲) تکمیل جنس

مذکورہ حکم اس صورت میں ہے جب واقعی جنس کو تبدیل کیا جارہا ہو یعنی جنس مذکر اپنے اعضا ذکورت میں کامل ہے اس کو مؤنث بنایا جائے اور اس طرح مؤنث کے اعضاء نسائیت مکمل ہوں اس کو مذکر بنایا جائے یعنی تبدیل جنس جائز نہیں ہے ہاں تکمیل جنس شرعاً جائز اور درست ہے مثلاً جنس مذکر ہی ہے لیکن اس میں انوثت کا اشتباہ ہے تو اعضاء نسائیت ختم کرنا جائز ہے اسی طرح اگر جنس مؤنث ہی ہے لیکن بعض اعضا ذکوریت کی وجہ سے اشتباہ ہے تو اعضا ذکوریت ختم کر کے مکمل مؤنث بنانا اور اشتباہ زائل کرنا جائز ہے، یہ تبدیل جنس نہیں بلکہ تکمیل جنس اور علاج ہے۔

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی اسلامک فقہ اکیڈمی کے ایک فقہی فیصلہ میں ہے:

اول: جنس مذکر جس کے اپنے مخصوص اعضاء کامل ہو چکے ہوں، اسی طرح جنس مؤنث جس کے اعضا نسائیت پورے ہو چکے ہوں انہیں ایک دوسرے میں تبدیل کرنا شرعاً جائز نہیں ہے ایسی تبدیلی قابل سزا جرم ہے.....

دوم: جس شخص کے اعضا میں مرد اور عورت دونوں کی علامتیں جمع ہو گئی ہوں، اس میں دیکھا جائے گا کہ کون سے اعضاء کا تناسب زیادہ ہے اگر مرد کے اعضاء زیادہ ہوں تو طبی علاج کے ذریعہ عورت ہونے کے اشتباہ کو دور کر لینا جائز ہے اور اگر عورت کے اعضاء غالب ہوں تو طبی علاج کے ذریعہ مرد ہونے کے اشتباہ کو دور کر لینا جائز ہے خواہ یہ علاج سرجری کے طور پر ہو یا ہارمون کے ذریعہ ہو، اس لئے کہ یہ ایک طرح کا مرض ہے اور علاج کے ذریعہ مرض سے شفا مقصود ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی۔(۲)

---

(۱) الشوریٰ ۴۲: ۴۹ و ۵۰

(۲) عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل (ص: ۲۳۰) چھٹا فیصلہ۔ تبدیلی جنس کا مسئلہ۔

تعیین جنس

ایک ایسا انسان پیدا ہوا کہ اس میں اعضا ذکورہ اور اعضا نسوائیت برابر ہیں یا اس کے مذکر ومؤنث ہونے کا فیصلہ نہیں ہوسکتا خنثی مشکل ہے تو شرعاً اس کا علاج ومعالجہ کر کے مرد یا عورت بن جانا جائز ہے، یہ بھی ازالہ عیب اور علاج ومعالجہ کی ایک صورت ہے تغییر لخلق اللہ نہیں ہے۔

تبدیل جنس کا رشتوں پر اثر۔ایک اصول اور ضابطہ

تبدیل جنس کے بعد تولید کے وقت جو مولود منہ کی صفت ہوتی ہے، اس کے اعتبار سے افراد میں رشتے قائم ہوتے ہیں۔(۱) مثلاً زاہدہ اور زاہد کا نکاح ہوا، ان سے زید پیدا ہوا، بعد میں جنس کی تبدیلی ہوئی اور زاہدہ مرد بن گئی جس کا نام خالد رکھا گیا، خالد نے مثلاً عائشہ سے نکاح کیا اور ان سے محمود نامی لڑکا پیدا ہوا تو اس صورت میں زید محمود کے لئے اخیافی بھائی شمار ہوگا کیونکہ زید کی تولید کے وقت مولود منہ (زاہدہ) کی صفت ذکورت ہے، اگر زید ومحمود میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تو وراثت میں انہی رشتوں کا اعتبار کیا جائے گا۔

تبدیلی جنس کے بعد شرعی احکام

مذکورہ تفصیل کے مطابق جنس تبدیل کرنا جائز نہیں ہے، فسق وفجور، ناجائز اور موجب لعنت ہے لیکن اگر کسی نے جنس تبدیل کردی، اور جنس واقعۃً تبدیل ہوگئی تو شرعاً جس جنس کی طرف تبدیلی ہوئی ہے اس پر اسی جنس کے احکام لاگو ہوں گے، اگر عورت سے مرد بن جائے تو آئندہ اس پر مردوں والے احکام جاری ہوں گے، اور اگر مرد سے عورت بن جائے تو اس پر عورت والے احکام نافذ ہوں گے جیسے نکاح طلاق، لباس، پردہ اور وراثت وغیرہ، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔(۲)

---

(۱) فتاوی محمودیہ(۳٤۹/۱۱)

(۲) ماخذہ : آپ کے مسائل اور ان کا حل(۸/٤۰۳و٤۰٤)

زائد انگلی کا کٹوانا

اگر کسی کے بدن میں کوئی زائد عضو مثلاً زائد انگلی ہو اور وہ بدنما لگتی ہو تو شرعاً اس کا کٹوانا جائز ہے، یہ تغییر لخلق اللہ نہیں بلکہ علاج کی ایک صورت ہے کیونکہ انگلی غیر فطری طریقہ سے پیدا ہوئی ہے البتہ فقہاء کرامؒ نے اس کے جواز کی یہ شرط لکھی ہے کہ آپریشن سے ہلاکت یا نا قابل تحمل تکلیف کا خطرہ نہ ہو، لیکن یہ پہلے زمانے کی بات ہے، اب طب ترقی کر چکا ہے اور انگلی کا کاٹنا معمولی آپریشن ہے، اس میں نہ تکلیف ہوتی ہے اور نہ ہلاکت کا خطرہ ہے۔ الا ماشاءاللہ۔ (۱)

فتاوی محمودیہ جدید میں زائد انگلی کاٹنے کے بارے استفسار کے جواب میں ہے:

"کٹوانا بھی جائز ہے رضائے الٰہی کے خلاف نہیں مگر تکلیف بھی ہوگی، اپنے تحمل کو دیکھ لیں"۔ (۲)

مولانا مفتی مہربان علی صاحب جامع الفتاوی میں لکھتے ہیں:

"آج کل آپریشن میں تکلیف کا احساس نہیں ہونے دیا جاتا"۔ (۳)

خلاف شرع امور سے بچنے کے لئے عضو کاٹنا

اپنا یا کسی دوسرے کا کوئی عضو اس لئے کاٹنا یا معطل کرنا تا کہ وہ خلاف شرع، برے کاموں، چوری، ڈاکہ، زنا اور بدچلنی نہ کر سکے جائز نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہیکہ آدمی کو خصی کرنا جائز نہیں ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی علیہ السلام سے اختصاء کی اجازت چاہی تو نبی علیہ السلام نے منع فرمایا

عن ابی هريرضی الله عنه قال: قلت يارسول الله ﷺ انی رجل شاب وانا اخاف علی نفسی العنت ولااجد مااتزوج بالنساء كانه يستأذنه فی

(۱) فتاوی قاضی خان(۳/۴۱۰)علی هامش الهنديه

(۲) فتاوی محموديه جديد(۱۸/۳۳٤)

(۳) جامع الفتاوی

اختصاء ،قال:فسكت عني ثم قلت: مثل ذلك فسكت عنى ثم قلت مثل ذلك فقال النبى ﷺ:ياا باهريرة: جف القلم بماانت لاق،فاختص على ذلك اوذر۔(۱)

ملاعلی قاری فرماتے ہیں:

قوله:فاختص على ذلك اوذرليس هذااذنا فى اختصاء بل توبيخ ولوم على الاستيذان فى قطع عضو بلافائدة۔ (۲)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

''اگر یہ مقصود ہے کہ کسی عضو کو معطل کردیا جائے یا قطع کردیا جائے تا کہ اس کی بدچلنی موقوف ہوجائے تو ایسا کرنا جائز نہیں ،حضور اکرم ﷺ نے اختصا کی اجازت نہیں دی''۔(۳)

☆لہٰذا ڈاکٹر کا مذکورہ عمل میں تعاون کرنا اور عضو کاٹنا یا معطل کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

---

(۱) فى المشكوة(۱/۳۰) كتاب الايمان،باب الايمان بالقدر،

(۲) وفى المرقاة(۱/۲۷۹)

(۳) فتاوى محموديه(۱۸/۳۳۳)

(۶)

ڈاکٹر کی فیس، متعلقہ مسائل کی تحقیق

ڈاکٹر اور طبیب کے لئے مریض کے چیک اپ، معاینہ، تشخیص مرض اور ادویہ کی تجویز پر فیس اور اجرت لینا جائز ہے بشرطیکہ (۱) وہ واقعی مستند ڈاکٹر اور حکیم ہو یعنی کسی طبی ادارے سے سند حاصل ہو یا مستند حاذق معالج نے اسے علاج معالجہ کی اجازت دی ہو (۲) فیس اور اجرت مریض کی مالی حیثیت کو مدنظر رکھ کر لی جائے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر بعض اوقات دوا نہیں دیتے صرف مرض تشخیص کر کے دواؤں کا نسخہ لکھتے ہیں اور اس کی فیس لیتے ہیں یا وکلاء قانونی مشورہ دیتے ہیں اور اس کی فیس لیتے ہیں شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں، ہر قسم کی خدمت پر بشرطیکہ حرام کی حد میں داخل نہ ہو، کوئی اجرت متعین کرنا اور لینا درست ہے، مشورے دینا، ہدایات دینا اور اس کے لئے اپنے دماغ اور علم کا استعمال کرنا بھی ایک خدمت ہے اسلئے اسکی فیس مقرر کرنا بھی جائز ہوگا''۔(۱)

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ لکھتے ہیں:

''حکیم کی اجرت جاننے اور تشخیص مرض اور تجویز نسخے کی ہے، اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں ہے بلا شبہ جائز ہے بشرطیکہ حکیم حکیم ہو یعنی کسی حاذق طبیب نے ان کو علاج کرنے کی اجازت دی ہو ورنہ معالجہ کرنا جائز نہیں''۔(۲)

---

(۱) جدید فقہی مسائل (۱/۳۲۸)

(۲) امدادالمفتین (ص ۹۷۶) کتاب الحظر و الاباحۃ، باب التداوی۔ نیز ملاحظہ ہو: کفایت المفتی جدید (۷/۳۰۶۔ کتاب المعاش و فتاویٰ حقانیہ (۶/۲۶۱)

علاج کی صورتیں

علاج کی کئی صورتیں ہیں:

۱)......مریض کا چیک اپ اور معائنہ کر کے دوائی لکھ دے۔

۲)......مریض کی زبانی بات سنی اور نسخہ لکھ دیا۔

۳)......صرف زبانی بات سنی اور زبانی ہی نسخہ بتادیا۔

شرعاً ان تینوں صورتوں میں فیس اور اجرت لینا جائز ہے۔

امداد الاحکام میں تیسری صورت میں فیس لینے کو ناجائز لکھا ہے، سوال و جواب بعینہ ملاحظہ ہو:

سوال: کس معالجہ پر اجرت واجب ہے؟ اور اصطلاحًا معالجہ کے کیا معنی ہیں؟ یعنی ذیل میں کون سی صورت ایسی ہے جس میں اجرت دی جائے تو درست ہے؟ (۱): مریض کو زبانی تکلیف سن کر نسخہ بتادیا جاتا ہے، یہی معالجہ ہے یا (۲): تشخیص نبض و تشخیص مزاج کے بعد جو علاج شروع کیا جائے وہ معالجہ ہوگا؟

جواب: معالجہ کی دونوں صورتیں ہیں اور طبیب کو دونوں پر اجرت لینا جائز ہے مگر پہلی صورت میں اجرت کا حق اس وقت ہے جبکہ طبیب نسخہ لکھے، اگر زبانی بتلائے تو حق نہیں۔(۱)

صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں بھی اجرت لینا جائز ہے اور اس کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱)......طبیب لکھنے کی وجہ سے اجرت کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ معائنہ، تشخیص مرض اور تجویز دوا کی اجرت لیتا ہے اور تیسری صورت میں یہ عمل پایا جاتا ہے، بہت سے امراض کی نوعیت مریض کے محض زبانی بتانے سے بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

۲)......طبیب علاج و معالجہ کی اجرت لیتا ہے اور یہ تیسری صورت بھی بلاشبہ علاج و معالجہ کی ہے جیسا کہ خود امداد الاحکام میں بھی اسے معالجہ ہی کی ایک صورت قرار دیا گیا ہے۔

---

(۱) امداد الاحکام (۵۷۸/۳) کتاب الاجارۃ،

۳)......ڈاکٹر اور وکیل کے لئے مشورہ فیس لینا جائز ہے جیسا کہ جدید فقہی مسائل کے حوالہ سے اس کی تصریح آچکی ہے اور امداد الاحکام میں ہی اسی مسئلہ کے بعد والے مسئلہ میں تصریح موجود ہے اور ظاہر ہے کہ مذکورہ صورت میں ڈاکٹر مشورہ دیتا ہے لہذا یہ مشورہ فیس میں داخل ہے اور جائز ہے۔

فیس کے تعین کی صورتیں

اس زمانے میں اجرت اور فیس کی عموماً چار صورتیں رائج ہیں:

۱)......اکثر و بیشتر ڈاکٹر اور اطباء نے اپنی فیس متعین اور مقرر کی ہوئی ہوتی ہے، ہر مریض سے چیک اپ پر اتنی فیس وصول کی جاتی ہے، مرض کی نوعیت شدید ہو یا خفیف، یہ صورت جائز ہے، اس صورت میں ہر مریض کو فیس بتانا ضروری نہیں ہے، کلینک پر لکھا ہوا کتبہ یا شہرت کافی ہے۔

۲)......بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ فیس متعین نہیں ہوتی، مریضوں سے مختلف فیسیں لی جاتیں ہیں، یہ صورت بھی جائز ہے البتہ مریض کو پہلے فیس کی مقدار بتانا ضروری ہے، آپس میں جو فیس طے ہو جائے وہ ادا کی جائے اور اگر طے کئے بغیر علاج کیا تو ڈاکٹر اجرت مثل کا مستحق ہو گا۔

۳)......بہت سے ڈاکٹر مریضوں کو اپنی طرف سے ٹیکہ لگا کر کچھ ادویہ دیتے ہیں اور فیس بھی ادویہ کی رقم میں ضم کر کے مجموعی معاوضہ لے لیتے ہیں، پھر اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

۱......بعض ڈاکٹر کے ہاں مجموعی معاوضہ طے ہوتا ہے مثلاً چیک اپ اور دوائی وغیرہ سب کا معاضہ سو روپے ہے، یہ صورت جائز ہے، کیونکہ یہاں مجموعہ معاوضہ معلوم ہے، فیس بھی اس کا حصہ ہے۔

۲......بعض کے ہاں مجموعی معاوضہ طے نہیں ہوتا بلکہ ادویہ کی قیمت کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے اس صورت میں فیس الگ سے متعین کرنا اور مریض کو بتانا ضروری ہے ورنہ اجارہ فاسد ہو گا، کیونکہ نہ کل اجرت پہلے سے معلوم ہے نہ فیس کی مقدار۔

۴)...... کچھ اطباء فیس نہیں لیتے، نہ طے ہوتی ہے اور نہ وہ مطالبہ کرتے ہیں اگر کسی نے کچھ دے دیا تو لے لیتے ہیں، عموماً روحانی علاج کرنے والے اور دیہاتوں میں ہڈی جوڑنے کے ماہرین کا یہی طریقہ ہوتا ہے یا یہ صورت اکثر ان ڈاکٹروں کو پیش آتی ہے جو اپنی پرائیویٹ پریکٹس (private practice) نہیں کرتے، صرف سرکاری ملازمت کے طور پر ہسپتالوں میں علاج ومعالجہ کرتے ہیں۔ شرعاً یہ صورت بھی جائز ہے اور یہ عقد اجارہ نہیں ہے بلکہ تبرع و احسان ہے اور مریض اگر کچھ دیدے تو وہ ہدیہ ہے اجرت نہیں ہے اگر وہ کم دے تو طبیب اس سے منازعت کا حق نہیں ہے جیسا کہ امداد الاحکام کے حوالے سے آگے آیا چاہتا ہے۔

فتاویٰ خلیلیہ میں ہے:

''اول تو یہ کہ طبیب کسی مریض کو خواہ اپنے مکان پر دیکھتا ہے یا مریض کے مکان پر دیکھتا ہے اور اس کے مرض کی تشخیص کرتا ہے اور اس کو دوا بتلاتا ہے یا اپنے پاس سے دوا دیتا ہے اور نہ کچھ فیس مقرر کرتا ہے اور نہ کوئی شرط کرتا ہے لیکن اس کے باوجود مریض طبیب کو کچھ دیتا ہے یہ صورت بظاہر تبرع محض ہے کہ اس نے حسبۃً للہ مریض کی خدمت کی اور مریض نے بطور ہدیہ کے طبیب کو کچھ دے دیا، شرعاً اس کے جواز میں کلام نہیں''۔(۱)

فتاویٰ خلیلیہ میں ہے:

''اگر بلا مقرر کیے فیس کے کسی مریض کو دیکھنے گیا اور مریض نے خود بخود کچھ دے دیا وہ بھی حلال ہے خواہ مریض زندہ رہے یا مرجائے اور اگر کچھ نہ دیا تو طبیب کو جبراً لینے کا حق نہیں، اگر لے گا تو حلال نہ ہوگا''۔(۲)

☆ شرعاً فیس متعین کرنے کی دو صورتیں بنتی ہیں:

۱)...... فیس متعین کرکے لگا دی جائے اور اس کا عام قاعدہ مقرر کردے، اس صورت میں ہر مریض سے الگ طے کرنا ضروری نہیں ہے۔

۲)...... فیس بطور کلیہ مقرر نہ ہو، اس صورت میں ہر مریض سے طے کرنا ضروری ہے۔

---

(۱) فتاویٰ خلیلیہ (۱/۲۴۹)

(۲) فتاویٰ خلیلیہ (۱/۲۵۲)

☆ فیس علاج ومعالجہ اور معائنہ کرنے سے پہلے بھی لی جاسکتی ہے اور اس کے بعد بھی، اسی طرح مریض کے شفایاب ہونے سے قبل بھی لینا درست ہے اور اس کے بعد بھی۔

☆ پہلے زمانے میں طب عموماً خدمت خلق کا ایک شعبہ تھا، کسب کا ذریعہ نہ تھا، اس لئے اس وقت طبیب کو جو کچھ دیا جاتا اس کی حیثیت ہدیہ کی ہوتی تھی، اب طب کمائی کا اہم ذریعہ ہے اور بڑی تجارت ہے لہذا طبیب اور ڈاکٹر کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ اجرت اور معاوضہ ہے، ہدیہ یا رشوت نہیں ہے، رشوت تو اس لئے نہیں ہے کہ مریض کا علاج اس معین ڈاکٹر کے ذمہ واجب نہیں ہے اور ہدیہ اس لئے نہیں کہ عقد کی صورت میں طرفین سے معاوضہ طے ہوتا ہے، اس بارے میں شبہات واعتراضات اور ان کے جوابات کے لئے امداد الاحکام ملاحظہ فرمائیں۔

امداد الاحکام میں ہے:

سوال: حکیم یا ڈاکٹر کو علاج شروع کرنے سے پیشتر اجرت یا فیس لینا درست ہے یا بعد معالجہ یا صحت کے طلب کرنا درست ہے؟ اور یہ اجرت یا فیس مقرر ہونا چاہئے یا جو کچھ مریض پیش کرے اس کو قبول کر لینا چاہئے؟

جواب: طبیب کو دونوں حق حاصل ہیں خواہ فیس معین کر دے کہ تم سے یہ لوں گا یا عام قاعدہ مقرر کر دے یا کچھ مقرر نہ کرے بلکہ جو جس نے دے دیا قبول کر لیا مگر مقرر نہ کرنے کی صورت میں طبیب کو مریض سے منازعت کا حق نہیں کیونکہ اس صورت میں جو کچھ دیا گیا وہ ہدیہ ہے باقاعدہ اجرت نہیں۔(۱)

سرکاری پرچی فیس سے زیادہ لینا

سرکاری ہسپتالوں میں ڈاکٹر کی پرچی فیس طے ہوتی ہے مثلاً پانچ روپے، بعض ہسپتالوں کے منتظمین اپنی طرف سے فیس بڑھا دیتے ہیں مثلاً پانچ کے بجائے آٹھ روپیہ وصول کرتے ہیں اور یہ رقم ہسپتال ہی کی ضروریات مثلاً ادویات، پانی، ٹیوب لائٹز وغیرہ میں لگائی جاتی ہے اور منتظمین اس کی وجہ جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ مذکورہ ضروریات واخراجات حکومت کے ذمے

(۱) امداد الاحکام (۵۷۹/۳)

ہوتے ہیں لیکن حکومت رقم دینے میں ٹال مٹول سے کام لیتی ہے لہذا ہم فیس بڑھا دیتے ہیں لیکن مذکورہ مقصد کے لئے حکومت کی طرف سے طے کردہ فیس میں اضافہ کرنا اور لوگوں سے زیادہ رقم لینا جائز نہیں ہے، یہ لوگوں کے ساتھ ظلم ہے البتہ اگر کوئی شخص از خود عطیہ دے دے تو درست ہے، جہاں تک مذکورہ ضروریات کا تعلق ہے تو چونکہ یہ حکومت کے ذمہ ہیں لہذا انہیں قانونی طریقہ سے حکومت سے ہی پوری کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔(۱)

مریض کی ہلاکت کا گمان ہو تو بھی فیس لینا جائز ہے:

اگر ڈاکٹر کے خیال میں مریض فوت ہو جائے گا، شفایاب نہ ہوگا لیکن مریض کے اولیاء اس کا علاج کروا رہے ہیں تو ڈاکٹر کا علاج کرنا اور اس کی فیس لینا جائز ہے۔

فتاویٰ خلیلیہ میں ہے:

سوال: اگر حکیم کو یہ گمان ہو کہ مریض مر جائے گا تو کیا اس حالت میں بھی مریض سے فیس لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر طبیب کو گمان ہو کہ مریض مر جائے گا تو اس وقت بھی فیس مقرر کر کے لینا جائز ہے۔(۲)

مریض کے علاج کا ٹھیکہ اور فیس کی ایک صورت

بعض بیماریاں بڑی طویل ہوتی ہیں، اور ان پر بڑا خرچہ آتا ہے، بعض اوقات ڈاکٹر اپنی بنیادی فیس وصول کر لیتا ہے اور آئندہ کے لئے مریض یا اس کے اولیاء سے علاج و معالجہ کا ٹھیکہ لے لیتا ہے جس میں فیس کا کچھ حصہ نقد لے لیا جاتا ہے اور باقی کے بارے میں یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ مثلاً اگر مریض ٹھیک ہو گیا تو اتنی رقم دینی ہوگی اور ٹھیک نہ ہوا تو فیس کا مطالبہ نہیں ہو سکے گا یا کم فیس دینی ہوگی، اس طرح کا ٹھیکہ شرعاً جائز ہے۔

(۱) ماخذہ: فتاوی دارالعلوم کراچی

(۲) فتاویٰ خلیلیہ(۱/۲۵۲)

امدادالاحکام میں ہے:

''اس عقد کے جواز کی یہ صورت ہے کہ طبیب تخمینہ سے علاج کی مدت اپنے ذہن میں معین کر کے اس مدت کا ٹھیکہ کرلے کہ اتنی مدت تک علاج کا یہ معاوضہ لوں گا اور اس کا آٹھواں حصہ پیشگی لوں گا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دے کہ اگر خدانخواستہ شفاء نہ ہوئی تو اس آٹھویں حصہ کے علاوہ کچھ نہ لوں گا جو پیشگی لیا جائے گا اور اس کے علاوہ کل رقم مقرر کردہ چھوڑ دوں گا، اور مریض کی طرف سے یہ بھی وعدہ کیا جائے کہ اگر جلد صحت ہوگئی تب بھی آپ کو پوری رقم دی جائے گی اور یہ دونوں طرف کے وعدے لازم ہوں گے (كما قال الفقهاء فى البيع بشرط الوفاء) اور اگر درمیان میں طبیب علاج چھوڑ دے یا مریض چھوڑ دے تو جتنی مدت تک علاج ہوا ہے اس کا معاوضہ حساب سے لازم ہے یعنی اگر اس مدت کے آٹھویں حصہ سے قبل علاج چھوٹ گیا ہے تو حساب کر کے باقی رقم واپس کی جائے اور اگر مدت سے آٹھویں حصہ سے زائد تک علاج ہو چکا ہے تو زائد معاوضہ مریض کے ذمہ واجب ہوگا البتہ اگر کوئی خاص وعدہ ہو جائے تو اس کے موافق عمل ہوگا''۔(۱)

"سأل فى رجل داء فى انفه اتفق مع طبيب على مداواته وجعل له اجرة ولم يضرب لذلك مدة وداواه فماالحكم اجاب للطبيب اجر مثله ......الخ"(۲)

"رجل به داء فى ظهره اتفق مع الطبيب على مداواته وجعل له اجرة ولم تضرب له مدة وداواه يريد الطبيب اجرة مثله وماانفقه فى ثمن الادوية فهل له ذلك؟" الجواب: نعم: والمسئلة فى الخيرية من الاجارة"۔(۳)

مریض کے گھر علاج کرے تو زیادہ فیس مقرر کرنا

بعض علاقوں میں بالخصوص دیہاتوں میں ڈاکٹر مریض کے گھر جا کر معائنہ کرتے ہیں

(۱) امدادالاحكام(۳/ ۶۰۱) كتاب الاجارة

(۲) فى الفتاوى الخيرية على هاش تنقيح الحامدية(۲/ ۱۸۲)

(۳) فى تنقيح الفتاوى الحامدية(۲/ ۱۳۸)

اور اس صورت میں بعض ڈاکٹر فیس زیادہ لیتے ہیں، شرعاً یہ جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ڈاکٹر کو مشقت زیادہ اٹھانی پڑ رہی ہے۔

کفایت المفتی جدید میں ہے:

''طبیب کو مریضوں سے علاج کی فیس لینا جائز ہے خواہ مریض کے مکان پر جا کر اس کو دیکھے اور تشخیص مرض کر کے نسخہ تجویز کرے اور خواہ مریض خود طبیب کے مطب پر آ کر علاج کرائے ان صورتوں میں علاج کی اجرت لینا جائز ہے''۔(۱)

ڈاکٹر کا اپنی طرف سے ادویہ دینے کی شرط

بہت سے ڈاکٹر معائنہ کے ساتھ مریض کو اپنی ادویات بھی بیچتے ہیں، معائنہ کا عقد عقد اجارہ ہے اور ادویات بیچنے کا عقد عقد بیع ہے، اگر ڈاکٹر یا مریض کی طرف سے معائنہ کے ساتھ ادویات بیچنے کی شرط نہ ہو تو جائز ہے۔

کفایت المفتی جدید میں ہے:

''دوا قیمۃً فروخت کرنے کے جواز میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کیونکہ دوا اس کا مال ہے، اس کی ملک ہے اسے فروخت کرنے یا مفت دینے کا کامل اختیار، اگر مفت دے اس کا احسان ہے، قیمت لے کر دے اس کا حق ہے''۔(۲)

لیکن اگر ڈاکٹر یہ شرط لگائے کہ میں معائنہ اور ادویات تب تجویز کروں گا کہ تم مجھ سے یا میرے میڈیکل سٹور سے ہی ادویات خریدو گے تو یہ جائز نہیں ہے، یہ صفقۃ فی صفقہ ہے جس سے معاملہ فاسد ہو جاتا ہے۔

شفاء یاب نہ ہونے کے باوجود فیس کا جواز

ڈاکٹر چونکہ مریض کی تشخیص اور ادویہ تجویز کرنے کی اجرت لیتا ہے لہذا اگر اس نے مریض کا

---

(۱) کفایت المفتی جدید(۷/۳۰۶) کتاب المعاش

(۲) کفایت المفتی جدید(۷/۳۰۶)

علاج کیا لیکن وہ شفایاب نہ ہوسکا، مرض بدستور قائم ہے یا فوت ہوگیا تو بھی وہ فیس کا مستحق ہے۔

فتاوی خلیلیہ میں ہے:

سوال: اگر حکیم علاج پر اپنی فیس مقرر کرکے لیتا رہے، اور مریض صحت یاب نہ ہو یا مرجائے تو یہ روپیہ جو ہمیشہ فیس کا مقرر کرکے لیتا رہا ہے اس کے لئے حلال اور درست ہے یا نہیں؟

الجواب: طبیب کو اپنے معالجہ کے معاوضہ میں فیس مقرر کرکے لینا حلال ہے خواہ مریض صحت یاب ہوجائے یا مرجائے۔(۱)

☆ بعض ڈاکٹر کا اصول ہے کہ مریض سے فیس لے لی، اگر مریض اسی مرض کے سلسلہ میں دوسرے دن یا بعد میں دوبارہ آئے، تو مزید فیس نہیں لیتے، اور بعض مزید بھی لیتے ہیں پھر بعض کم لیتے ہیں اور بعض پوری لیتے ہیں، یہ سب صورتیں جائز ہیں البتہ اس بارے مستقل اصول طے کرنا یا ہر مریض کو الگ الگ بتانا ضروری ہے تاکہ کسی قسم کا نزاع پیدا نہ ہو۔

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

جو شخص کہ طبیب کو نذر اس نیت سے دے کہ طبیب مریض کو مکرر سہ کرر دیکھنے آوے، اور طبیب بھی قیاس سے یہی سمجھ لے کہ پھر بھی بلانا اسی اجرت میں چاہتا ہے اور باعلان ظاہر نہ کیا اور طبیب نے اس وقت یہ سمجھ لیا کہ اس اجرت میں پھر نہیں آوں گا تو یہ نذرانہ طبیب کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جو کچھ طبیب کو دے چکا ہے وہ بظاہر حال ایک دفعہ کی اجرت ہے۔(۲)

تشخیص پر فیس وصول کرنا

ڈاکٹر کا مریض کا معائنہ کرکے مرض کی تشخیص کرنا ایک عمل اور محنت ہے لہذا ڈاکٹر اس کے عوض فیس لے سکتا ہے البتہ آج کل پرائیویٹ ہسپتالوں کی بہتات ہے اور ڈاکٹر دیکھا دیکھی

---

(۱) فتاوی خلیلیه(۱/۲۵۱)

(۲) فتاوی رشیدیه(ص: ٤٨٧) کتاب الحظر والاباحة

بھاری فیسیں وصول کر کے اپنی تجوری بھرنے کی کوشش کرتے ہیں، ڈاکٹر حضرات کو مناسب اور قابل تحمل فیس لینی چاہئے۔

فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

''مرض کی تشخیص پر ڈاکٹر کا فیس لینے میں کوئی قباحت نہیں''۔(۱)

''سأل فی رجل داء فی انفه اتفق مع طبیب علی مداواته وجعل له اجرة ولم یضرب لذلك مدة وداواه فماالحکم اجاب للطبیب اجر مثله ......الخ(۲)

فیس کو شفایاب ہونے کی شرط پر معلق کرنا

ڈاکٹر کی فیس اور اجرت کو مریض کے تندرست ہونے اور صحت یاب ہونے پر معلق کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اس کی تین صورتیں بنتی ہیں:

۱)......نفس عقد میں شرط لگادی جائے مثلاً ڈاکٹر کے ساتھ معاملہ کرتے وقت شرط لگادی کہ اگر مریض ٹھیک اور صحت یاب ہوا تو فیس دیں گے ورنہ نہیں یا فیس دے دی اور شرط لگادی کہ اگر مریض صحت یاب نہ ہوا تو فیس واپس کرنی ہوگی، شرعاً ایسی شرط لگانا صحیح نہیں اور اس سے عقد اجارہ فاسد ہو جاتا ہے، دوائی خواہ ڈاکٹر کے ذمہ ہو یا مریض کے ذمہ، اور ڈاکٹر اجرت مثل کا مستحق ہے خواہ مریض شفایاب نہ ہو، اور ڈاکٹر کی جو متعین فیس ہوتی ہے وہ اجرت مثل ہی کے مشابہ ہوتی ہے۔

۲)......جعالہ محض کے طور پر شرط لگادی، جعالہ انعام دینے کو کہتے ہیں یعنی ڈاکٹر کو یہ کہا کہ اگر یہ مریض آپ کے علاج ومعالجہ سے شفایاب ہوا تو ہم آپ کو لاکھ روپیہ دیں گے اور لاکھ روپیہ ہی کو اجرت بنادیا جائے یہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے، دوائی خواہ ڈاکٹر کے ذمہ ہو خواہ مریض کے ذمے اور ڈاکٹر اجرت مثل کا مستحق ہے خواہ مریض شفایاب نہ ہو، ان دونوں شرطوں کے ناجائز ہونے کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

---

(۱) فتاویٰ حقانیہ(۲۵۹/٦)

(۲) فی الفتاوی الخیریة علی هاش تنقیح الحامدیة(۱۸۲/۲)

۱......شفا اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے، ڈاکٹر کو اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

۲......مذکورہ شروط کے مطابق عمل اور معقود علیہ شفایابی ٹھہرا جبکہ ڈاکٹر کو اس پر قدرت ہی نہیں لہذا اجیر اس سے عاجز ہے۔

۳......مدت اجارہ میں غرر اور جہالت ہے یعنی اول تو یہ یقینی نہیں کہ شفاء ملے گی یا نہیں کما ذکر نا لیکن اگر شفاء ملنا بھی طے ہو جائے تو اس کی مدت مجہول ہے۔

۳)......تیسری صورت تعیین اجرت کے ساتھ جعالہ مقرر کرنا یعنی مریض کے ورثاء ڈاکٹر سے کہیں کہ آپ اس کا علاج کرتے رہیں ہم آپ کی فیس اور دوسرے اخراجات دیتے رہیں گے، علاوہ ازیں اگر مریض شفایاب ہو گیا تو ہم آپ کو انعام بھی دیں گے، یہ صورت جائز ہے کیونکہ یہاں معقود علیہ علاج ومعالجہ کا عمل ہے جس پر ڈاکٹر کو قدرت حاصل ہے، اور مدت کی جہالت بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہوتی جاتی ہے۔

ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

ولاتجوز مشارطة الطبيب على البرء اصلا لانه بيدالله تعالىٰ لا بيداحد و انما الطبيب معالج ومقوللطبيعة بمايقابل الداء ولايعرف كمية قوة الدواء من كمية قوة الداء فالبرء لايقدر عليه الاالله تعالىٰ۔(۱)

یعنی طبیب کے ساتھ یہ شرط لگانا جائز نہیں کہ اس کے ہاتھ سے مریض ضرور صحت یاب ہوگا کیونکہ صحت دینا اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے، کسی بندہ کے قبضہ میں نہیں، طبیب تو صرف معالج ہے اور مرض کے مقابلہ میں طبیعت کو قوت دینے کی کوشش کرتا ہے، وہ بیمار کی قوت کے مقابلہ میں دوائی کی قوت وکمیت کو نہیں پہچان سکتا لہذا صحت دینے پر صرف اللہ تعالیٰ قادر ہے۔

شرطیہ علاج کا اعلان

بہت سے حکیموں اور طبیبوں نے بعض امراض کے بارے میں بورڈ آویزاں کیا ہوتا ہے اور

(۱) المحلی(۸/۱۹۶)احکام الاجارات رقم المسئلة ۱۳۱۰۔

دوسری باتوں کے علاوہ شرطیہ علاج کا اعلان بھی درج ہوتا ہے، اس قسم کا اعلان رسمی ہی ہوتا ہے، ہر مریض کے ساتھ عقد کرتے وقت ایسی شرط نہیں لگائی جاتی تاہم اگر کسی عقد میں ایسی شرط لگا دی تو شرعاً یہ ناجائز ہے اور اس سے اجارہ فاسد ہو جائے گا۔

انجکشن کے نقصان دینے پر دوسرا انجکشن لگا کر دونوں کے پیسے لینا

ایک ڈاکٹر کے پاس مریض آیا ڈاکٹر نے مثلاً بیس روپے کا انجکشن لگایا لیکن وہ اس کو راس نہ آیا اور اسے انجکشن کا رد عمل ہو گیا ڈاکٹر نے پہلے انجکشن کے توڑ کے لئے دوسرا انجکشن لگایا جس کی قیمت سو روپے ہے، اس صورت میں ڈاکٹر کے لئے دونوں فیسوں کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ مستند ڈاکٹر ہے اور پہلا انجکشن لگانے میں کسی قسم کی غفلت اور کوتاہی نہیں کی تھی تو اس کے لئے دونوں فیسیں لینا جائز ہے اور اگر اس نے پہلے انجکشن میں غفلت سے کام لیا تھا اور کوتاہی کی تھی یا وہ مستند ڈاکٹر ہی نہیں تو اس کے لئے دونوں فیسیں لینا حلال نہیں۔(۱)

ڈاکٹر کا مال حرام سے فیس لینا

اگر کسی کا مال خالص حرام یا اکثر حرام یا حلال وحرام برابر ہوں اور وہ اس سے فیس ادا کرے تو ڈاکٹر کا لینا جائز نہیں، ہاں اگر وہ تصریح کر دے کہ میں حلال سے دے رہا ہوں یا کسی سے قرض لے کر دے رہا ہو تو پھر اس سے فیس لینا جائز ہے اور اگر اس کی ملکیت میں مال حلال زیادہ اور حرام مغلوب ہو تو اس سے فیس لینا مطلقاً جائز ہے۔(۲)

طوائف سے فیس لینا

مذکورہ حکم طوائف اور جسم فروشی کرنے والی کا بھی ہے۔

فتاوی محمودیہ میں ہے:

---

(۱) ماخذہ: آپ کے مسائل اور ان کا حل (۲۹۹/۸، ۳۰۰)

(۲) الهندية: كتاب الكراهية: (۳٤۲/۵) الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات

''اگر وہ (طوائف) حرام کی کمائی کا روپیہ دے تو ڈاکٹر یا دوکاندار کو فیس یا قیمت لینا درست نہیں، ایسے روپیہ سے دعوت قبول کرنا بھی درست نہیں، ہاں وہ قرض لے کر حلال روپیہ دے تو لینا درست ہے''۔(۱)

بیمہ کمپنی کے لئے طبی معاینہ اور اس کی فیس کا حکم

زندگی کا بیمہ (Life Insurance) کرنے والی کمپنی بیمہ پالیسی خریدنے والے کا پہلے طبی معاینہ کراتی ہے پھر اس کے ساتھ معاہدہ کرتی ہے، شرعاً مروجہ بیمہ ناجائز ہے لیکن ڈاکٹر جائز معاینہ کی فیس لیتا ہے لہذا وہ اس کے لئے حلال ہے۔

فتاوی محمودیہ قدیم میں ہے:

''زندگی کا بیمہ ناجائز ہے، ڈاکٹر معاینہ کرنے کی فیس لیتا ہے وہ جائز ہے اس کو اپنے کام میں خرچ کرسکتا ہے......''۔(۲)

☆لیکن اگر ڈاکٹر کو معلوم ہو کہ بیمہ پالیسی لینے کے لئے معاینہ کیا جارہا ہے تو اعانت علی المعصیہ کا گناہ ہوگا۔

---

(۱) فتاوی محمودیہ(۱۸/۴۲۴)

(۲) فتاوی محمودیہ(۱۷/۳۱۷)قدیم

(۷)

کمیشن کے چند مسائل

اصول وضابطہ

ڈاکٹر طبیب اور حکیم مریض سے جو فیس لیتا ہے وہ شرعاً ان تمام خدمات کا معاوضہ ہے جو مریض، مرض، ادویات اور علاج ومعالجہ سے متعلق ہیں، ان خدمات میں جس طرح مریض کا تسلی بخش معائنہ، چیک اپ، مرض کی تشخیص اور ادویہ کی تجویز شامل ہے، اسی طرح جس کمپنی یا میڈیکل سٹور سے ادویات بہتر نرخ میں ملتی ہیں یا جس لیبارٹری کے ٹیسٹ معیاری ہیں مریض کے پوچھنے پر یا ازخود بوقت ضرورت ان کی طرف مریض کی رہنمائی کرنا بھی ان خدمات میں شامل ہے اور یہ ڈاکٹر کا فرض منصبی اور شرعی ذمہ داری ہے لہذا اس پر مزید معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مثلاً اگر ڈاکٹر دوائی تجویز کرنے پر دواساز کمپنی یا میڈیکل سٹور سے کمیشن لیتا ہے تو اس کی ابتداء دو صورتیں ہیں:

(۱) وہ دوائی صرف ایک کمپنی بناتی ہے۔ (۲) وہ دوائی متعدد کمپنیاں تیار کرتی ہیں۔

اگر ایک ہی کمپنی بناتی ہے تو ایسی کمپنی کی دوائی لکھنا اور تجویز کرنا ڈاکٹر کے ذمہ شرعاً اور اخلاقاً لازم ہے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی دوائی ہے ہی نہیں، چونکہ وہ دوائی تجویز کرنا اس پر لازم ہے اور جو کام آدمی پر لازم اور ضروری ہو اس کے عوض کچھ لینا رشوت ہے لہذا ڈاکٹر کا اس پر کمیشن لینا بھی رشوت ہے۔

اور اگر وہ دوائی ایک سے زیادہ کمپنیاں بناتی ہیں تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

۱)......کمپنیوں کی تیار کردہ ادویات کے معیار میں فرق ہو، اس صورت میں ڈاکٹر کا کمیشن لینا اس لئے جائز نہیں کہ ڈاکٹر یا تو معیاری دوا تجویز کرے گا یا غیر معیاری، اگر غیر معیاری تجویز کرتا ہے تو یہ مریض کے ساتھ خیانت اور دھوکہ ہے، خیانت اور دھوکہ پر کمیشن لینا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ اور اگر معیاری دوا تجویز کرتا ہے تو یہ اس کی ذمہ داری ہے اور ذمہ داری پوری کرنے پر کچھ لینا رشوت ہے۔

۲)......سب کی ادویات کا معیار ایک ہو اور کوئی بھی دواء تجویز کی جائے تو وہ مریض کے لئے مفید ہو، مثلاً پانچ کمپنیاں ایک ہی معیار کی دوائی بناتی ہیں تو ڈاکٹر ان میں سے کسی کی دوائی بھی تجویز کرسکتا ہے اس میں خیانت اور دھوکہ نہیں ہے، اور کسی خاص کمپنی کی ادویہ تجویز کرنا اس کے ذمہ لازم نہیں ہے۔ لہٰذا اگر ڈاکٹر کسی ایک کمپنی سے کمیشن کا معاہدہ کرتا ہے تو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ اس کی گنجائش ہے:

۱......مریض کو واقعۃً اس دوائی کی ضرورت ہو، اگر ضرورت نہ ہو، ڈاکٹر اپنا کمیشن حاصل کرنے کے لیے دوائی تجویز کرتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔

۲......جتنی دوائی کی ضرورت ہو اتنی ہی تجویز کی جائے، محض کمیشن لینے کے لئے زیادہ دواء تجویز کرنا جائز نہیں ہے۔

۳......ڈاکٹر اور کمپنی کے درمیان کمیشن کی شرح طے ہو جائے، طے کئے بغیر کمیشن لینا دینا جائز نہیں ہے کیونکہ کمیشن اجرت کے زمرے میں آتا ہے اور اجرت کا طے اور معلوم و متعین ہونا ضروری ہے۔

۴......مریض کو اس کمپنی کی دوائی خریدنے پر مجبور نہ کیا جائے جس کمپنی سے ڈاکٹر نے کمیشن کا معاہدہ کیا ہوا ہے۔

۵......کمپنی جو ڈاکٹر کو کمیشن دیتی ہے اسے دوائی کی قیمت میں شامل کر کے مریض سے وصول نہ کرے، یہ اس لئے جائز نہیں کہ ڈاکٹر نے کمپنی کے لئے کام کیا ہے لہٰذا کمپنی اپنی طرف سے اجرت دے گی، مریض ڈاکٹر کو خدمت کے عوض پہلے ہی فیس دے چکا ہے۔

یہ اصولی مسئلہ ہوا، عملی لحاظ سے ڈاکٹروں کے کمیشن کے مطلقاً عدم جواز کا فتویٰ ہے، یہ آخری

صورت بھی اس زمرے میں آتی ہے اور اس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

۱)...... آخری صورت کا تحقق آج کل بہت کم ہی ہوتا ہے، کمپنیوں کی ادویات میں فرق ہوتا ہی ہے۔

۲)...... آخری صورت کے جواز کی آڑ میں پہلی صورتوں کو بھی جائز سمجھا جاتا ہے اور ڈاکٹر ان صورتوں میں بھی کمیشن لیتے ہیں۔

۳)...... آخری صورت کے جواز کی جو شرطیں تحریر کی گئی ہیں ان کا خیال نہیں رکھا جاتا بالخصوص ڈاکٹروں کا بغیر ضرورت کے دوا تجویز کرنا نیز ضرورت سے زائد دوا تجویز کرنا معمولی بات سمجھا جاتا ہے، نیز کمپنیاں ڈاکٹروں کا کمیشن ادویات کی قیمت میں شامل کرتی ہیں اور مریض سے وصول کرتی ہیں۔ لہٰذا فتویٰ اس بات پر ہے کہ ڈاکٹر حضرات کا مروجہ طریقے سے کمیشن لینا جائز نہیں ہے۔

کتاب الفتاویٰ میں اس طرح کے سوال کے جواب میں لکھا ہے:

''یہ صورت جو آج کل مروج ہو چکی ہے رشوت میں داخل ہے اور جائز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے والے اور دینے والے پر لعنت فرمائی ہے''۔ (۱)

سب سے زیادہ افسوس ڈاکٹری کے پیشے پر ہوتا ہے جس کا اصل مقصد خدمت خلق ہے لیکن آہستہ آہستہ اس پیشہ پر خالص تاجرانہ رنگ چڑھتا جا رہا ہے اور اس وجہ سے علاج گراں سے گراں اور متوسط آمدنی کے حامل لوگوں کی قوت سے باہر ہوتا جا رہا ہے۔

طبیب کا عطار سے کمیشن لینا

حکیم، طبیب نے عطار یا پنسار یا دواخانہ والوں سے معاہدہ کیا کہ میں مریض کو تمہارے ہاں بھیجوں گا، آپ اس پر جو ادویات فروخت کرو گے مجھے اس میں سے آدھا، چوتھائی، دس فیصد یا بیس فیصد دینا، عطار نے معاہدہ قبول کر لیا تو حکیم یا طبیب کیلئے کمیشن لینا جائز نہیں ہے۔ (۲)

(۱) کتاب الفتاویٰ(٦/٢٤٨) ۔سنن ابوداودرقم الحدیث ٣٥٨٠ باب کراھیة الرشوة۔

(۲) ماخذہ: امدادالفتاویٰ(٣/٤١) کتاب الاجارہ ، جامع الفتاویٰ(٣/٣٣٥)

☆ بعض عطار اور پنساری طبیب کے بھیجے ہوئے گاہک سے عام گاہکوں کی بنسبت زیادہ معاوضہ وصول کرتے ہیں اور وہ زیادتی کمیشن کی صورت میں طبیب کو دے دیتے ہیں اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن اگر مریض سے عام معاوضہ ہی لیا جائے تب بھی طبیب اور پنساری کے درمیان مذکورہ معاملہ جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: جو حکیم عطاروں سے حصہ معینہ لیتے ہیں تو عطار کافر کہتے ہیں کہ مریض سے بھی قیمت نسخہ کی زیادہ لیتے ہیں ورنہ کم لیتے ہیں، اور تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرح قیمت زیادہ لیتے ہیں تو ایسے اقرار زبانی عطار کافر سے طبیب کو حصہ چہارم عطار سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ نادرست ہے، ہرگز لینا درست نہیں، اب عطار سچ کہے تب بھی نادرست ہے اور جھوٹ بولے تب بھی نادرست ہے۔(۱)

ڈاکٹر کا میڈیکل سٹور والوں سے کمیشن لینا:

مذکورہ اصول اور ضابطہ کے مطابق ڈاکٹر کا میڈیکل سٹور والوں سے ادویات خریدنے کے لئے مریض بھیجنے اور ان سے فیصد کے حساب سے کمیشن لینے کا معاہدہ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ جب مریض سے فیس لے لی تو بوقت ضرورت معتمد میڈیکل سٹور کی طرف رہنمائی کرنا ڈاکٹر کے ذمہ لازم ہے۔(۲)

ایکسرے والوں سے کمیشن لینا

ڈاکٹر کا ایکسرے والوں سے بھی کمیشن لینا جائز نہیں ہے۔

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

---

(۱) فتاویٰ رشیدیہ (ص ۴۹۵) کتاب الحظر والاباحۃ

(۲) امداد الفتاویٰ (۳/۴۱۰)

''یہ صورت جو آج کل مروج ہو چکی ہے رشوت میں داخل ہے اور جائز نہیں...... سب سے زیادہ افسوس ڈاکٹری کے پیشے پر ہوتا ہے جس کا اصل مقصد خدمت خلق ہے لیکن آہستہ آہستہ اس پیشہ پر خالص تاجرانہ رنگ چڑھتا جا رہا ہے اور اس وجہ سے علاج گراں سے گراں اور متوسط آمدنی کے حامل لوگوں کی قوت سے باہر ہوتا جا رہا ہے''۔(۱)

لیب اور لیبارٹری والوں سے کمیشن لینا

گزشتہ اصول کی رو سے ڈاکٹر کا لیبارٹری والوں سے کمیشن لینا بھی جائز نہیں ہے۔

''مریض ومعالج کے اسلامی احکام'' میں ہے:

''ڈاکٹر اور کسی لیبارٹری کے درمیان یا طبیب اور دواوالے کے درمیان کمیشن کا معاملہ کہ ڈاکٹر وطبیب جتنے مریضوں کو اس لیبارٹری میں یا دواوالے کے پاس بھیجے گا اس پر فی مریض اتنا کمیشن وصول کرے گا یہ رشوت اور ناجائز وحرام ہے کیونکہ ڈاکٹر اپنے مشورہ کی فیس تو لیتا ہی ہے خواہ وہ دوا کی قیمت کے اندر ہی شامل ہو اور ضرورت ہو تو کسی اچھی لیبارٹری کا یا کسی اچھے دواوالے کا مشوہ دینا ڈاکٹر کے فرائض میں شامل ہوا''۔(۲)

سی ٹی سکین اور الٹراساؤنڈ والوں سے کمیشن لینا

مذکورہ اصول کے مطابق ڈاکٹر اور سی ٹی سکین اور الٹراساؤنڈ کرنے والوں کے درمیان بھی کمیشن کا معاملہ جائز نہیں ہے۔

الٹراساؤنڈ کے ذریعے معلوم کرنا کہ رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی؟

الٹراساؤنڈ کے ذریعے یہ معلوم کرنا کہ ماں کے رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی، فی نفسہ جائز ہے

(۱) کتاب الفتاوی(٦/٢٤٨)

(٢) مریض ومعالج کے اسلامی احکام(ص ٣٢٩)

البتہ اس پر یقین نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس کے ذریعے قطعی اور یقینی علم حاصل نہیں ہوتا، اس میں غلطی کا قوی امکان ہے۔

☆ الٹرا ساؤنڈ کے ذریعہ حمل کے مذکر یا مؤنث ہونے کی کیفیت معلوم کرنا اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے منافی نہیں ایک تو الٹرا ساؤنڈ وغیرہ کے ذریعہ تخمینہ اور اندازہ لگایا جاتا ہے یقینی علم صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، دوسرے یہ اندازہ اور تخمینہ بھی آلات و تجربات کے ذریعہ ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کو آلات کے بغیر علم حاصل ہوتا ہے، تیسرے اللہ کو قرار حمل سے پہلے معلوم ہوتا ہے کہ مذکر ہوگا یا مؤنث، بلکہ یہ فیصلہ خود اللہ تعالیٰ کرتے ہیں، آلات اور الٹرا ساؤنڈ کے ذریعہ یہ معلوم کرنا ممکن نہیں ہے اگر یہ علم غیب ہوتا تو قرار حمل سے پہلے حمل کے بارے میں معلوم ہو جاتا کہ مذکر ہے یا مونث۔

☆ مذکورہ حکم فی نفسہ ہے، بعض لوگ الٹرا ساؤنڈ کے ذریعہ حمل کے مذکر یا مؤنث ہونے کی کیفیت اس لئے معلوم کرتے ہیں کہ اگر لڑکا ہوگا تو خوش ہوں گے اور زچہ بچہ کی دیکھ بال زیادہ کریں گے، یہ غلط اقدام ہے اور سخت گناہ ہے، اس سے بچنا ضروری ہے لڑکا اور لڑکی اللہ کیطرف سے ہیں، لڑکا اللہ کی نعمت اور بیٹی رحمت ہے۔ لہذا ایک پر خوش ہونا اور ایک پر ناراض ہونا بہت غلط ہے۔

جنس معلوم کر کے لڑکی کے حمل کو ضائع کرنا

مذکورہ طریقہ کے مطابق الٹرا ساؤنڈ وغیرہ کے ذریعہ حمل کی جنس معلوم کرنے کی گنجائش ہے لیکن اگر معلوم ہو کہ لڑکا ہے تو حمل ضائع کرنا ہرگز جائز نہیں ہے جس کی وجوہ اگلے مسئلہ میں ملاحظہ ہوں۔

استحکام حمل سے پہلے جنس معلوم کر کے لڑکی کا علقہ ضائع کرنا

استحکام حمل سے پہلے جنسیاتی عمل تشخیص (PGD) کے دوران آئندہ پرورش پانے والے بچے کی جنس معلوم کی جاسکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر میاں بیوی چاہیں کہ ان کے ہاں

لڑکا پیدا ہو لڑکی پیدا نہ ہو اور وہ ڈاکٹر سے مطالبہ کریں کہ ٹیسٹ ٹیوب سے رحم میں صرف اس جنین کو منتقل کرے جو نر (Male) ہو، جو جنین مادہ (Female) ہو اسے ضائع کردے تو کیا ڈاکٹر کے لئے ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب یہ ہے کہ نہ میاں بیوی کا ایسا مطالبہ کرنا جائز ہے اور نہ ڈاکٹر کے لئے ایسا مطالبہ پورا کرنا جائز ہے، یہ ناجائز اور حرام ہے، اس کی وجوہ یہ ہیں:

۱)...... بارآوری اور علقہ بننے کا عمل بھی حمل ہی کا ہے، اور اس کو ضائع کرنا بھی حمل کو ضائع کرنے اور اسقاط کرنے کے مترادف ہے۔

۲)...... لڑکا والدین کے حق میں بہتر اور نافع ہے یا لڑکی؟ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس کو مؤنث بنانے کا فیصلہ کیا ہے تو اس میں حکمت ہے، بندوں کو اس میں مداخلت کرنا جائز نہیں ہے۔

۳)...... علاوہ ازیں لوگ قدرتی طور پر لڑکوں کو ترجیح دیتے ہیں، اگر لوگوں کی خواہش کے مطابق عمل کیا جانے لگا تو لڑکیاں لڑکوں کی بنسبت کم ہو جائیں گی اور اس صورت میں جو خرابیاں ہو سکتی ہیں ان کا کچھ علاج نہ ہوگا، اس کے برعکس اگر قدرتی طور پر لڑکیاں لڑکوں کی بنسبت زیادہ ہو جائیں تو تعدد ازواج (Polygamy) میں اس کا حل موجود ہے۔(۱)

مسلمان ڈاکٹر کا غیر مسلم کو نجس دواء کی تجویز دینا جائز ہے۔

مسلمان ڈاکٹر غیر مسلم مریض کو نجس ادویہ دے سکتا ہے یا نہیں اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ نجس ادویہ دو قسم کی ہوتی ہیں (۱) شراب (۲) شراب کے علاوہ نجس ادویہ، غیر مسلم کو عام نجس ادویہ استعمال کرنے کا مشورہ ایک شرط کے ساتھ جائز ہے وہ شرط یہ ہے کہ وہ چیز اس غیر مسلم مریض کے مذہب میں نجس اور حرام نہ ہو، مسلمان ڈاکٹر زبانی مشورہ دے یا لکھ کردے یا دواء اپنی طرف سے دے ہر صورت جائز ہے۔ اور شراب کا مشورہ دو شرطوں کیساتھ جائز ہے:

(۱) مذکورہ شرط یعنی اس مریض کے مذہب میں وہ حرام یا نجس نہ ہو۔

---

(۱) ماخذ: فقہ اسلامی، عائلی مسائل ص ۱۰۱، ۱۰۳)

(۲) مسلمان ڈاکٹر زبانی بتائے یا تحریر کر کے دے، خود اپنی طرف سے شراب نہ دے۔
فتاویٰ خلیلیہ میں ہے:
''مسلمان طبیب کا شرعاً نجس دواء غیر مسلم مریض کو استعمال کرانا جائز ہے بشرطیکہ وہ مریض اپنے مذہب کی رو سے نجس یا ناجائز نہ سمجھتا ہو اور بعد اطلاع اگر وہ مریض غیر مسلم باختیار خود استعمال کرے تو خواہ وہ اس کو نجس یا غیر نجس جو کچھ سمجھتا ہو ہر طرح سے جائز ہے اور شراب بھی اس حکم میں داخل ہے بشرطیکہ یہ طبیب محض زبانی بتلا دیتا ہے یا نسخہ لکھ دیتا ہے اور اگر دواء اپنے پاس سے دیتا ہے تو ایسی دواء نجس العین مثل خمر کے ہے تو ناجائز ہے''۔(۱)

غیر مسلم، مشرک یا کافر ڈاکٹر سے علاج:

علاج و معالجہ اور شفایاب ہونے کا تعلق تجربہ، مشاہدہ اور فن سے ہے لہٰذا اگر کوئی کافر اس فن میں ماہر ہو تو اس سے مسلمان کا علاج کرانا فی نفسہ جائز ہے اگر چہ مشرک ڈاکٹر اپنے معبود بتوں کی پرستش کر کے ان سے آنے والے مریضوں کی شفاء کی دعاء اور مدد مانگے البتہ جواز کی چند شرطیں ہیں:

۱)..... مسلمان یہ نہ سمجھے کہ اس کے معبود نے شفاء دی ہے، عقیدہ یہ ہو کہ شفاء صرف اللہ تعالیٰ دینے والے ہیں ڈاکٹر صرف ظاہری سبب ہے جیسا کہ دوائی علاج کی ظاہری سبب ہوتی ہے۔

۲)..... اگر ڈاکٹر غیر مسلم کے ہاتھ میں ظاہری شفاء ہے اور مریض تندرست ہو جاتے ہیں تو اسے باطل عقیدہ کے ثمرہ اور ڈاکٹر کو غیر اللہ کی پرستش کرنے کی وجہ سے مقبول و بزرگ نہ سمجھے۔

۳)..... اگر غیر مسلم ڈاکٹر نے ایسی دوا تجویز کر دی جو اسلام کی رو سے حرام اور نجس ہے تو اس کا استعمال عام حالات میں جائز نہ ہوگا، اس سے احتراز ضروری ہے۔(۲)

---

(۱) فتاویٰ خلیلیہ (ص ۲۹۹)

(۲) ماخذ فتاویٰ محمودیہ جدید (۱۸/ ۳۷۵)

" فيه اشارة إلى أن المريض يجوز له أن يستطب بالكافر في ماعدا إبطال العبادة"۔(۱)

غیر مسلم سے جڑی بوٹی کی تحقیق:

مذکورہ تفصیل کے مطابق کسی غیر مسلم سے جڑی بوٹی کی تصدیق وتحقیق کرنا بھی جائز ہے کیونکہ اس کی بنیاد معلومات وتجربات پر ہے جو غیر مسلم کو بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔(۲)

غیر مسلم سے سحر اور ناپاک عمل کرانا

غیر مسلم سے سحر اور ناپاک عمل کرانے کی دو صورتیں ہیں:

۱)...... کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے ابتداءً عمل کرنا یہ ناجائز اور حرام ہے، اگر شرکیہ طریقہ سے کیا جائے تو سلب ایمان کا خطرہ ہے۔

۲)...... کسی نے اس پر سحر، کالا جادو، ٹونہ یا ناپاک عمل کیا ہے اور وہ اس کا دفعیہ کرنا چاہتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ عام حالات میں ایسا عمل کروانا جائز نہیں خواہ مسلمان سے کرایا جائے یا غیر مسلم سے ہاں اگر سخت عمل ہوا ہے جس سے جان نکلنے یا کوئی عضو تلف ہونے کا خطرہ ہے اور جائز عمل سے افاقہ نہیں ہو رہا جیسا کہ بعض سفلی اعمال کا دفعیہ سفلی اعمال سے ہی ہوتا ہے تو ایسی صورت میں غیر مسلم سے عمل کرانے کی اجازت ہے بشرطیکہ غیر مسلم خود وہ شرکیہ عمل کرے مسلمان کو نہ کرنا پڑے نیز مسلمان اس کے شرکیہ عمل پر راضی نہ ہو۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

"جبکہ جان کو خطرہ ہے اور دوسرا جائز علاج کارگر نہیں ہوتا اور مریض کو کوئی نجس اور حرام چیز کھانی نہیں پڑتی اور نہ شرکیہ اور کفریہ کلمات زبان سے ادا کرنے پڑتے ہیں بلکہ غیر مسلم خود ہی اپنے عمل کے ذریعہ سحر کے مضر اثرات کو دفع کرتا ہے تو بوجہ مجبوری ایسا عمل

(۱) في ردالمحتار (۲/۴۳۳) كتاب الصوم،

(۲) ماخذہ: فتاویٰ محمودیہ جدید (۱۸/۳۷۶)

کرانے اور اجرت دینے کی گنجائش ہے"۔(۱)

ناکارہ جانوروں کو موت کا انجکشن لگانا

اگر کوئی جانور بیمار ہے خواہ حلال ہو یا حرام اس کا علاج معالجہ اور نگہبانی کرنا چاہئے۔ شریعت نے جانوروں کے بھی بڑے حقوق مقرر کئے ہیں، عام احوال و امراض میں اسے یونہی چھوڑ دینا کہ وہ مرجائے یا کسی انجکشن یا دواء کے ذریعہ جان سے مارنا جائز نہیں ہے البتہ بعض صورتوں میں اس کو ذبح کر دینا یا زہریلا انجکشن لگا کر مار دینے کی گنجائش ہے مثلاً:

۱)...... وہ لاعلاج سخت مرض میں مبتلا ہو، فی الحال درد والم برداشت کر رہا ہے اور آئندہ بھی اس کا صحت یاب ہونا مشکل ہے۔

۲)...... یا اگر شفایاب ہوسکتا ہے لیکن اس کا کوئی عضو تلف ہو چکا ہے، یا کسی ایسی کیفیت میں مبتلا ہے کہ تندرست ہو جانے کے باوجود سوائے بوجھ کے کسی کام کا نہ ہوگا۔

۳)...... یا اس مرض کی وجہ سے بدبو اور تعفن پھیل رہا ہے اور اہل محلّہ کے لئے گھن کا باعث ہے۔

۴)...... کتا پاگل ہو گیا ہے اور لوگوں کو کاٹتا ہے جس سے موت کا بھی شدید خطرہ رہتا ہے۔

"الحمار إذا مرض ولا ينتفع به فلا بأس بأن يذبح فيستراح منه"۔(۲)

دوران علاج ستر کھولنے کا ضابطہ

شرعاً بلاضرورت دوسرے کے سامنے ستر کھولنا جائز نہیں ہے، سخت گناہ ہے اسی طرح اگر کسی وجہ سے دوسرے کا ستر کھل جائے تو بلاضرورت اس کو دیکھنا بھی جائز نہیں ہے، خواہ موافق جنس کا ستر ہو یا مخالف جنس کا یعنی مرد نہ مرد کے سامنے ستر کھول سکتا ہے اور نہ عورت کے سامنے، اسی طرح عورت نہ عورت کے سامنے ستر کھول سکتی ہے اور نہ مرد کے سامنے۔ البتہ مخالف جنس کے

(۱) فتاوی رحیمیہ (۱۰/۱۶۸)

(۲) فی الهندية (٥/٣٦٦)

سامنے ستر کھولنا اپنی جنس کے سامنے ستر کھولنے سے زیادہ برا اور شنیع ہے، عام علاج معالجہ بھی اس حکم سے مستثنیٰ نہیں ہے، لہذا اگر مریض نے بلاضرورت ڈاکٹر کے سامنے ستر کھولا اور ڈاکٹر نے دیکھا تو دونوں سخت گنہگار ہوں گے تاہم اگر علاج معالجہ کے لئے ستر کھولنا واقعۃً ضروری ہو تو اس صورت میں بقدر ضرورت ستر کھولنے کی اجازت ہے اور اس میں بھی جہاں تک ممکن ہو ستر عورت کا خیال رکھا جائے اور کشف عورت کی اہون صورت اختیار کی جائے، اس ضابطہ کی رو سے ستر کھولنے کے کئی درجات بنتے ہیں:

۱)......اگر مسلمان اکسپرٹ لیڈی ڈاکٹر موجود ہو تو مسلمان مریض خاتون اس کے سامنے ستر کھولے۔

۲)......اگر ایسی مسلمان لیڈی ڈاکٹر موجود نہ ہو تو غیر مسلم خاتون ڈاکٹر کے سامنے ستر کھولے۔

۳)......اگر وہ بھی موجود نہ ہو تو مسلمان مرد ڈاکٹر کو ستر دکھائے۔

۴)......اگر وہ بھی موجود نہ ہو تو غیر مسلم مرد ڈاکٹر کے سامنے کشف ستر کی اجازت ہے۔

مذکورہ حکم مرد مریض کا بھی ہے یعنی سب سے پہلے مسلمان مرد ڈاکٹر سے علاج کرائے، اس کے بعد کافر مرد سے، اس کے بعد مسلمان خاتون سے، اس کے بعد غیر مسلم خاتون سے، البتہ ستر کھولنے کی چند شرائط ہیں:

۱......ستر کھولنے کی واقعی ضرورت ہو بلاضرورت کھولنا جائز نہیں ہے۔

۲...... بقدر ضرورت ستر کھولا جائے یعنی جس موضع ستر کا علاج کرنا ہے صرف وہ کھولا جائے، اس کے علاوہ نہیں اور اس کا بھی صرف وہ حصہ جس کا علاج کرنا ضروری ہے۔

۳......بوقت علاج ڈاکٹر اور طبیب بقدر استطاعت نگاہ نیچی رکھے۔

۴......موافق جنس موجود نہ ہو تو مخالف جنس کے سامنے ستر کھولنا جائز ہے اگر موافق جنس موجود ہو تو مرد کا عورت کے سامنے اور عورت کا مرد کے سامنے ستر کھولنا جائز نہیں۔

۵......اگر مریض خاتون کا علاج مرد ڈاکٹر سے کرایا جا رہا ہے تو ان کیساتھ عورت کے کسی محرم یا شوہر یا قابل اعتماد خاتون کی موجودگی ضروری ہے تاکہ خلوت کا اندیشہ نہ رہے۔

مددگار رکھنے کا حکم

مذکورہ تمام صورتوں میں ڈاکٹر کو اگر واقعۃً کسی انتہائی طبی ضرورت کے لئے مددگار کو شریک کرنا پڑے تو اس کی بھی گنجائش ہے البتہ مذکورہ شرائط کے ساتھ دو مزید شرائط کی رعایت بھی ضروری ہے۔

۱......شریک رکھنے کی واقعی ضرورت ہو۔

۲......شریک و مددگار پر واجب ہے کہ وہ اگر کوئی راز دیکھے تو اسے پوشیدہ رکھے، اسے افشاء نہ کرے۔

ستر کے بارے میں ہسپتال مالکوں کا فریضہ اور ذمہ داری

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی اسلامک فقہ اکیڈمی کے ایک فیصلے میں ہے:

''صحت اور ہسپتالوں کے ذمہ داران پر واجب ہے کہ مسلم ڈاکٹروں اور مسلم عورتوں کی شرمگاہوں کے ستر و حفاظت کے لئے ایسے ضوابط اور لائحہ عمل بنائیں کہ جن سے ستر و حفاظت کا مقصد پورا ہوتا ہو اور اخلاق مسلم کا احترام نہ کرنے والوں کو سزا دیں اور ایسا نظام ترتیب دیں کہ دوران علاج مناسب لباس فراہم کرکے قدر ضرورت سے زائد کشف عورت نہ ہو''۔

مجمع سفارش کرتا ہے کہ:

صحت کے ذمہ داران صحت سے متعلق سیاست میں تبدیلی کریں جو فکر، طریقہ کار، اور نفاذ تینوں میدانوں میں ہمارے دین حنیف اور اس کے بلند اعلیٰ اخلاقی اقدار سے ہم آہنگ ہوں اور وہ مسلمانوں سے حرج کو دور کرنے اور ان کی کرامت اور آبرو کی حفاظت پر اپنی پوری توجہ صرف کریں۔

ہر ہسپتال میں ایک شرعی رہنما مقرر کیا جائے جو مریض کی دینی ہدایت و رہنمائی کرے(۱)

(۱) عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل (ص۲۷۶، ۲۷۷)

ملازمت کے لئے اعضاء مستورہ کا معائنہ

اس زمانے میں بعض ملازمتوں کے لئے امیدوار کا مکمل جسمانی معائنہ کیا جاتا ہے اور ڈاکٹر اس کا تمام بدن ننگا کر کے دیکھتا ہے اور ہاتھ سے جس جگہ چاہے ٹٹولتا بھی ہے۔
شرعاً چونکہ ضرورت شدیدہ کے بغیر ستر کھولنا حرام ہے پھر اسے ٹٹولنا اور زیادہ شنیع ہے لہذا نجی اور سرکاری سطح پر ایسا قانون بنانے سے احتراز ضروری ہے۔ اور ڈاکٹر اور امیدوار کو بھی اس سے بچنا ضروری ہے اور اگر ایسا قانون واقعۃً ضروری ہو تو ہر امیدوار کے لئے اسے لازم قرار نہ دیا جائے بلکہ جس امیدوار کا قرائن سے کسی شدید مرض میں مبتلا ہونا ثابت ہو جائے صرف اس پر یہ معائنہ ضروری قرار دیا جائے۔

کفایت المفتی میں ہے:

''ستر کھولنا بلا ضرورت شدیدہ کے حرام ہے پس ڈاکٹری معائنہ جس میں ستر کھول کر دیکھنا پڑے بلکہ ہاتھ لگا کر دیکھے اس وقت تک جائز نہیں ہوگا جب تک قرائن سے ملازم کا کسی شدید مرض میں مبتلا ہونا ثابت نہ ہو جائے''۔(۱)

ڈاکٹر کی توجہ حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا

بعض اوقات کوئی مریض ہسپتال میں زیر علاج ہوتا ہے، مریض کے رشتہ دار ڈاکٹر یا کمپوڈر کی مراعات حاصل کرنے اور مریض کی دیکھ بھال کے لئے کوئی چیز یا روپے دیتے ہیں، شرعاً یہ جائز نہیں ہے، یہ رشوت ہے جو کہ حرام ہے، ڈاکٹر کی مراعات حاصل کرنے یا بے اعتنائی سے بچنے کے لئے اسے رشوت دینے سے اس کی عادت بگڑ جائے گی جس کے نتیجہ میں پوری قوم ظلم کا شکار ہوگی۔(۲)

---

(۱) کفایت المفتی (۹/۲٦۵) کتاب الحظر والاباحۃ

(۲) احسن الفتاوی (۸/۹۷) کتاب الحظر والاباحۃ

اثبات زنا کے لئے ڈاکٹری معائنہ

جب کوئی عورت کسی مرد پر جبراً اس کے ساتھ زنا کرنے کا الزام لگاتی ہے تو عدالت دونوں کو معائنہ کے لئے ڈاکٹر کے پاس بھیجتی ہے، اس معائنہ میں ڈاکٹر کو مرد و عورت کی ایک ایک چیز کو خصوصاً شرمگاہ کو اچھی طرح دیکھنا پڑتا ہے، شریعت کی رو سے اثبات زنا کا مذکورہ طریقہ معتبر نہیں ہے، لہذا عدالت کا ان کو ڈاکٹر کے پاس معائنہ کے لئے بھیجنا اور ڈاکٹر کا ان کی شرمگاہوں کا معائنہ کرنا جائز نہیں ہے حرام ہے۔

ڈاکٹر کے لئے شرمگاہ دیکھنے کی گنجائش صرف اس صورت میں ہے کہ موت یا تکلیف مالا یطاق میں مبتلا ہونے کا شدید خطرہ ہو۔(۱)

اسلام کا قانون شہادت وخبر اور ماہرین کی رپورٹیں

مروّجہ قوانین میں زخموں کی اقسام، ان کی گہرائی اور سبب موت کے بارے میں ایک ڈاکٹر کی رپورٹ کو قبول کیا جاتا ہے اور عدالت اس کے مطابق فیصلہ کرتی ہے، شریعت کی رو سے اس بارے میں کچھ تفصیل ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں (۱) شہادت (۲) خبر

(۱) شہادت اور اس کی تفصیل

شریعت کی رو سے شہادت کی چار اقسام ہیں:

۱)......شہادت علی الزنا: اس میں نصاب شہادت چار مرد ہیں یعنی اس کی دو شرائط ہیں:

(۱) چار گواہ ہوں لہٰذا کم کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

(۲) مرد ہوں لہٰذا عورت کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

---

(۱) احسن الفتاویٰ(۸/۲۲۵) کتاب الحظر والاباحۃ۔

۲)......زنا کے علاوہ بقیہ حدود و قصاص: اس میں نصاب شہادت دو مرد ہیں یعنی دو شرائط ہیں (۱) دو گواہ ہوں۔ (۲) مرد ہوں لہذا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی نہیں۔

۳)......ان مواقع اور مقامات کی شہادت جن پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے مثلاً (۱) ثبوت نسب و میراث اور نماز جنازہ کے لئے بچے کی ولادت و استہلال پر شہادت۔ (۲) خواتین کے پوشیدہ امور دعیوب مثلاً بکارت، ثیوبت، حیض، حمل، اسقاط، قرن، رتق وغیرہ پر شہادت، اس کا نصاب شہادت ایک عورت کی گواہی ہے بشرطیکہ وہ عاقل، بالغ اور آزاد ہو اور مرد کی شہادت قبول کرنے کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ:

۱......اگر وہ اس بارے میں گواہی دے اور کہے کہ میری نظر اچانک اتفاقاً پڑ گئی تھی تو اس کی گواہی بالاتفاق قبول ہوگی، کیونکہ اس نے تحمل شہادت کیا ہے اور فسق بھی صادر نہیں ہوا۔

۲......وہ کہتا ہے کہ میں نے قصداً مشاہدہ کیا ہوا تھا لیکن میرا مقصد تحمل شہادت اور احیاء حق تھا غلط نظر سے نہیں دیکھا، اس صورت میں اس کی گواہی قبول ہے یا نہیں۔ صاحب تکملہ رد المحتار، شارح المجلہ، صاحب معین الحکام، ہدایہ کے محشی علامہ لکھنوی اور ابن الہمام وغیرہ حضرات کا رجحان یہ ہے کہ اس صورت میں ثقہ مرد کی گواہی قبول ہے اور یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے۔

۳......اگر مرد کہے کہ میں نے قصداً دیکھا ہے اور مذکورہ غرض کی تصریح بھی نہیں کرتا تو اس کی گواہی مردود ہے کیونکہ عورت کا موضع ستر قصداً دیکھنے سے آدمی فاسق و فاجر ہو جاتا ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہے۔

۴)......مذکورہ بالا تین اقسام کے علاوہ باقی حقوق العباد، خواہ حقوق مالیہ ہوں، جیسے بیع و شراء، غصب وغیرہ یا غیر مالیہ ہوں جیسے طلاق، نکاح، وکالت، قتل خطاء اور ہر ایسا قتل جو موجب قصاص نہ ہو، ان حقوق میں نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہے، البتہ دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں:

۱......کسی تعلیم گاہ یا تربیت کے نابالغ بچوں کے حوادث سے متعلق شہادت ہو تو اس میں صرف ایک معلم کی شہادت کافی ہے کیونکہ وہاں زیادہ لوگ نہیں ہوتے۔

۲......زنانہ حمام میں قتل ہو جائے تو ثبوتِ دیت کی حد تک صرف دو عورتوں کی گواہی قبول

ہے کیونکہ وہاں مرد نہیں ہوتے، گویا ہر دو صورتیں ضرورت کیوجہ سے مستثنیٰ ہیں۔

شرعی حیثیت

مذکورہ اقسام میں سب سے پہلی دو قسموں کے ثبوت کے لئے صرف ایک ڈاکٹر کی شہادت کافی نہیں خواہ وہ عادل اور ثقہ ہو لہذا اس سے نہ کوئی حد ثابت ہوسکتی ہے نہ قصاص، قصاص خواہ جان کا ہو یا کسی عضو کا، اور تیسری قسم میں ایک ثقہ طبیبہ یا لیڈی ڈاکٹر، دایہ یا نرس یا کسی بھی ایک دیانت دار عورت کی شہادت کافی ہے اور طبیب اور ڈاکٹر کی گواہی دو صورتوں میں قبول ہے: (۱) وہ کہے کہ اچانک نظر پڑ گئی تھی۔ (۲) عمداً دیکھا ہو لیکن مقصد تحمل شہادت اور احیاء حق ہو۔ اور ظاہر ہے کہ طبیب اور ڈاکٹر عدالت کے حکم پر ان امور کا معائنہ احیاء حق کی غرض سے کرتا ہے لہذا ڈاکٹر اگر ثقہ اور عادل ہو یعنی کبائر سے اجتناب کرتا ہو اور صغائر پر اصرار نہ کرتا ہو تو اس کی شہادت قبول ہوگی۔

اور چوتھی قسم میں عام حالات میں صرف ایک ڈاکٹر یا طبیب کی شہادت کافی نہیں ہے البتہ فقہاء کرام نے اس سے دو صورتوں کا استثناء کیا ہے جن کی وجہ ضرورت ہے اور یہ دو صورتیں بھی حقوق العباد سے متعلق ہیں لہذا ان مثالوں پر انہی جیسی دوسری مثالوں کو قیاس کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، مثلاً یوں کہا جاسکتا ہے کہ جو حکم عورتوں کے حمام کا ہے وہی اس زچہ خانہ یا زنانہ ہسپتال یا زنانہ تعلیم گاہ کا ہوگا جس میں مردوں کا عمل دخل نہ ہو۔

خبر اور اس کی تفصیل

کوئی آدمی کسی چیز کے بارے میں خبر دے تو خبر قبول ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں یہ تفصیل ہے:

۱)..... معاملات میں ایک مخبر کی خبر قبول ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر اور خواہ مسلمان عادل ہو یا فاسق، خواہ مرد ہو یا عورت اور خواہ آزاد ہو یا غلام بشرطیکہ غالب ظن یہ ہو کہ وہ سچ بول رہا ہے

۲)..... دیانات محضہ میں ایک عادل مسلمان کی خبر قبول ہے، کافر یا فاسق کی قبول نہیں۔

۳)......قاضی شہادت یا اقرار پر فیصلہ کرتا ہے لیکن بعض اوقات اس کو فیصلے پر پہنچنے یا فیصلہ کی بعض تفصیلات طے کرنے کے لئے ایسی چیزوں کی تحقیق کرنا پڑتی ہے جن کی بنیاد ماہرین کے اقوال ور پورٹوں پر ہوتی ہے، ان میں بھی واحد عدل کی خبر کافی قرار دی گئی ہے، الاشباہ والنظائر، الدر المختار، ردالمختار، شرح المجلہ اور معین الحکام وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے، اشباہ میں ایسی بارہ اشیاء گنوائی گئی ہیں لیکن فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ اشیاء بارہ میں منحصر نہیں ان پر اضافہ ہوسکتا ہے اور بعض دوسری کتب میں اضافہ موجود بھی ہے، ان اشیاء میں جب واحد عدل کی خبر کافی ہے تو ان سب میں دیانت دار طبیب اور ڈاکٹر، جراح، اور سرجن کی رپورٹ بھی کافی ہوگی، البتہ جن اشیاء میں ڈاکٹر یا طبیب کی خبر اور رپورٹ کی ضرورت پڑتی ہے وہ چار ہیں:

۱......عیب: یعنی مشتری نے غلام یا باندی یا جانور خریدا ہے پھر اس میں عیب کا دعویٰ کردے اور بائع اور مشتری میں اختلاف پیدا ہو جائے اور اس کے ثبوت کے لئے طبی معائنے کی ضرورت ہو تو اس میں ایک عادل ڈاکٹر، لیڈی ڈاکٹر اور ماہر حیوانیات کی رپورٹ کافی ہے۔

۲......تقویم (قیمت کا تعین) کسی نے دوسرے آدمی کے جانور کا عضو ضائع کردیا یا جانور کو زخمی کردیا یا اس کے ضرب سے جانور بیمار ہوگیا تو مارنے والے پر قیمت وضمان ہے لیکن قیمت زخم کی گہرائی اور نوعیت کے اعتبار سے کم وبیش ہوسکتی ہے اور زخم کی گہرائی اور نوعیت کے بارے ایک عادل ڈاکٹر کی رپورٹ کافی ہے۔

۳......ارش: ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو زخمی کردیا تو اس کا ضمان وارش واجب ہے اور زخم کی نوعیت، مقدار اور گہرائی کے تعین میں ایک عادل ڈاکٹر کی رپورٹ کافی ہوگی۔

۴......موت: اگر کوئی ڈاکٹر یا طبیب کسی مریض کی موت کی خبر دیدے تو سننے والوں کیلئے اس خبر کو کافی سمجھا جائیگا اور انکو قاضی کے سامنے مرنے والے کی موت کی شہادت دینا جائز ہے۔

جسمانی عیوب وامراض کے بارے میں طبی رپورٹ کی شرعی حیثیت

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوگیا کہ خریدے ہوئے جانوروں، غلاموں اور باندیوں کے جسمانی عیوب وامراض کی تشخیص کے لئے ایک طبیب کی خبر کافی ہے اور چونکہ یہ خبر ہے لہٰذا اس

طبی رپورٹ سے صرف اتنا ثابت ہوگا کہ اس جانور وغیرہ میں فلاں جسمانی عیب یا مرض موجود ہے، رہا یہ سوال کہ عیب کی ذمہ داری بائع پر ہے یا مشتری پر؟ اس کا فیصلہ شہادت ہی سے ہوسکتا ہے، خلاصہ یہ کہ یہ خبر توجہ خصومت کے لئے معتبر ہے، الزام خصومت کے لئے نہیں۔

جرائم میں زخموں کے بارے میں طبی جائزہ کی عدالتی حیثیت

آج کل جرائم کے مقدمات میں کسی کو زخمی کرنے وغیرہ کا ارش و معاوضہ دلانے میں طبی و ڈاکٹری رپورٹ پر اکتفاء کیا جاتا ہے، گزشتہ تفصیل سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ شرعاً یہ جائز ہے اور اس کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ نتائج واحکام کے اعتبار سے زخموں اور جسمانی نقصانات کی بنیادی قسمیں تین ہیں:

۱)......وہ زخم یا جسمانی نقصان جس کا قصاص مجرم سے لیا جاتا ہے یعنی اس کے مماثل زخم یا جسمانی نقصان مجرم کو پہنچایا جاتا ہے۔

۲)......وہ زخم وغیرہ جس کا قصاص تو نہیں لیا جاسکتا مگر اس کے معاوضہ (ارش) میں مال کی کوئی خاص مقدار جو شریعت نے مقرر کر دی ہے زخمی کو مجرم کی طرف سے دلوائی جاتی ہے۔

۳)......وہ زخم وغیرہ جس کے معاوضہ (ارش) کی کوئی خاص مقدار شریعت نے مقرر نہیں کی بلکہ اس مقدار کا تعین واحد عدل سے کرا کے قاضی وہی مقدار زخمی کو دلوانے کا فیصلہ کرتا ہے۔

ان تینوں قسموں میں جہاں جہاں فقہاء کرام نے اس جسمانی نقصان کی نوعیت، کیفیت، مقدار اور زخموں کی گہرائی وغیرہ کی تشخیص کے لئے طبی معائنہ کی حاجت محسوس کی وہاں ایک قابل اعتماد طبیب کی رپورٹ کو حجت قرار دیا ہے، حتیٰ کہ جس جسمانی نقصان کے نتیجہ میں قصاص لازم ہوتا ہو اس کی تشخیص وتعیین میں بھی ایک طبیب کا قول تسلیم کیا گیا ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کے دانت کا کچھ حصہ عرضاً (چوڑائی) میں توڑ دیا ہو تو مجرم کا بھی اتنا ہی دانت چوڑائی میں ایک مخصوص آلے کے ذریعہ گھس دیا جائے گا جسے مبرد کہا جاتا ہے، اور یہ فیصلہ کہ مجرم نے دانت کا کتنا حصہ توڑا تھا ایک ماہر طبیب سے کرایا جائے گا، اور اس کا قول اس میں حجت ہوگا۔ (فتاویٰ انقرویہ، عالمگیریہ، شامی)

اور جب اعضاء انسانی کے قصاص میں ایک طبیب کی رپورٹ کافی سمجھی گئی ہے تو جن جسمانی نقصانات پر قصاص کی بجائے ارش (مالی تاوان) واجبؒ ہوتا ہے ان میں ایک طبیب کی رپورٹ بدرجہ اولیٰ کافی ہوگی۔(۱)

شہادت اور خبر میں فرق

شہادت اور خبر میں کئی فرق ہیں مثلاً:

۱)......شہادت میں علی حسب الدرجات شاہد کی کچھ شرائط ہیں مثلاً وہ مسلمان آزاد، عاقل اور بالغ ہو، بعض صورتوں میں مرد ہونا بھی شرط ہے، جبکہ مخبر میں ایسی کڑی شرائط نہیں ہیں۔

۲)......شہادت مجلس قضاء میں ضروری ہے اور خبر ہر جگہ درست ہے۔

۳)......شہادت میں شاہد کا لفظ شہادت بولنا ضروری ہے خبر میں ضروری نہیں ہے۔

۴)......شہادت میں الزام خصم ہوتا ہے اور خبر صرف توجہ خصومت کی حد تک معتبر ہے۔

خواتین کے لئے میڈیکل، حکمت اور طب کی تعلیم

شرعاً اصل ضابطہ یہ ہے کہ عورت عورت سے علاج کرائے خاص طور پر جب ستر کھولنا پڑے، اور یہ ضابطہ تب ہی لاگو ہو سکتا ہے کہ عورت طبیب اور ڈاکٹر ہو۔ لہذا خواتین کا فی نفسہ طب، حکمت اور میڈیکل سائنس کی تعلیم حاصل کرنا جائز ہے، حضرت عائشہؓ جہاں اپنے وقت کی بڑی فقیہہ تھیں وہاں طبیبہ بھی تھیں البتہ انہوں نے طب اپنے گھر میں رہتے ہوئے سیکھی تھی۔

عن هشام بن عروة عن ابيه قال:قلت لعائشةؓ قد اخذت السنن عن رسول الله ﷺ والشعر والعربية عن العرب،فعمن اخذت الطب؟ قالت:ان رسول الله ﷺ كان رجلاً مسقاما،وكان اطباء العرب يأتونه فاتعلم منهم۔(۲)

---

(۱) تلخیص از نوادر الفقه (۲/۲۵۶تا۲۷۸)

(۲) مستدرك الحاكم(۵/۱۲۱،۱۲۲)كتاب الطب رقم الحديث ۷۵۸۵ وقال الحاكم: هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه،وقال الذهبي في التلخيص:على شرط البخاري و مسلم ، عند الحاكم صحيح الاسناد۔

حضرت عروہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آپ نے شرعی مسائل واحکام نبی ﷺ سے اور شعر وعربیت اہل عرب سے سیکھی ہے تو طب کا علم کس سے سیکھا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ بہت کثرت سے بیمار ہوئے تھے اور عرب کے اطباء آپ کے علاج کے لئے آتے تھے میں نے علم طب ان سے سیکھا۔

فتاویٰ عثمانی میں ہے:

"خواتین اگر میڈیکل سائنس، حکمت یا ہوم اکنامکس کی تعلیم اس غرض سے حاصل کریں کہ ان علوم کو مشروع طریقے پر عورتوں کی خدمت کے لئے استعمال کریں گی تو ان علوم کی تحصیل میں بذاتہ کوئی حرمت وکراہت نہیں، بشرطیکہ ان علوم کی تحصیل میں اور تحصیل کے بعد ان کے استعمال میں پردے اور دیگر احکام شریعت کی پوری رعایت رکھی جائے، اگر کوئی خاتون ان تمام احکام کی رعایت رکھتے ہوئے یہ علوم حاصل کرے تو کوئی کراہت نہیں، لیکن چونکہ آج کل ان میں سے بیشتر علوم کی تحصیل اور استعمال میں احکام شریعت کی پابندی عنقاء جیسی ہے اسلئے اس کا عام مشورہ نہیں دیا جاسکتا" (۱)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

"عورتوں کیلئے طبی تعلیم کی صحیح صورت یہ ہے کہ مردوں سے علیحدہ انتظام ہو اور پڑھانے والی بھی خواتین ہوں، ممالک اسلامیہ میں مسلمان خواتین ڈاکٹروں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ لڑکیوں کے لئے میڈیکل کالجوں اور ہسپتالوں کا انتظام بسہولت کیا جاسکتا ہے"۔ (۲)

خواتین کا مخلوط تعلیمی اداروں میں میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنا

فتاویٰ عثمانی میں ہے:

"شریعت کا اصل حکم تو یہ ہے کہ نامحرم مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے پرہیز کیا

---

(۱) فتاویٰ عثمانی (۱/۱۴۳) کتاب العلم والتاریخ والطب

(۲) احسن الفتاویٰ (۸/۳٤) کتاب الحظر والاباحة

جائے، خاص طور پر ایسا مستقل مشغلہ اختیار کیا جائے جس میں نامحرم (مردوں اور خواتین) کے ساتھ مستقل میل جول ہو، بغیر ضرورت کے جائز نہیں، لہذا حکومت او رمسلم معاشرے کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ مخلوط تعلیم کے بجائے لڑکوں کیلئے الگ اور لڑکیوں کے لئے الگ تعلیمی ادارے قائم کریں، لیکن جب تک ایسا انتظام نہ ہوتو چونکہ میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنا ایک ضرورت ہے اور اس میدان میں متدین افراد کی کمی ہے جسے دور کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ متدین افراد میڈیکل کی تعلیم حاصل کریں، اس لئے اگر اس تعلیم کے حصول کا وہ راستہ نہ ہو جو اوپر بیان کیا گیا تو اس شرط کے ساتھ تعلیم کے حصول کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ حتی الامکان اپنے آپ کو بے پردہ نامحرم خواتین سے دور رکھیں اور جہاں کہیں ایسی خواتین کا سامنا ہو وہاں نگاہ نیچی رکھیں اور اپنی نگاہ اور دل کی حفاظت کریں۔

خواتین کے لئے بھی میڈیکل تعلیم کا حصول اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ وہ پردہ کا مکمل اہتمام کریں اور مردوں کے قریب نہ بیٹھیں، عورتوں کے لئے تعلیم کی غرض سے مردوں کو دیکھنے کی گنجائش ہے مگر یہ گنجائش بھی ضرورت کی حد تک ہی محدود رہنی چاہئے''۔(۱)

مسلم خاتون کا کلینک کھولنا اور شعبہ طبابت کرنا

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

سوال: ایک مسلم شادی شدہ خاتون ماشاء اللہ ایم بی بی ایس (MBBS) ہیں، تو فیر آمدنی کے علاوہ اچھا وقت گزارنے اور ساتھ مسلم خواتین کو علاج کی سہولت پہنچانے کے لئے خانگی دواخانہ قائم کرنا چاہتی ہیں لیکن لیڈی ڈاکٹر کے شوہر معترض ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام میں اس طرح کی اجازت نہیں ہے، اگر کوئی فتویٰ ملے تو میں اجازت دے دوں گا۔

(۱) فتاویٰ عثمانی (۱/۱۴۹)

جواب: مسلمان خاتون ڈاکٹر عورتوں کے علاج کی غرض سے دواء خانہ قائم کرے تو درست ہے بلکہ مناسب ہے۔ شریعت میں یہ بات مطلوب ہے کہ خواتین کا علاج خود خواتین کریں تاکہ مریض خواتین کو مردوں کے سامنے بے پردہ نہ ہونا پڑے اور ایسا اسی وقت ممکن ہے جب کہ خواتین طبیبہ موجود ہوں۔(۱)

لڑکیوں کا نرس بننا

خواتین کا نرسنگ کی تعلیم حاصل کرنا اور اس شعبہ کو باقاعدہ اختیار کرنا چند شرائط کے ساتھ فی نفسہ جائز ہے کیونکہ ہسپتالوں میں نرسوں کے خدمات حاصل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے خاص طور پر مریض خواتین کے دیکھ بھال کے لئے، کیونکہ ڈاکٹر ہر وقت مریض کے پاس نہیں ہوتا ،اگر اس غرض سے نرسنگ کی تعلیم حاصل کی جائے کہ ان علوم کو عورتوں کی خدمت کے لئے استعمال کریں گی تو اچھا ہے، وہ شرائط یہ ہیں:

۱)......خواتین کی تعلیم گاہیں سکول اور کالج صرف خواتین کے لئے مخصوص ہوں، مخلوط تعلیم نہ ہو اور نہ مردوں کا وہاں آنا جانا اور عمل دخل ہو۔

۲)......ان تعلیم گاہوں تک خواتین کے آنے جانے کا شرعی پردہ کے ساتھ ایسا محفوظ انتظام ہو کہ کسی مرحلہ پر بھی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

۳)......تعلیم و تربیت کے لئے نیک کردار اور پاک دامن خواتین استانیاں ہوں، اگر استانیاں نہیں مل سکیں تو مجبوراً نیک صالح اور قابل اعتماد مردوں کو متعین کیا جائے اور ان کی کڑی نگرانی کی جائے، چونکہ آج کل مذکورہ شرائط موجودہ تعلیمی نظام میں عام طور پر مفقود ہوتی ہیں لہٰذا نرسنگ کے شعبہ کو اختیار کرنا اور تعلیم مذکورہ بالا شرائط کے بغیر حاصل کرنے سے بچنا لازمی ہے۔

نرس کا مردوں کے وارڈ میں ملازمت کرنا

گزشتہ تفصیل سے واضح ہو گیا کہ نرسنگ کی تعلیم حاصل کرنا فی نفسہ جائز ہے اور اس کا صحیح

---

(۱) کتاب الفتاویٰ (۵/۴۰۰)

مصرف یہ ہے کہ نرس عورتوں کے وارڈ میں کام کرے، مردوں کے وارڈ میں مستقل ملازمت درست نہیں جیسا کہ عام رواج ہے۔

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

''معتدل اور عام حالات میں کسی عورت کے لئے اجنبی مرد کی تیمارداری جائز نہیں کہ اس سے فتنے کے اندیشے ہیں اور انہیں اندیشہ ہائے دور دراز نہیں سمجھنا چاہئے، بلکہ ہسپتالوں میں اس طرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں اس لئے اس بات کی تو گنجائش ہے کہ جو وارڈ خواتین کے لئے مخصوص ہوں ان میں خواتین نرس کا کام سرانجام دیں اور شرعی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے فرائض پورے کریں، مردوں کے وارڈ میں عورتوں کا بحیثیت نرس کام کرنا یا مرد ڈاکٹر کے ساتھ ان کی تنہائی یا ان کے ایسے لباس یا یونیفارم میں رہنا جو اسلامی حجاب کے تقاضا کو پورا نہ کرتے ہوں جائز نہیں...... غیر معمولی حالات جیسے اچانک کسی آفت سماوی کا آجانا جس سے بہت سے لوگ ہلاک ہوجائیں یا جنگی حالات کا معاملہ اس سے کسی قدر مختلف ہے، ایسے موقعہ پر اگر زخمیوں کی تیمارداری کے لئے مرد فراہم نہ ہوں تو خواتین بھی شرعی حدود کی ممکن حد تک رعایت کے ساتھ تیمارداری کرسکتی ہیں چنانچہ امام بخاریؒ نے ربیع بنت معوذؓ سے نقل کیا ہے کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے ساتھ (جنگ کے موقعہ پر) پانی لاتے تھے، زخمیوں کا علاج کرتے اور مقتولوں کو منتقل کرتے تھے، بخاری کے حاشیہ میں اس کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقعہ پر اجنبی عورت اجنبی مرد کا علاج کرسکتی ہے فيه جواز معالجة المرأة الأجنبية للرجل الأجنبي للضرورة لیکن جیسا کہ مذکور ہوا کہ خصوصی اور غیر معمولی حالات پر عام حالات کو قیاس نہیں کیا جاسکتا''۔(۱)

نرس کا نامحرم مردوں کو ٹیکہ لگانا اور دوائی پلانا

خاتون نرس کا نامحرم مریض کو دوا دینا یا انجکشن لگانا بلاضرورت جائز نہیں لیکن اگر شدید مجبوری

(۱) کتاب الفتاویٰ (۲۰۹/۶)

ہوتو شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ اس کی گنجائش ہے۔(۱)

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

مردوں کی مرہم پٹی اور تیمارداری کیلئے مردوں کو مقرر کیا جانا چاہئے، نامحرم عورتوں سے یہ خدمات لینا جائز نہیں۔

حکومت کو چاہئے کہ شعبہ نرسنگ کی طرح مردوں کے لے بھی ایسا شعبہ کھولے جس میں مرد حضرات تربیت حاصل کر کے مردوں کی تیمارداری اور مرہم پٹی کریں۔(۲)

عریاں تصاویر والی میڈیکل کی کتب کا حکم

ہمارے میڈیکل کالجوں اور دوسرے طبی اداروں میں سٹوڈنٹ کو جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں وہ عموماً دوسرے ممالک سے آتی ہیں اور ان میں طلبہ کو معائنہ اور مشاہدہ کرانے کیلئے عریاں تصاویر ہوتی ہیں، عریاں صرف وہ حصہ نہیں ہوتا جو دکھانا مقصود ہوتا ہے بلکہ پورے انسان کی ننگی تصاویر ہوتی ہیں، جن کا شرعاً بنانا اور دیکھنا حرام اور ناجائز ہے۔ اسلامی حکومتوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے یہاں میڈیکل اور طبی تعلیم کے لئے ایسا نصاب تیار کریں کہ جن میں عریاں تصاویر نہ ہوں، صرف وہ اعضاء الگ الگ درج ہوں جن کا معائنہ طب میں مہارت کیلئے واقعی ہونا ضروری ہے، تاہم جب تک اس کا انتظام نہیں ہوتا تو مروّجہ کتب سے اس قدر استفادہ کی اجازت ہے کہ غیر ضروری تصاویر کو مٹا دیا جائے اور جو اعضاء انسانی شہوت کو ابھارتے ہیں ان کو بھی مٹا دیا جائے یا ان کو چھپا دیا جائے اور صرف ضرورت کے وقت دیکھا جائے۔

فتاویٰ عثمانی میں ہے:

''جب کتاب کا اصل مقصود تعلیم ہے اور اس میں تصویریں ضمنی طور پر آئی ہیں تو ایسی کتاب کو اس شرط کے ساتھ رکھنا اور پڑھنا جائز ہے کہ تصویروں کے جن حصوں کی، تعلیم کے لئے ضرورت نہ ہو ان کو یا تو مٹا دیا جائے یا کسی کاغذ وغیرہ سے چھپا دیا

(۱) ماخذہ فتاوی دارالعلوم کراچی

(۲) آپ کے مسائل اور ان کا حل (۷۹/۸)

جائے۔ خاص طور پر ایسی تصویر جو شہوت کو برانگیختہ کرے اس کو اس طرح تبدیل کر دیا جائے کہ صرف وہ حصہ باقی رہے جو تعلیم کی غرض سے ضروری ہے، ضرورت کا تعین اس موضوع سے کیا جاسکتا ہے جس موضوع کی اس تصویر کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے“(۱)

مولانا برہان الدین سنبھلی لکھتے ہیں:

”عورتوں سے ایسے کام لینا جو ان کی صنفی وضع اور طبیعت نسوانی سے زیادہ مناسبت رکھتے ہوں، مخصوص صورتوں میں ان شرائط کی پابندی کے ساتھ جو اس صنف نازک کے لئے شریعت کی طرف سے لگائی گئی ہیں، (مثلاً مکمل پردہ کے ساتھ اور جن میں مردوں کی شان نہ پیدا ہو) اس شکل میں جائز ہوگا جب وہ کام فی نفسہ بھی جائز ہو اور اس کے لئے جائز وسائل بھی اختیار کئے جائیں......

بظاہر عورتوں کو نرسنگ کی تربیت دینے میں تو (ان پابندیوں کے ساتھ جن کا اوپر ذکر ہوا ہے) کوئی حرج نہیں لگتا لیکن نرسنگ کے عمل میں مشغولیت سے بعض اوقات ان کے فتنہ میں پڑ جانے کا خطرہ یقینی ہوتا ہے، اگر اس سے بچنے کا بندوبست بھی پختہ اور یقینی ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے کہ ان سے نرس کا کام لیا جاسکے۔“(۲)

ایمرجنسی کے وقت ستر کی ورید میں انجکشن لگانا

فتاویٰ عثمانی میں ہے:

”شعبہ حادثات یعنی ایمرجنسی وارڈ میں عموماً مریض آتے ہیں جن کی حالت نازک ہوتی ہے لہٰذا وہاں بعض اوقات ایک ایک مریض پر دو دو تین تین ڈاکٹر لگے ہوتے ہیں، بعض اوقات ڈاکٹر کم ہوں یا مریض زیادہ ہوں تو طالب علم کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ مریضوں کی جان بچانے کی کوشش کی جاسکے، اس حالت میں بوتل بھی لگائی جاتی ہے، بوتل لگانے کے لئے عام طور پر مریض کے بازو کی خون کی

(۱) فتاویٰ عثمانی (۱/۱۶۹-۱۷۰)

(۲) جدید مسائل کا شرعی حل (ص۱۳۹)

ورید پر سوئی لگائی جاتی ہے اگر وہاں نہ ملے تو جسم کے دوسرے حصوں پر ورید تلاش کی جاتی ہے، بعض اوقات سارے جسم میں کہیں نہیں ملتی اور جا کر شرم گاہ کیساتھ ران پر ملتی ہے، مریض، ڈاکٹر اور طالب علم، مرد و عورت میں کوئی بھی ہو سکتا ہے یہاں پر اگر مریض کی حالت زیادہ نازک ہو تو پردہ کا زیادہ خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ اس کی جان بچانے کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی ہے، ایسی حالت میں ڈاکٹر اور طالب علم (مرد و عورت) کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: جب جان بچانے کے لئے بوتل یا انجکشن لگانا ضروری ہو اور جسم کے ظاہری حصوں پر رگ نہ ملے تو ستر والے حصے میں رگ تلاش کرنے کی گنجائش ہے، اس میں ڈاکٹر اور طالب علم کے درمیان کوئی فرق نہیں تاہم اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ حتی الامکان مرد مریضوں کے ساتھ یہ عمل ڈاکٹر یا طلباء کریں اور خواتین کے ساتھ یہ عمل لیڈی ڈاکٹر یا طالبات کریں"۔(۱)

مخلوط میڈیکل کالج میں پڑھانے والے کی امامت

فتاویٰ عثمانی میں ہے:

سوال: ہمارے کالج، ہسپتال اور دارالاقامہ کے قریب کم وبیش چھ مساجد ہیں، ہمارے کالج میں ایک ڈاکٹر صاحب پڑھاتے ہیں، ڈاکٹر صاحب شکل وصورت، لباس کے لحاظ سے ماشاء اللہ دین دار ہیں، ماشاء اللہ حافظ قرآن بھی ہیں، آواز بھی اچھی ہے مگر مخلوط تعلیم میں پڑھاتے ہیں، حالانکہ اپنا کلینک بھی کھول سکتے ہیں، یہ صاحب ہسپتال کی لیبارٹری میں کام بھی کرتے ہیں، غالباً اپنی ذاتی لیبارٹری بھی ہے، ان امور کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے فرمائیں کہ:

۱......کیا مخلوط تعلیم میں پڑھانے کی وجہ سے یہ صاحب فاسق ہیں یا نہیں؟

۲......ان کی امامت میں فرض نماز کا کیا حکم ہے؟

(۱) فتاویٰ عثمانی (۱/۱٦٦)

۳......ان کی امامت میں تراویح کی نماز کا کیا حکم ہے؟ جبکہ قریب میں اور مساجد بھی ہیں۔

۴......اگر قریب اور مسجد نہ ہو تو ان کی امامت میں فرض نماز وتراویح کا کیا حکم ہے؟

جواب: محض مخلوط تعلیم میں پڑھانے کی وجہ سے ان صاحب کو فاسق نہیں کہا جاسکتا، عین ممکن ہے کہ وہ نگاہوں کی حفاظت کرتے ہوئے پڑھاتے ہوں، لہذا ان کی امامت میں نماز بھی جائز ہے، اگر قریب کوئی دوسری مسجد موجود ہے تو شبہ سے بچنے کے لئے اس مسجد میں چلے جائیں ورنہ ان کے پیچھے نماز پڑھیں۔(۱)

نیند آور گولیاں اور دوا استعمال کرنے کا حکم

نیند آور گولیوں اور دواء میں عموماً افیوں شامل ہوتی ہے اور چونکہ افیون کا استعمال دوائی کے طور پر بقدر ضرورت جائز ہے لہذا مذکورہ قسم کی نیند آور گولیاں اور ادویات بھی بوقت ضرورت استعمال کرنا جائز ہے بشرطیکہ ان سے نشہ پیدا نہ ہوتا ہو۔

کلوروفارم ایتھر (ETHER) اور بے ہوش کرنے والی دوسری ادویہ استعمال کرنے کا حکم

آج کل ہسپتالوں مین آپریشن وغیرہ کے موقعہ پر مریض کو بے ہوش کرنے والی ادویات دی جاتی ہیں، بعض اوقات مریض کو بے ہوش کردیا جاتا ہے اور بعض اوقات صرف متاثرہ عضو کو بے حس کردیا جاتا ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مریض کو کم سے کم تکلیف محسوس ہو، شرعاً یہ جائز مقصد ہے اور شریعت کی رو سے کسی بھی جائز مقصد کے لئے بے ہوش اور بے حس کردینے والی ادویہ کا استعمال جائز ہے۔

کفایت المفتی جدید میں ہے:

---

(۱) فتاویٰ عثمانی (۱/۱۶۸)

سوال: کلوروفارم کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کلوروفارم کے متعلق جناب ڈاکٹر صاحب سے پوچھا گیا کہ کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ مرکب چونا سے ہے اس میں نشی کوئی چیز نہیں فقط اعضاء کو بے حس کرتا ہے۔

جواب: کلوروفارم بے ہوش کرنے کے لئے استعمال کرنا ضرورتاً مباح ہے۔(۱)

تسہیل بہشتی زیور میں ہے:

''کلوروفارم وغیرہ سونگھا کر آپریشن کیلئے بیہوش کرنا درست ہے''۔(۲)

مرد کا عورتوں کے مخصوص علاج میں مہارت حاصل کرنا

عورتوں کے خصوصی امراض کے علاج کے سلسلے میں عورتوں کو ہی مہارت حاصل کرنی چاہئے، مردوں کیلئے GYNACOLOGIST بننا اور بطور خاص عورتوں کے خصوصی امراض کے علاج ومعالجہ کا طریقہ سیکھنا اور اس شعبہ سے وابستہ ہونا جائز نہیں، مردوں کو دوسرے امراض میں مہارت حاصل کرنی چاہئے، بطور خاص کا مطلب یہ ہے کہ صرف یہ طریقہ سیکھنا جائز نہیں، اگر مکمل طریقہ علاج سیکھ لے اور اس ضمن میں عورتوں کے مخصوص امراض کا علاج بھی سیکھ لے تو درست ہے۔ لیکن مستقل یہ شعبہ اختیار نہ کرے اگر کہیں واقعی اس کی ضرورت پیش آ گئی اور اس کے علاوہ کوئی صورت اور متبادل نہ ہو تو گنجائش ہوگی۔

میڈیکل طالب علم کا ولادت کا عمل دیکھنا

میڈیکل کالج کے طلبہ کو علاج معالجہ کا عملی طریقہ دکھایا اور سکھایا جاتا ہے، اس کے لئے طلبہ کو کورس کے آخری سال میں زچہ بچہ وارڈ میں بھیجا جاتا ہے اور وہاں ولادت کے تمام مراحل کا معائنہ کرایا جاتا ہے شرعاً یہ جائز نہیں ہے، گزشتہ مسئلہ میں اس کی تفصیل آ چکی ہے کہ ولادت ،ڈیلیوری اور اس سے متعلقہ امور لیڈی ڈاکٹر کو سیکھنا چاہئے۔

(۱) کفایت المفتی جدید(۱۵۱/۹) کتاب الحظر والاباحة

(۲) تسهیل بهشتی زیور(۲۹۸/۲)

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

"بچہ دانی کا کام خاص عورتوں کا کام ہے اگر معاملہ عورتوں کے قابو سے باہر ہو جائے تو شرائط بالا کے ساتھ مرد علاج کر سکتا ہے، ہمارے یہاں تہذیب جدید کے تسلط اور دینداری کی کمی کی وجہ سے ان امور کی رعایت نہیں کی جاتی اور بلا تکلف نوجوانوں کو زچگی کا عمل ہسپتالوں میں دکھایا جاتا ہے جو شرعاً قبیح ہے، اگر طالب علم کو اس پر مجبور کیا جائے تو اس کے سوا کیا مشورہ دیا جا سکتا ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے قلب اور نظر کو بچائے اور استغفار کرتا رہے"۔(۱)

مرد ڈاکٹر کے لئے عورت کا معائنہ

عام حالات میں مرد ڈاکٹر کا نامحرم خواتین کا چیک اپ اور معائنہ درست نہیں ہے، خواتین کو خواتین ڈاکٹرز سے علاج معالجہ اور معائنہ کرانا چاہئے، تاہم اگر شدید ضرورت ہو اور لیڈی ڈاکٹر میسر نہ ہو یا میسر ہو لیکن اس کا چیک اپ اور معائنہ اطمینان بخش نہ ہو تو ایسی صورت میں چند شرائط کے ساتھ مرد مریض عورت کا چیک اپ اور معائنہ کر سکتا ہے:

۱...... ڈاکٹر مریض خاتون کا صرف متاثرہ حصہ دیکھے، اس کا باقی جسم مکمل پردے میں ہو۔

۲...... ڈاکٹر اپنی نظر کو نامحرم مریضہ کے دوسرے اعضاء سے بچانے کی مکمل کوشش کرے۔

مرد ڈاکٹر کا بغرض علاج عورت کی شرمگاہ دیکھنا

اگر علاج کے لئے عورت کی شرم گاہ دیکھنا یا اس میں ہاتھ ڈالنا ضروری ہو تو اس کا اصل حکم تو یہ ہے کہ ایسا علاج لیڈی ڈاکٹر سے کرایا جائے، اگر وہ نہ ملے تو مرد ڈاکٹر کسی عورت کو طریقہ بتا دے خود علاج نہ کرے اور اگر اس طرح بھی ممکن نہ ہو اور مریضہ کی ہلاکت کا خدشہ یا ناقابل برداشت تکلیف کا خطرہ ہو تو خود ڈاکٹر کیلئے بھی مذکورہ شرائط کیساتھ علاج کی اجازت ہے۔(۲)

---

(۱) آپ کے مسائل اور ان کا حل(۸ /٥٤)

(۲) ماخذہ: احسن الفتاویٰ (٤٣/٨)

جعلی میڈیکل سرٹیفکیٹ یا میڈیکولیگل سرٹیفکیٹ کا حکم

آج کل سرکاری اور پرائیویٹ ملازمین کو میڈیکل سرٹیفکیٹ کی ضرورت پیش آتی ہے اور بعض اوقات غیر مستحق افراد جعلی سرٹیفکیٹ بنالیتے ہیں، ڈاکٹر کے لئے ایسا سرٹیفکیٹ بنانے کا حکم یہ ہے کہ اس کی دو صورتیں ہیں:

۱)...... بعض اوقات مطلوبہ خاص بیماری کا سرٹیفکیٹ مقصود ہوتا ہے مثلاً کہ بعض اداروں کا قانون ہے کہ اگر ان کا ملازم معذور ہوگیا یا اس قدر بیمار ہے کہ آئندہ مطلوبہ کام اس سے نہیں لیا جاسکتا تو ڈاکٹر کی تصدیق پر اس کو ملازمت سے ریٹائر کردیا جاتا ہے اور اس کو پنشن اور کچھ نقد بھی دیا جاتا ہے، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ جو ملازم واقعتہً ایسی بیماری میں مبتلا ہو، تو ڈاکٹر کا اس کا تصدیق نامہ اور سرٹیفکیٹ تیار کرنا درست اور جائز ہے، اور اگر اس میں مطلوبہ بیماری نہ ہو اور وہ غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے سرٹیفکیٹ بناتا ہے تو اس کا یہ فعل شرعاً قانوناً اور اخلاقاً جائز نہیں ہے، دھوکہ اور جھوٹ ہے ڈاکٹر کے لئے اس کو سرٹیفکیٹ جاری کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

۲)...... بعض اوقات مطلق بیماری کا سرٹیفکیٹ مطلوب ہوتا ہے، بیماری کا کوئی درجہ اور معیار مقرر نہیں ہوتا مثلاً چھٹی پر جانے کے لئے کسی بھی بیماری کا تحقق کافی ہے، اس صورت میں اصل حکم تو یہ ہے کہ اگر واقعی کوئی بیماری ہے تو سرٹیفکیٹ بنوا کر چھٹی کرے ورنہ نہ کرے، تاہم اگر سخت مجبوری ہو اور چھٹی نہ ملتی ہو تو اس وقت کسی بھی معمولی بیماری کا سرٹیفکیٹ بنوا کر چھٹی لی جاسکتی ہے کیونکہ آدمی عموماً کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہی ہے اور ڈاکٹر کے لئے بھی سرٹیفکیٹ بنانے کی گنجائش ہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

”آدمی کو کچھ نہ کچھ بیماری تو ہوتی ہی ہے اگر وقت ضرورت بیماری کا سرٹیفکیٹ لے لیا جائے تو یہ جھوٹ نہیں ہے، اس کی گنجائش ہے“۔(۱)

---

(۱) فتاویٰ محمودیہ (۱۸/۳۷۸)

قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ﴾ (۱)

میڈیکل بل کے لئے مقرر ڈاکٹر کا ملازم کا بل پاس کرنا

حکومت کی طرف سے بعض ملازمین کو میڈیکل سہولتیں مہیا ہیں اور تشخیص وتصدیق کے لئے ہر محکمہ کا ایک ڈاکٹر متعین ہوتا ہے، اگر وہ تصدیق کر دے تو سہولیات ملتی ہیں ورنہ نہیں، اگر کوئی ملازم واقعی مریض ہو اور قانون کے مطابق میڈیکل سہولیات لینے کا حقدار ہو تو ڈاکٹر کے لئے اس کی تصدیق وتشخیص جائز بلکہ ضروری ہے۔

اس میں بعض اوقات یہ صورت بھی پیش آتی ہے کہ ملازم کسی دوسرے ڈاکٹر سے تشخیص کرالیتا ہے پھر متعلقہ ڈاکٹر سے تصدیق کراتا ہے شرعاً اگر متعلقہ ڈاکٹر دوسرے ڈاکٹر کی تشخیص پر مطمئن ہو تو اس کا بل پاس کرنا اور تصدیق کرنا جائز ہے لیکن اگر اسے اس کی تشخیص پر اطمینان نہ ہو تو محض مروت کی بناء پر بل پاس کرنا اور اس کے ساتھ رعایت کرنا جائز نہیں ہے۔ (۲)

عیسایت، یہودیت، قادیانیت، آغا خانیت کی تبلیغ کرنے والے ڈاکٹر سے بائیکاٹ فرض ہے

بعض غیر مسلم ڈاکٹر نجی طور پر یا کسی تنظیم وجماعت کی سرپرستی میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں اور مختلف طریقوں سے آنے والے مسلمان مریضوں کو ورغلاتے ہیں، شرعاً ایسے ڈاکٹر سے خود بھی بائیکاٹ کرنا ضروری ہے اور دوسرے مسلمانوں کو آگاہ کر کے ان کا ایمان بچایا جائے۔

کفایت المفتی جدید میں ہے:

''اگر اس ڈاکٹر کا شفاخانہ بظاہر شفاخانہ ہے اور درحقیقت تبلیغ مسیحیت کا ذریعہ ہے تو مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس کا بائیکاٹ کریں اور عوام مسلمین کو وہاں جانے اور علاج کرانے سے باز رکھیں اور اس کے مبلغین کو گھروں میں نہ آنے دیں''۔ (۳)

---

(۱) الصافات: (۸۹) وانظر ایضاروح المعانی (۱۰۱/۲۳) واحکام القرآن للتھانوی (۵/٤)

(۲) ماخذہ: احسن الفتاویٰ (۱۹۹،۱۹۸/۸)

(۳) کفایت المفتی جدید (۱۵۳/۹) کتاب الحظر والاباحۃ

ایک مریض کی دوائی دوسرے مریض کو دینا

بعض ہسپتالوں میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ڈاکٹر حضرات مریضوں سے بچی ہوئی ادویات دوسرے مریضوں کو دے دیتے ہیں، پھر بعض مفت دیتے ہیں اور بعض قیمۃً فروخت کر کے رقم خود رکھ لیتے ہیں، شرعاً اسکا حکم یہ ہے کہ:

۱)......اگر وہ دوائی مریض کی ذاتی ہے جس کی متعدد صورتیں ہیں:

۱......مریض نے پیسوں کے عوض میڈیکل سٹور وغیرہ سے خریدی ہے۔

۲......اس متعلقہ ڈاکٹر سے خریدی ہے

۳......سرکاری ہسپتال سے اس کو ملکیۃً دی گئی تھی تو اس صورت میں ڈاکٹر کا مریض کی یا اس کے اولیاء کی اجازت کے بغیر دوسرے مریض کو مفت دینا یا قیمتاً فروخت کرنا جائز نہیں ہے، سب صورتوں میں ڈاکٹر پر بقیہ دوائی کی موجودہ قیمت کے حساب سے ضمان واجب ہے بعض ڈاکٹر یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ باقی ماندہ دوائی ویسے ضائع ہو جاتی ہے اگر دوسرے مریض کو دے دی تو اس کا بھلا ہو جائے گا، ٹھیک ہے جناب لیکن اس کا طریقہ یہ ہے کہ متعلقہ مالک کو اس کی ترغیب دی جائے اور اس کی اجازت سے دوسرے کو دی جائے۔

۲)......اگر دوائی مریض کی ذاتی ملکیت نہیں ہے مثلاً کسی رفاہی ادارے یا سرکاری ہسپتال میں مستحق کو اباحۃً دوائی دی جاتی ہے اور باقی ماندہ قابل استعمال دوائی واپس لی جاتی ہے تو اس صورت میں ڈاکٹر وہ دوائی دوسرے مریض کو دے سکتا ہے، لیکن فروخت نہیں کر سکتا الا یہ کہ وہ دوائی ڈاکٹر کی ذاتی ملکیت ہو۔

مسلمان ڈاکٹر کا غیر مسلم این جی او فلاحی ہسپتال میں ملازمت کرنا

مسلمان ڈاکٹر کے لئے غیر مسلموں کے ادارہ یا ملک میں ملازمت کرنے کا حکم یہ ہے کہ:

۱)......غیر مسلم ممالک میں ملازمت درست ہے خواہ وہ سرکاری ہو یا غیر سرکاری۔

۲)......غیر مسلم ادارہ یا این جی او میں ملازمت کے بارے میں تفصیل ہے کہ اس کی دو

صورتیں ہیں:

۱......اگر وہ این جی او محض فلاحی کام کرتا ہو، اپنے مذہب کی تبلیغ وترویج اور اسلام دشمنی میں ملوث نہیں ہے تو اس میں بھی ملازمت صحیح ہے۔

۲......اگر وہ این جی او فلاحی کاموں کی آڑ میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرتا ہے اور اسلام دشمنی میں سرگرم ہے تو اس میں ملازمت صحیح نہیں ہے، ایسے ادارے میں ملازمت کرنا غیرت ایمانی کے بھی خلاف ہے، اس طرح کے ادارے ہمارے یہاں دو قسم کے ہیں:

(۱) عیسائیوں کے این جی اوز

(۲) آغا خانیوں کا ادارہ آغا خان فاؤنڈیشن

ان لوگوں نے این جی او، فلاحی ہسپتال، ڈسپنسریاں، سکول اور کالج وغیرہ قائم کیے ہوئے ہیں، ان کو بیرونی ممالک سے فنڈ ملتے ہیں، بظاہر تو یہ فلاحی ادارے ہیں لیکن باطن میں ان کے مذموم عزائم ہیں، مسلمانوں کو مرتد بنا رہے ہیں، ملک وملت کے خلاف مختلف سازشیں کرتے ہیں، خاص طور پر آغا خان فاؤنڈیشن کی نظر شمالی علاقہ جات پر لگی ہوئی ہے، وہ وہاں آغا خانی سٹیٹ بنانا چاہتے ہیں۔ لہذا ایسے اداروں میں ملازمت کرنا صحیح نہیں ہے، اس سے احتراز ضروری ہے۔

این جی او کے ہسپتال سے علاج کرنا

مذکورہ این جی او کے فلاحی ہسپتالوں سے عام حالات میں علاج کرنا درست نہیں ہے ہاں اگر شدید مجبوری ہو مثلاً:

۱)......قریب میں دوسرا ہسپتال موجود نہیں ہے۔

۲)......یا موجود ہے لیکن اس میں اچھے ماہر ڈاکٹر نہیں ہیں۔

۳)......یا وہاں عورتوں کے ڈلیوری کیس مرد حضرات سنبھالتے ہیں، جبکہ عیسائیوں کے ہسپتالوں میں یہ کیس خواتین ڈاکٹرز حل کرتی ہیں جیسا کہ عموماً ہوتا ہے تو ان صورتوں میں این جی او ہسپتال میں علاج کرنا جائز ہے بشرطیکہ ان کے جال میں پھنسنے کا خطرہ نہ ہو۔

میڈیکل سٹور کھولنے کا لائسنس کرایہ پر لینا دینا

حکومت کی طرف سے ہر شخص کو میڈیکل سٹور کھولنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس کے لئے مقررہ کردہ حد تک تعلیم، تربیت اور کورس اور اس کا ڈپلومہ حاصل کرنا ضروری ہے تا کہ بقدر ضرورت ادویات کا تعارف اور پہچان ہو، جو حضرات مذکورہ ڈپلومہ حاصل کر لیتے ہیں حکومت کی طرف سے انہیں میڈیکل سٹور کھولنے اور چلانے کا اجازت نامہ، سند اور لائسنس مل جاتا ہے، اور یہ اجازت نامہ قانونًا اس شخص کے نام پر جاری ہوتا ہے اور قانونًا نا قابل انتقال ہوتا ہے لہذا اس کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اس کا کرایہ پر لینا اور دینا بھی جائز نہیں ہے۔ آج کل یہ صورت بکثرت پیش آتی ہے کہ جس نے لائسنس حاصل کیا ہے اس کے پاس مال نہیں ہوتا یا کسی اور وجہ سے میڈیکل سٹور نہیں کھول سکتا، دوسری طرف ایک شخص کے پاس مال ہوتا ہے اس نے میڈیکل سٹور کھولا ہوتا ہے لیکن اس کے پاس مطلوبہ لائسنس نہیں ہوتا، اس وجہ سے وہ دوسرے سے لائسنس کرایہ پر لے لیتا ہے اس صورت میں دونوں کا فعل خلافِ قانون اور غلط ہے، دونوں جائز قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے گناہ گار ہیں، فرق یہ ہے کہ میڈیکل سٹور کے مالک کی کمائی حلال ہے کیونکہ وہ اپنا ذاتی مال بیچ کر کماتا ہے اور لائسنس مالک جو کرایہ لیتا ہے وہ اس کے لئے حلال نہیں ہے کیونکہ یہ کرایہ نہ مال کا عوض ہے اور نہ عمل ومحنت کا، اس کی متبادل صورت یہ ہے کہ لائسنس دینے والا خود میڈیکل سٹور پر کچھ وقت حاضری دے دیا کرے اگرچہ قلیل مدت کے لئے ہو، مذکورہ صورت تب ہے کہ لائسنس کی خرید وفروخت اور کرایہ پر لینے دینے کی اجازت نہ ہو جیسا کہ عمومًا ایسا ہی ہے لیکن اگر اجازت ہو تو خرید وفروخت اور کرایہ پر لینے دینے کی شرعًا اجازت ہوگی۔

میڈیکل کمپنی کے ملازمین اور ڈاکٹر کے لئے کوٹ پتلون اور ٹائی لگانے کا حکم

کوٹ پتلون اور ٹائی صلحاء کا لباس نہیں ہے اور نہ ہی شریعت کے مقرر کردہ لباس کے اصول وشرائط کو پورا کرتے ہیں لہذا اس لباس سے بچنا ضروری ہے، اگر کسی میڈیکل کمپنی کی طرف

سے ملازمین کو اور حکومت یا کسی ادارہ کی طرف سے ڈاکٹر کو ٹائی اور پینٹ شرٹ پہننے پر مجبور کیا جاتا ہو تو ان کیلئے حکم یہ ہے کہ اگر ان کو دوسری جگہ ایسی ملازمت ملتی ہے جس میں یہ پابندی نہیں ہے تو وہاں ملازمت اختیار کریں اور اگر دوسری بہتر ملازمت نہیں ملتی تو یہی ملازمت کرنے کی گنجائش ہے اور یہی لباس پہنتا رہے البتہ دل میں اسے برا بھی سمجھتا رہے اور اپنے اس عمل پر استغفار بھی کرتا رہے۔

میڈیکل ریپ کے لئے سیمپل (Sample) والی دوا فروخت کرنا

ادویات بنانے والی مختلف کمپنیاں ہوتی ہیں، اور ہر کمپنی اپنی مصنوعات زیادہ سے زیادہ متعارف کرنے کی کوشش کرتی ہے، تعارف اور ادویات فروخت کرنے کی ایک عام صورت یہ ہے کہ کمپنی اپنے نمائندوں اور کارندوں کو ادویات کی سیمپل دیتی ہے اور ان کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ یہ سیمپل ڈاکٹر حضرات، باا‌ثر شخصیات، میڈیکل سٹور مالکان اور بڑے تاجروں کو ہدیہ کریں، چونکہ کمپنی نے کارندوں کو مخصوص افراد کو ہدیہ کرنے کی اجازت دی ہے لہذا نمائندوں اور کارندوں کا سیمپل والی ادویات خود استعمال کرنا یا اپنے دوست احباب کو ہدیہ کرنا جائز نہیں، اسی طرح نہ ان کو فروخت کر کے رقم خود رکھنا جائز ہے۔

میڈیکل سٹور والے کا فزیشن سیمپل فروخت کرنے کا حکم

اگر ادویات بنانے والی کمپنی نے فزیشن سیمپل (Physician sample) میڈیکل سٹور والوں کو مفت تقسیم کرنے کے لئے دئے ہیں تو کمپنی کی ہدایت کے مطابق ان کو مفت تقسیم کرنا ضروری ہے، میڈیکل سٹور مالک کا اسے فروخت کرنا اور کمائی کا ذریعہ بنانا جائز نہیں ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔

دوا کے نمونہ جات اور ہدایا کا حکم

☆ دواؤں کی کمپنیوں کی جانب سے نمونہ جات (SAMPLES) یا ہدیے ڈاکٹروں کو

دیئے جاتے ہیں، اسی طرح کمپنیوں کی طرف سے ڈاکٹروں کو ادویہ کے علاوہ بھی سہولیات دی جاتی ہیں مثلاً ایئر کنڈیشن لگوانا، گاڑی دینا، کلینک کی ریپئر کروانا، کلینک کا کرایہ ادا کرنا، طبی اور میڈیکل کانفرنسز کے لئے بیرون ملک بھیجنا، کیش کی صورت میں پیسے دینا، اسٹیشنری بنوانا، فائل، پیڈز، لفافے وغیرہ بنا کر دینا، فرنیچر اور اشیاء استعمال کی آفر اور پیش کش کرنا، کمپنی کا ان کو مختلف دعوتوں میں بلانا اور ڈاکٹر کا بمعہ فیملی وہاں شرکت کرنا حتی کہ ان کے آنے جانے کے اخراجات بھی کمپنی برداشت کرتی ہے۔ کمپنی کی طرف سے اتنی زیادہ مراعات دینے کا مقصد اپنی بنائی ہوئی ادویات اور دیگر مصنوعات کی تشہیر اور زیادہ سے زیادہ بکوا کر پیسہ کمانا ہوتا ہے، بعض ڈاکٹر یہ مراعات کمیشن ملنے کی وجہ سے مریض کے ساتھ خیر خواہی کی بجائے بدخواہی کا معاملہ کرتے ہیں، مثلاً معمولی مرض ہے دواء کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اسے خریدنے کا حکم دیتے ہیں، بعض اوقات کم ادویات کی ضرورت ہوتی ہے لیکن وہ زیادہ لکھتے ہیں، کبھی ایک کمپنی کی دوائی مفید اور سستی ہوتی ہے لیکن ڈاکٹر کو چونکہ دوسری کمپنی سے مراعات ملتی ہیں تو وہ اسی کمپنی کی دواء لکھ دیتا ہے، حالانکہ وہ مہنگی بھی ہوتی ہے اور زیادہ مفید بھی نہیں ہوتی، یہ بالکل ناجائز، حرام اور مریض کے ساتھ ناانصافی، ظلم، جھوٹ دھوکہ اور خیانت ہے اور کمپنی کی طرف سے ملنے والی مراعات، سہولیات اور تحفے تحائف رشوت اور حرام ہیں۔

فتاویٰ بینات میں ہے:

''طب اور ڈاکٹری ایک ایسا شعبہ ہے جس میں ڈاکٹر کا مریض کی مصلحت اور اس کی خیر خواہی کو مدنظر رکھنا شرعی واخلاقی فریضہ ہے، اسی بناء پر ڈاکٹر اور مریض کے معاملہ کی ہر وہ صورت جو مریض کی مصلحت اور فائدے کے خلاف ہو یا جس سے ڈاکٹر اپنے پیسے بنانے یا مریض کے ساتھ کسی قسم کی خیانت یا بددیانتی کا مرتکب ہو وہ درست نہیں۔ لہذا اگر ڈاکٹر محض اپنے مالی فائدے یا کسی قسم کی منفعت ہی کو ملحوظ رکھتا ہے تو یہ دیانت کے خلاف ہے جس کی وجہ سے ڈاکٹر گنہگار ہوگا،......ڈاکٹر حضرات کا کسی دواساز کمپنی کی طرف سے ملنے والے کمیشن، تحفے، تحائف اور دیگر مراعات کی بناء پر جان بوجھ کر مریض کی مصلحت کے خلاف صرف اور صرف کمپنی کی پروڈکٹ کی زیادہ سے زیادہ

فروخت کرنے کے لئے ضرورت نہ ہونے کے باوجود زیادہ مقدار میں ٹیبلٹ یا سیرپ کا تجویز کرنا، یا یہ جانتے ہوئے کہ دوسری کمپنی کی دوا اس مریض کے لئے زیادہ مفید ہے مگر پھر بھی اس خاص کمپنی کی دوا کا تجویز کرنا اور کمپنی کی طرف سے ملنے والے تحفے تحائف اور دیگر مراعات کا ڈاکٹر کے لئے لینا جائز نہیں، یہ سراسر رشوت ہے......
البتہ جو ڈاکٹر حضرات مریض کی مصلحت اور خیر خواہی کو مدنظر رکھتے ہوئے پوری دیانتداری کے ساتھ مریض کے لئے وہی دوا تجویز کرتے ہیں جو اس کے لئے مفید اور ضروری ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ کس کمپنی کی دواء ہے اور ایسا کرتے ہوئے ان کے ذہن میں کسی قسم کی مراعات کے حصول یا ذاتی منفعت کا لحاظ نہیں ہوتا، تو ایسی صورت میں دواساز کمپنیوں کی طرف سے ملنے والے تحفے تحائف یا مراعات ڈکٹر حضرات کے لئے لینا جائز ہے، یہ رشوت نہیں ہوگی"۔(۱)
لیکن کمیشن اس صورت میں بھی لینا جائز نہیں ہے۔

☆ وہ ڈاکٹر جو سرکاری ہسپتالوں میں کام کرتے ہیں، ان کو بھی کمپنیوں کے نمائندے (REPRESENTATIVES) دواؤں کے نمونہ جات ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے دیتے ہیں۔ سرکاری ملازم کی حیثیت سے نہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ ڈاکٹر ملازمت چھوڑ کر اپنا نجی مطب کھول لے تب بھی یہ نمائندے اس کے پاس آتے ہیں اور نمونہ جات وہدیے دیتے ہیں۔ البتہ کوئی ڈاکٹر سرکاری ملازمت میں ایسی حیثیت میں ہو کہ اس کو کمپنیوں سے دوائیں خریدنے کا اختیار ہو اور کمپنیوں کے نمائندے اس کو نمونہ جات دیتے ہوں تو یہ نمونہ جات سرکاری ملکیت ہوں گے اور ڈاکٹر کے ذمہ واجب ہوگا کہ وہ ان کو ہسپتال کے سٹور میں جمع کرائے اور جائز مصرف میں خرچ کرے، اس حیثیت میں جو ہدیے ملیں گے وہ بھی سرکاری ملکیت ہوں گے۔ ڈاکٹر کی ذاتی ملکیت شمار نہیں ہوں گے۔ ہدیے اگر ہسپتال کے استعمال میں آسکیں تو ٹھیک ہے ورنہ ان کو فروخت کرکے دوائیں یا ہسپتال کی ضرورت کی دیگر اشیاء خرید لی جائیں۔

---

(۱) فتاویٰ بینات(۷/۲۷۶)

تنبیہ:

۱...... مذکورہ اختیار والا سرکاری ڈاکٹر اگر علاج معالجہ کرتا ہو اور مریضوں کو نسخہ جات تجویز کرتا ہو تو اگرچہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس کو معالج کی حیثیت سے نمونہ جات و ہدیے دیئے گئے ہوں لیکن چونکہ کاروباری نقطہ نظر سے سرکاری اختیار کی حیثیت غالب ہو جاتی ہے اور احتیاط بھی اسی پہلو کو اختیار کرنے کا ہے لہذا ڈاکٹر کو ملنے والے تمام نمونہ جات و ہدایا خواہ ہسپتال میں دیئے گئے ہوں یا نجی مطب میں دیئے گئے ہوں سرکاری ملکیت شمار ہوں گے۔

۲...... کسی غیر سرکاری ادارے کے تحت چلنے والے ہسپتال میں ایسے با اختیار ڈاکٹر کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ: کمپنیاں ڈاکٹروں کو جو نمونے دیتی ہیں اس شرط کے ساتھ دیتی ہیں کہ ان کو فروخت نہیں کیا جائے گا، چونکہ کمپنیوں کا ہبہ مطلق نہیں ہوتا بلکہ اس غرض سے ہوتا ہے کہ ڈاکٹر ان کے نمونوں (SAMPLES) کو خود استعمال کر کے دوسروں کو استعمال کرا کر ان کے اثرات کا تجربہ و مشاہدہ کریں اور مفید پا کر مریضوں کو تجویز کریں، اور چونکہ یہ غرض اسی وقت پوری ہو سکتی ہے جب ڈاکٹر ان کو فروخت نہ کریں بلکہ ان کو خود استعمال کرائیں، لہذا کمپنی کی جانب سے یہ شرط فاسد نہیں ہے بلکہ غرض کے مناسب و ملائم ہے اور "المسلمون عند شروطهم" کے تحت اس شرط کی پابندی و پاسداری ضروری ہے۔

غرض شرط کی پابندی کرتے ہوئے ڈاکٹروں کے لئے جائز نہیں کہ وہ نمونہ جات کو فروخت کریں، لیکن اگر کوئی ان کو فروخت کر دے تو اصل ہبہ کے اعتبار سے بیع صحیح ہو جائے گی البتہ ڈاکٹر پر لازم ہوگا کہ وہ ان کی قیمت کو اپنے استعمال میں نہ لائے بلکہ اس رقم سے وہی دوا یا اگر وہ دوا اس کے دائرہ استعمال میں نہ آتی ہو تو کوئی اور دوا خرید کر لوگوں کو مفت استعمال کے لئے دے دے، اور اگر کسی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو تو اس رقم کو صدقہ کر دے۔

اگر ڈاکٹر نمونہ جات کو فروخت کر کے حاصل شدہ رقم اپنے استعمال میں لائے گا تو اگرچہ وہ رقم اور اس سے خرید کردہ شے ڈاکٹر کے حق میں حرام نہیں ہوتی لیکن شرط کے خلاف کرنے پر ڈاکٹر گناہگار ہوگا۔

تنبیہ: کسی کو یہ خیال ہو کہ تجربہ و مشاہدہ تو ایک دو مرتبہ کے استعمال سے ہو جاتا ہے جبکہ کمپنیوں والے نمونہ جات بار بار دے جاتے ہیں، لہذا بتکرار دینے میں کمپنی کی وہ غرض باقی نہیں رہتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کمپنی والے تکرار کیساتھ نمونہ (SAMPLE) کہہ کر اور لکھ کر دیتے ہیں۔اسی طرح شرط بھی لکھی ہوتی ہے اور دوا میں نمونہ (SAMPLE) سے غرض وہی ہوتی ہے جو اوپر مذکور ہوئی کیونکہ بار بار تجربہ و مشاہدہ کرنا بے فائدہ نہیں ہوتا بلکہ مفید ہی ہوتا ہے کیونکہ مختلف مریضوں میں ایک دوا کے مختلف مفید و مضر اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔لہذا غرض منتفی نہیں ہوتی بلکہ باقی رہتی ہے۔

مسئلہ: آج کل نمونہ جات (SAMPLES) میں رشوت کا عنصر بھی شامل ہوتا جارہا ہے۔کمپنیاں زیاہ ہونے کی وجہ سے ان کے مابین مقابلہ بھی زیادہ ہو گیا ہے اور کمپنی کے نمائندے اپنی ملازمت کو مستقل کرنے کی خاطر یا مزید ترقی کی خاطر ان ڈاکٹروں کو زیادہ نمونہ جات دیتے ہیں جو ان کی کمپنی کی مصنوعات زیادہ لکھتے ہیں۔یا زیادہ لکھنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔اس وجہ سے ڈاکٹروں پر لازم ہے کہ وہ کمپنیوں سے نمونہ جات اور ہدیے لینے میں استغناء اختیار کریں اور کمپنی کے نمائندوں کی خاطر ضابطہ اخلاق و قانون شریعت کو نہ توڑیں۔

مسئلہ: کمپنی کے نمائندوں کی خاطر یا ان سے مزید نمونہ جات (SAMPLES) یا دیگر ہدایا اور مفادات حاصل کرنے کی خاطر بلا ضرورت دوائیں تجویز کرنا یا کم استطاعت والے مریضوں کو متبادل مؤثر اور سستی ادویہ کے ہوتے ہوئے مہنگی ادویہ تجویز کرنا ظلم و خیانت ہے اور ناجائز ہے۔

مسئلہ: نمونہ (SAMPLE) کی دوائیں اگر کسی میڈیکل سٹور پر فروخت ہو رہی ہوں تو بہتر ہے کہ ان کو نہ خریدا جائے، اگر خرید ہی لیا تو دوا حلال ہوگی لیکن کراہت تنزیہی کے ساتھ، یہ حکم اس وقت ہے جب معلوم نہ ہو کہ سٹور میں دوا کس ذریعہ سے آئی۔

البتہ اگر معلوم ہو کہ کمپنی کے نمائندے نے مال چوری کر کے سٹور کر دیا یا ڈاکٹروں میں تقسیم کرنے کی بجائے سٹور کو فروخت کر دیا ہے تو چونکہ وہ غصب اور چوری کا مال ہے لہذا اس کو خریدنا

ناجائز ہے۔

دواؤں کی کمپنیوں کی زیر سرپرستی طبی کانفرنسیں

کمپنیاں ازخود یا ڈاکٹروں کی تحریک ودرخواست پر طبی کانفرنسیں کرواتی ہیں، یہ کانفرنسیں چھوٹے بڑے پیمانے پر ہوتی ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ کانفرنس کا کل خرچہ صرف ایک یاایک سے زائد کمپنیاں برداشت کرتی ہیں۔اس میں شرکائے کانفرنس کے اعلیٰ ہوٹل میں قیام و طعام کا خرچ اور بعض خصوصی شرکاءاور مہمانوں کے سفری اخراجات بھی شامل ہوتے ہیں۔

مسئلہ: کمپنی ازخود اپنی تحریک پر ایسی کوئی کانفرنس کرے تو بظاہر کوئی حرج نہیں ہے لیکن چونکہ اس سے کمپنی کا مقصود اپنی مصنوعات کی ترویج ہوتی ہے اور ترویج کا ذریعہ ڈاکٹر ہوتے ہیں لہذا ڈاکٹر کا ایسی کسی پیشکش سے فائدہ اٹھانا جس سے وہ کسی بھی حد تک کمپنی کی مصنوعات کی ترویج کا پابند ہوجائے یا اپنے آپ کو پابند محسوس کرے، ناجائز اور رشوت ہے، اس میں اعلیٰ ہوٹل میں قیام وطعام بھی شامل ہے اور سفری خرچ بھی۔

مسئلہ: جب خود ڈاکٹروں کی درخواست ومطالبہ پر کوئی کمپنی کسی طبی کانفرنس کی سرپرستی کرے تو اس صورت میں ڈاکٹروں کو بہت زیادہ احتیاط اور استغناء کی ضرورت ہے۔کوئی ایسا فائدہ اٹھانا خواہ وہ سفری ٹکٹ کا ہو یا ہوٹل میں قیام وطعام کا ہو جس کے بعد ڈاکٹر کمپنی کے کسی درجہ میں پابند ہوجائیں یا پابندی محسوس کریں ناجائز ہے۔

مسئلہ: خاص کانفرنس کا انتظام اور مجبوری ہو تو کسی خاص ناگزیر مہمان کو باہر سے بلانا ہو تو یہ کمپنی کے سپرد کیا جاسکتا ہے۔البتہ منتظمین ڈاکٹر اور شرکاء کے قیام وطعام اور سفری اخراجات خود ان کے اپنے ذمہ ہوں۔کمپنی طعام واخراجات سفر خود برداشت کرنے سے ڈاکٹر کمپنی کے پابند بھی نہیں رہیں گے۔

مسئلہ: مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں ضروری ہے کہ اسراف وتبذیر سے بچا جائے اور مادی آسائشوں کی بجائے علمی معیار کو ترجیح دی جائے۔(۱)

---

(۱) ماخوذ از مریض و معالج کے اسلامی احکام (ص ۳۱۴-۳۱۸)

جعلی ڈگری لگا کر ڈاکٹر کی پریکٹس کرنا

اگر کوئی شخص ڈاکٹر کی ڈگری نہیں رکھتا اور وہ ڈاکٹری کا بورڈ اور جعلی ڈگری لگا کر پریکٹس کرتا ہے تو وہ قانونی، اخلاقی اور معاشرتی مجرم ہونے کے ساتھ ساتھ شرعاً بھی سخت گنہگار ہے اور اس کی آمدنی بھی ناجائز ہے اور اگر کوئی اس کی دی ہوئی غلط دوائی سے مر گیا تو اس پر تاوان ہے۔(۱)

سرکاری ونجی طبی امداد کا غلط استعمال

آج کل بہت سے سرکاری اور نجی پرائیویٹ اداروں کی طرف سے ملازمین کو دوسری سہولیات کے ساتھ طبی سہولیات بھی مفت دی جاتی ہیں لیکن اس کی مختلف شرائط ہوتی ہیں مثلاً:

۱)......ملازم واقعی بیمار ہو۔

۲)......زیادہ سے زیادہ فلاں حد تک سہولت مل سکتی ہے اس سے زیادہ نہیں۔

۳)......بعض رشتہ دار کا علاج کیا جا سکتا ہے اور بعض کا نہیں۔

۴)...... بیماری کے ثبوت کیلئے کسی مستند ڈاکٹر کی تصدیق ضروری ہوتی ہے وغیرہ۔ لیکن عموماً مشاہدہ یہ ہے کہ ملازمین ان سہولتوں کو غلط استعمال کرتے ہیں۔ غلط بیانی کر کے اپنے کو بیمار بتاتے ہیں بعض اوقات کسی ڈاکٹر سے ساز باز کر کے تصدیق لکھوا لیتے ہیں۔ اور ڈاکٹر کو سکیم میں شامل کر کے بہت سی ادویات وصول کر لیتے ہیں پھر ان ادویات کو میڈیکل سٹور والوں کے ہاتھ سستے داموں فروخت کر دیتے ہیں، یہ حرکت شرعاً قانوناً واخلاقاً اور معاشرۃً بہت قبیح اور سخت برا فعل ہے، یہ ساز بازی متعدد گناہوں کا مجموعہ ہوتا ہے، مثلاً: (۱) جھوٹ اور جعلسازی (۲) ادارہ کو دھوکہ اور فریب دینا (۳) ڈاکٹر کو رشوت دے کر اسے گناہ میں ملوث کرنا (۴) ادارے کا ناحق مال کھانا۔ لہٰذا ایسی ادویات سے حاصل کی گئی رقم ناجائز اور حرام ہے۔(۲)

---

(۱) ماخذ۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل (۲۷۶/۸)

(۲) ماخذہ: آپ کے مسائل اور ان کا حل (۸/ ۱۵۱-۱۵۲)

بچی ہوئی سرکاری ادویہ کا حکم

بعض سرکاری اور پرائیویٹ ملازمین کو محکمہ مال کی طرف سے میڈیکل کی سہولت ملتی ہے بعض اوقات دی گئی ادویات میں سے بڑی مقدار بچ جاتی ہے بعض لوگ بچی ہوئی ادویات فروخت کر دیتے ہیں یا ان کے بدلے کیمسٹ سے دوسری اشیاء خرید لیتے ہیں ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔ بچی ہوئی ادویات متعلقہ محکمہ کو واپس کرنا ضروری ہے۔ اور اگر ایسا کرنا مشکل ہے تو ضرورت مند محتاجوں یا کسی خیراتی شفاخانے میں بھیج دینی چاہئے۔(۱)

☆ مذکورہ حکم اس وقت ہے جبکہ محکمہ نے ادویہ بطور اباحت دی ہوں لیکن اگر مالک بنا کر دی ہوں تو پھر ان کو واپس کرنا ضروری نہیں ہے، ان کو بیچنا یا ان کا تبادلہ کرنا بھی جائز ہے۔

(۱) آپ کے مسائل اور ان کا حل (۲۰۱/۶)

(۸)

ڈاکٹر اور طبیب کے چند فرائض

عیوب اور جرم کے بارے میں صحیح خبر دینا

۱)......اگر کسی شخص کے رشتہ نکاح کی بات چل رہی ہے اور وہ کسی مرض یا عیب میں مبتلا ہے جس پر مطلع ہونے کے بعد مطلوبہ عورت اس سے نکاح کرنے پر راضی نہ ہوگی۔ ڈاکٹر کو اپنے مریض کے مرض یا عیب کا علم ہے اس صورت میں اگر عورت یا اس کا ولی ڈاکٹر سے ملاقات کر کے مرض یا عیب کے بارے میں رشتہ نکاح کے حوالے سے مریض کی صحیح صورت حال معلوم کرنے جائیں تو ڈاکٹر کے لئے ضروری ہے کہ صحیح صورت حال کی خبر دے دے لیکن ڈاکٹر سے اگر اس بارے میں عورت یا اس کے اولیاء نے رابطہ نہیں کیا تو اس کی یہ ذمہ داری نہیں کہ عورت یا اس کے اولیاء کو اس مرض یا عیب کی اطلاع دے۔

۲)......ڈرائیور کی بینائی کے متاثر ہونے کی صورت میں ڈاکٹر پر ضروری ہے کہ وہ متعلقہ محکمہ کو ان کے مطالبہ پر باخبر کرے اسی طرح ہوائی جہاز کا پائلٹ یا ٹرین اور بس کا ڈرائیور اگر نشہ کا عادی ہو اور اس سے مسافروں کو خطرہ لاحق ہو یا قانونًا ایسا شخص ڈرائیونگ کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو ڈاکٹر پر متعلقہ محکمہ کو اس بارے میں آگاہ کرنا ضروری ہے۔

۳)......اگر ڈاکٹر کو اپنے مریض کے جرم کی اطلاع ہو اور جرم میں کوئی بے گناہ شخص ماخوذ ہو رہا ہو تو اس بے گناہ شخص کی براءت کے لئے ڈاکٹر پر حقیقت حال کا اظہار ضروری ہے اس موقعہ پر رازداری سے کام لینا اس کے لئے جائز نہیں ہے۔(۱)

اہم فقہی فیصلے (ص ۸۴،۸۵)

غیر طبیب کو دوائیں بیچنے کا حکم

جو شخص با قاعدہ طبیب و ڈاکٹر نہ ہو تو اگر وہ کسی مستند طبیب و ڈاکٹر کی تجویز پر کسی مریض کو دوائی فروخت کرے تو یہ جائز ہے۔ جیسا کہ میڈیکل سٹور والے ایسا کرتے ہیں۔ اس طرح اگر وہ اپنے آپ کو ڈاکٹر ظاہر نہ کرے اور کوئی دوائی فروخت کرے تو شرعاً یہ بھی جائز ہے لیکن ایسے شخص کا اپنے آپ کو ڈاکٹر ظاہر کر کے تشخیص مرض کے بغیر ادویہ فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:

سوال: باوجود حکیم و طبیب باقاعدہ نہ ہونے کے اور باوجود تشخیص مرض وغیرہ کر کے علاج نہ کرنے کے کتب طب سے ادویہ مرکبہ و کشتہ جات کے نسخے دیکھ کر ان کا تیار کرنا اور انکے اوصاف و اثرات کا اشتہار دے کر ان کی تجارت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: نفع مشروط کو غیر مشروط بنانا حرام ہے اس لئے یہ تجارت ناجائز ہے۔ (۱)

دوسرے کے ڈپلومہ پر میڈیکل سٹور چلانا

قانون کی رو سے ہر شخص میڈیکل سٹور کھولنے کا مجاز نہیں، اس کے لئے ایک حد تک ادویات کی پہچان اور مطلوبہ استعداد و صلاحیت ضروری ہے، اس کا باقاعدہ کورس ہوتا ہے اور جو حضرات کورس کر لیتے ہیں ان کو ڈپلومہ ملتا ہے۔ بعض لوگوں کے پاس ڈپلومہ نہیں ہوتا لیکن وہ کسی اور سے ڈپلومہ کے میڈیکل سٹور کھولتے یا اس میں ملازمت کرتے ہیں۔ شرعاً مذکورہ قانون درست اور صحیح ہے لہذا اس کی پابندی ضروری ہے، جس میں مطلوبہ استعداد نہ ہو اس کا دوسرے سے ڈپلومہ، لائسنس یا اجازت نامہ لے کر ملازمت کرنا یا میڈیکل سٹور کھولنا جائز نہیں، یہ دھوکہ، خیانت اور جھوٹ ہے، بعض جگہ ڈپلومہ ہولڈر کو اس کی فیس یا ماہانہ معاوضہ دیا جاتا ہے، یہ اس کے لئے حرام ہے۔

---

(۱) امداد الفتاوی (۱۱٦/۳) کتاب بیوع

جانوروں پر ادویات کا تجربہ کرنا

آج کل طب اور میڈیکل کے میدان میں جانوروں پر مختلف قسم کے تجربات و مشاہدات کیئے جاتے ہیں مثلاً:

۱)......نئی دواؤں کے جسم و بدن پر پڑنے والے اثرات کا پتہ چلانے کے لئے، انسان میں استعمال کرنے سے پہلے جانوروں کے جسم پر تجربہ کیا جاتا ہے۔ جانوروں کے جسم پر ان نئی دواؤں کے تجربے سے اس کے مفید اثرات کا پتہ چلایا جاتا ہے مثلاً T.B کے جراثیم کسی جانور کے جسم میں داخل کرتے ہیں جب وہ جراثیم اندر جا کر T.B پیدا کر دیتے ہیں تو پھر ایسی دوائیں دی جاتی ہیں جو T.B کو زائل کرتی ہیں۔ اس کے بعد اس جانور کا CLINICALLY جائزہ لے کر پتہ چلایا جاتا ہے کہ دواؤں کا کیا اثر رہا؟ یہ بھی ممکن ہے کہ اس جانور کو مار دینا پڑے اور اس کے اعضاء کو مائکرواسکوپ کے ذریعے جانچا جا سکے۔

۲)......بعض چیزیں وائرس یا بیکٹر یا یا بعض امراض کا سبب بنتی ہیں مثلاً ایک کیمیاء عنصر CARCINOGEN جس سے کینسر پیدا ہوتا ہے یا اسکے پیدا ہونے کا شبہ ہو تو کسی جانور کے جسم مین داخل کیا جاتا ہے اس کے بعد اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

۳)......ایسا بیکٹر یا جس سے منیجائٹس پیدا ہونے کا شبہ ہو جانور کے جسم میں داخل کیا جاتا ہے دونوں ہی صورتوں میں جانور کو مار کر اس کے ٹکڑے کیئے جاتے ہیں تا کہ نتائج کا علم ہو سکے۔

۴)......بعض اجزاء یا ادویات کو حیوانی جسم میں اس لئے داخل کیا جاتا ہے تا کہ قلبی کیفیات پر پڑنے والے اثرات کا علم ہو سکے، ان اثرات کو جاننے کیلئے مشاہدہ یا مشینی تعاون سے کام لیا جاتا ہے۔

۵)......جانوروں کو سخت سردی میں مبتلا کیا جاتا ہے پھر ان پر دوائیں استعمال کر کے ان کے اثر کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

اگر مذکورہ طریقہ سے نئی ادویہ کا استعمال براہ راست انسان پر کیا جائے تو اس سے سخت نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے اس مقصد کے لئے جانوروں کو استعمال میں لایا جاتا ہے اس

سے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ ان دواؤں کا انسان کے جسم پر کیا اثر پڑ سکتا ہے اور اس طریقہ سے انسانی جسم کی بہتر انداز سے خدمت ہو سکتی ہے۔

شرعاً جانوروں کے جسم پر مذکورہ تجربات کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر جانور کے مرنے کے بعد تجربہ کیا جائے تو یہ بلا شبہ جائز ہے اور زندہ جانور پر بھی جائز ہے لیکن صرف اس حد تک کہ اس سے جانور کو غیر معمولی تکلیف نہ پہنچے یا تکلیف تو پہنچ رہی ہے لیکن جلد ختم ہو جائے، اور جانوروں پر مذکورہ تجربات اس لئے جائز ہیں کہ جانور انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، انسان جانوروں کو ذبح کر کے گوشت کھا سکتا ہے تو ان پر تجربات بھی کر سکتا ہے۔(۱)

خنزیر پر تجربہ کرنا

خنزیر چونکہ نجس العین ہے لہذا مسلمان اطباء اور ڈاکٹرز کے لئے اس پر مشق کرنے سے اجتناب لازم ہے اور اگر بوقت ضرورت یا مجبوری اسے آزمانا پڑے تو جسم و کپڑے کو اس کے ذرات سے بچانا ضروری ہے اور اگر احتیاط کے باوجود جسم یا کپڑے پر لگ جائیں تو بعد میں فوراً پاک کرنا لازم ہے۔(۲)

ڈاکٹر سے ختنہ کرانا

ختنہ سنت اور شعائر اسلام میں سے ہے، آج کل ہسپتالوں اور طبی اداروں میں بھی بچوں کا ختنہ کرایا جاتا ہے شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے جائز ہے بشرطیکہ ختنہ مکمل ہو۔

سم کرنے والی ادویہ پلا کر ختنہ کرنا

ہسپتالوں اور طبی و میڈیکل مراکز میں بچوں کو سم کرنے والی ادویات پلا کر سم اور بے ہوش کر دیا جاتا ہے یا محل ختنہ بے حس کر دیا جاتا ہے پھر ختنہ کی کھال کاٹی جاتی ہے شرعاً ایسا کرنا جائز بلکہ

(۱) ماخذ: نظام الفتاویٰ (۱/۳۹۷-۳۹۸)

(۲) ایضاً

بہتر ہے تا کہ بچے کو تکلیف کم سے کم ہو۔

زوجین کے بارے میں ڈاکٹر کی پیشن گوئی کہ ان کی اولاد ٹھیک نہ ہوگی

جدید میڈیکل سائنس کی رو سے اب یہ ممکن ہوگیا ہے کہ میاں بیوی بننے والے جوڑے کے بارے میں پیشن گوئی کردی جائے کہ یا تو ان کی اولاد ہی نہ ہوگی یا اولاد پیدا ہونے کے بعد جلد فوت ہوگی اور اگر بچ جائے تو انتہائی کمزور، لاغر اور مختلف بیماریوں کا شکار ہوگی۔

او یہ پیشن گوئی خون اور اس میں پائے جانے والے آر، ایچ فیکٹر (R.H Factar) کے ذریعہ کی جاسکتی ہے۔ آر ایچ فیکٹر ایک مخصوص قسم کا اینٹی جن ہے جو ۸۵ فیصد انسانوں کے خون میں پایا جاتا ہے، اور ۱۵ فیصد کے خون میں نہیں پایا جاتا، اگر (+ R.H) خون والے مرد کی شادی (-R.H) خون والی عورت سے ہوجائے تو ایسے جوڑے سے پیدا ہونے والا بچہ خون کے لحاظ سے (+ R.H) ہوتا ہے، ایسی صورت میں ماں کے خون میں (- R.H) کے مخالف اجزاء "اینٹی باڈیز" پیدا ہوجاتے ہیں، جو بچے کے خون میں داخل ہوکر خون کے سرخ ذرات (R.B.C) کو تباہ کردیتے ہیں۔ ایسی عورت کو اکثر اوقات اسقاط حمل ہوجاتا ہے اور یہ سلسلہ بار بار پیش آتا رہتا ہے، اور اگر بچہ صحیح سالم پیدا ہوجائے تو بھی چند دنوں کے بعد فوت ہوجاتا ہے۔ اور اگر بچ بھی جائے تو وہ انتہائی سست، کمزور، زرد رنگ، یرقان والا اور تھیلیسمیا کا مریض ہوتا ہے، ایسے بچے کی جان بچانے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اسے دو تین ماہ بعد تازہ (+.RH) خون دیا جاتا ہے۔

جس مرد اور عورت کا نکاح ہورہا ہے، اور ماہر ڈاکٹر کی تحقیق کے مطابق ان کو خون کی عدم موافقت کا سامنا ہے اور مذکورہ مشکلات پیش آنے کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں بہتر یہی ہے کہ ان دونوں کی شادی نہ ہو، اگرچہ جائز ہے کیونکہ ڈاکٹر کی پیش گوئی ایک احتمال یا خطرے کا اظہار ہے یقین اور ظن غالب نہیں ہے۔

البتہ اگر شادی ہوگئی تو اولاد کا سلسلہ ختم کرنا یا کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ علوق ہی نہ ہو، اور اولاد کسی اور طریقہ سے حاصل کی جائے، جائز نہیں ہے، ہاں اگر علوق ہوگیا اور الٹرا ساؤنڈ

وغیرہ کے ذریعے یقین یا غالب گمان پیدا ہو گیا کہ بچہ واقعی ناقص الخلقت یا انتہائی کمزور ہوگا اور ابھی تک حمل کے چار ماہ+14 ہفتے +ایک سو بیس دن نہیں ہوئے تو مذکورہ عذر کی وجہ سے اس کا اسقاط جائز ہے۔(۱)

تبدیلی جین (Gene) کے ذریعہ علاج

اس وقت علاج کی ایک عجیب صورت ایجاد ہو چکی ہے اور وہ ہے جین تبدیل کر کے علاج کرنا، اس کی کچھ وضاحت یہ ہے کہ انسان کا جسم بے شمار خلیوں سے مرکب ہوتا ہے، ہر خلیہ میں ایک مرکزہ (N u c l u s) ہوتا ہے اور ہر مرکزہ میں چھیالیس کرموسوم (Chromosome) ہوتے ہیں، کروموسوم دراصل چھوٹے چھوٹے دانوں سے مرکب ہوتا ہے، ان دانوں کو جین (Gene) کہتے ہیں، ان جین کو انسانی صحت و مرض میں بڑا دخل ہوتا ہے، جدید سائنس کی رو سے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ جس جین کی وجہ سے صحت پر اثر پڑ رہا ہے یا بیماری پھیل رہی ہے اسے نکال کر اس کی جگہ دوسرا صحت مند جین رکھ دیا جائے اس طرح متعدد امراض کا روک تھام ممکن ہو گیا ہے، شرعاً بوقت ضرورت ایسا علاج کرنے اور کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

---

(۱) ماخذہ: نظام الفتاویٰ (۱/۳۹٤) بتغیر

(۹)

سرجری (Surgery) کے مسائل

سرجری (Surgery) کا لغوی معنی جراحت اور زخم کرنے کے آتے ہیں، میڈیکل کی اصطلاح میں سرجری کا معنی ہے کسی مفید اور نفع بخش مقصد کے لئے انسانی جسم میں قطع و برید کرنا ،آپریشن بھی سرجری کی ایک صورت ہے، سرجری کی تاریخ بڑی پرانی ہے، جسم کی چیر پھاڑ اور اس میں تغیر وتبدل شروع سے جاری ہے البتہ اب میڈیکل سائنس کی ترقی کی وجہ سے سرجری کی نت نئی شکلیں سامنے آچکی ہیں، سرجری کی بعض صورتیں قرآن وسنت سے ثابت ہیں ان میں کسی کی دورائے نہیں ہوسکتیں، مثلاً ختنہ کرانا، کان چھیدنا وغیرہ، یہ جائز سرجری ہے، اس بارے میں وضاحت ہمارا موضوع نہیں ہے، ہمارا موضوع سرجری کی جدید صورتیں ہیں، ان سب صورتوں اور شکلوں کا حاصل یہ ہے کہ سرجری عموماً دو مقاصد کے لئے کی جاتی ہے (۱) علاج ومعالجہ کے لئے (۲) وزیب وزینت کے لئے۔

(۱) علاج ومعالجہ کے لئے سرجری کے مسائل

جہاں تک علاج معالجہ کے لئے سرجری اور آپریشن کا تعلق ہے تو ایسی سرجری بعض شرائط کے ساتھ جائز ہے، وہ شرائط یہ ہیں۔ (۱) اس کی تکلیف قابل تحمل ہو (۲) غالب گمان یہ ہو کہ سرجری اور جراحت کے نتیجہ میں ہلاک نہ ہوگا۔ (۱)

"اذا اراد الرجل ان يقطع اصبعا زائدة اوشيئا آخر قال نصير ؟ ان كان

(۱) الهنديه (٤/ ١١٤)

الغالب علی من قطع مثل ذلك الهلاك فانه لا يفعل وان كان الغالب هو النجاة فهو فی سعة من ذلك"۔(۱)

اس زمانے میں میڈیکل سائنس ترقی کر چکی ہے سرجری سے پہلے انسان کا مطلوبہ عضو سُن کر دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے مریض کو کوئی خاص تکلیف نہیں ہوتی، اسی طرح اس بات کا بھی مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ آج کل اکثر آپریشن اور سرجری کیس کامیاب ہوتے ہیں۔ ناکامی کے چانس بہت کم ہیں، لہذا جائز مقصد کے لئے سرجری بھی جائز ہے۔

متاثرہ عضو کاٹنے کا حکم

بعض امراض کسی عضو کو لاحق ہوتے ہیں، اور ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اگر یہ عضو کاٹا نہ گیا تو مرض پورے جسم میں پھیل کر موت کا یقینی سبب بن سکتا ہے، مثلاً کسی کے پاؤں کے انگوٹھے میں کینسر ہے اگر اسے کاٹ دیا جائے تو کینسر سے نجات مل سکتی ہے ورنہ پاؤں تک پھیل جائے گا، اگر پاؤں بھی نہ کاٹا گیا تو ٹانگ تک پھر ٹانگ سے پورے جسم میں پھیل جائے گا۔ ایسی صورت میں متاثرہ عضو کاٹنا جائز ہے۔

"لا بأس بقطع العضوان وقعت فيه الاكلة لئلا تسرى"۔(۲)

اگر عضو کو گلا سڑا دینے والی بیماری لگ جائے تو اس کے کاٹنے میں کوئی مضائقہ نہیں تاکہ بیماری جسم میں مزید داخل نہ ہو۔

زائد عضو کا کاٹنا

اگر کسی کا کوئی عضو خلقی اور پیدائشی طور پر عام عادت سے زائد ہو مثلاً کسی ہاتھ یا پاؤں کی چھ انگلیاں ہیں یا کسی عضو پر ضرورت سے زائد گوشت ہے مثلاً کان یا ناک پر گوشت کا لوتھڑا سا بنا ہے، اور بدنما معلوم ہوتا ہے تو شرعاً آپریشن کر کے اس کا ازالہ کرنا جائز ہے۔(۳)

(۱) الهندية (٥/ ٣٦٠) كتاب الكراهية (۲) الهنديه (٥/ ٣٦٠)

(۳) فتاویٰ محمودیه (١٨/ ٣٣٤)

اذا اراد الرجل ان يقطع اصبعا زائدة اوشيئاً آخر قال نصير ؟ ان كان الغالب على من قطع مثل ذلك الهلاك فانه لا يفعل وان كان الغالب هو النجاة فهو فى سعة من ذلك۔(۱)

معطل اور بے کار عضو کاٹنا

بعض اوقات کسی حادثہ یا بیماری کی وجہ سے کوئی عضو معطل اور بے کار ہو جاتا ہے، اور جسم کے ساتھ ویسے ہی لٹکتا رہتا ہے، جس سے انسان کو کلفت ہوتی ہے اور بدنما بھی لگتا ہے، شرعاً اس کا کاٹنا بھی جائز ہے۔

ٹیڑھے دانتوں کا سیدھا کرنا

آج کل ٹیڑھے دانتوں کو درست اور سیدھا کیا جاتا ہے، اس کی عموماً دو صورتیں رائج ہیں:

۱)...... بعض اوقات دانت نکال کر ان میں مستقل تار (Fixed Braces) لگا دی جاتی ہے جس سے وہ سیدھے ہو جاتے ہیں۔

۲)...... بعض اوقات دانتوں کے سرے گھسا کر برابر کر دیا جاتا ہے، پہلی صورت سرجری کی بنتی ہے، شرعاً دونوں صورتیں جائز ہیں۔

بینائی بحال کرنے کیلئے آنکھوں کا آپریشن اور سرجری

اگر کسی کی بینائی ختم یا کمزور ہو جائے اور آپریشن اور سرجری کے ذریعہ اس کا بحال ہونا ممکن ہو جیسا کہ اب اس کا وقوع بھی ہو چکا ہے تو شرعاً اس مقصد کے لئے آنکھوں کا آپریشن اور سرجری کرنا جائز ہے۔

(۱) الهندية (۵ / ۳۶۰) كتاب الكراهية

(۲) محض زیب وزینت اور خوبصورتی کے لئے سرجری

اگر جسمانی اعضاء متناسب ومعتدل ہوں، کوئی کمی وکوتاہی نہ ہو تو صرف زیب وزینت ،زیبائش ،خوبصورتی اور تحسین کے لئے اور قدرتی طور پر ہونے والی تبدیلیوں کو چھپانے کے لئے پلاسٹک سرجری کرنا صحیح نہیں ہے، آج کل عام طور پر اس کی مندرجہ ذیل صورتیں رائج ہیں:

۱)...... پتلے ہونٹوں کو موٹا اور موٹے ہونٹوں کو پتلا کرنا۔

۲)...... ناک کو سرجری کے ذریعہ چھوٹا یا بڑا کرنا، اس کی شکل اور ہیئت کو بدلنا، اونچی ناک کو پست اور چپٹی کو اونچا کرنا، پھیلائی ہوئی کو سکیڑنا وغیرہ۔

۳)...... ٹھوڑی کو چھوٹا یا بڑا کرنا۔

۴)...... رخساروں کی بھرائی کرنا۔

۵)...... سینے کے ابھار کو کم یا زیادہ کرنا۔

☆اس کے ناجائز ہونے کی کئی وجوہات ہیں:

۱)...... یہ تغییر لخلق اللہ ہے اور تغییر لخلق اللہ ناجائز، حرام اور شیطانی عمل ہے۔(النساء:۱۱۹)

۲)...... رسول اللہ ﷺ نے زیب وزینت کے لئے جسم کو گود کر رنگ بھرنے، دانتوں کے درمیان خلا پیدا کرنے اور چہرے کے ظاہری رنگ کو کسی بھی آلہ سے چھید کر اندرونی رنگ ظاہر کرنے والے مردوں اور عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

عن علقمة قال: لعن الله الواشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله فقالت ام يعقوب ماهذا قال عبد الله: ومالى لا العن من لعن رسول الله ﷺ وفى كتاب الله ......الخ (۱)

عبداللہ بن مسعودؓ نے جسم گودوانے والیوں اور بال اکھیڑنے والیوں اور دانتوں میں حسن کے لئے خلا بنانے والیوں ،اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کرنے والیوں پر لعنت فرمائی

(۱) صحيح البخارى(۲/۸۷۹)باب المتنمصات

پھر فرمایا کہ جن پر اللہ اور اس کے رسول نے لعنت فرمائی ہے میں ان پر لعنت کیوں نہ کروں؟

اس حدیث میں دو باتوں کو موجب لعنت قرار دیا گیا ہے:

(۱) حسن اور زیب وزینت کے لئے جسم میں تبدیلی

(۲) حسن کے لئے خلق اللہ میں تبدیلی۔ اور سرجری میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔

عبدالصمد قال حدثتنی ام نهاربنت رفاع قالت: حدثتنی امنة بنت عبدالله انها شهدت عائشة فقالت: كان رسول الله ﷺ يلعن القاشرة والواشمة والموتشمة والواصلة والمتصلة۔ (۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چہرہ چھیلنے والی اور چھلوانے والی اور جسم گودنے والی اور گدوانے والی اور بالوں کو ملانے والی اور ملوانے والی پر لعنت بھیجا کرتے تھے۔

۳)......زیب وزینت کے لئے سرجری ضرورت نہیں بلکہ خواہشات نفس کی تکمیل اور نفس و شیطان کی پیروی ہے۔

الوشم حرام ايضًا......وتفليج الاسنان حرام ايضًاوهوتفريق ما بين مقدمة الاسنان من الثناياوالر باعيات بالمبرد ونحوه وتحرم ايضاًعمليات التجمل النسائية التى يرادبها تصغيرالمرأة الكبيرة(عمليات الشد)...... والقاشرة التى تعالج وجههااووجه غيرها بالغمرة(طلاء يتخذمن الورس) ليصفو لونها......(۲)

پلاسٹک سرجری کا حکم

پلاسٹک سرجری کی دو صورتیں ہیں:

(۱) علاج اور ازالہ عیب کے لئے کرنا، یہ جائز ہے۔

(۱) مسنداحمد بن حنبل(۱۰/۱۱۰) مسندالسیدة عائشةؓ رقم الحدیث (۲۶۱۸۸)

(۲) الفقه الاسلامی وادلته(۴/۲۶۸۲)

(۲) محض خوبصورتی اور زیب وزینت کیلئے کرنا۔ یہ جائز نہیں ہے، تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

ازالہ عیب کے لئے سرجری کرانا

کسی بھی مرد وعورت کے جسم کے کسی حصہ میں کسی حادثہ یا مرض کی وجہ سے کوئی عضو ضائع ہو جائے یا زخمی اور جل جانے کی وجہ سے بدنما نظر آئے یا گل سڑ جائے یا کوئی داغ لگ جائے، ناک ٹیڑھی ہو جائے یا ہونٹ کٹ جائے اور پلاسٹک سرجری کے ذریعہ سے درست کیا جاسکتا ہو تو شرعاً استطاعت رکھنے والے کیلئے پلاسٹک سرجری کرنا جائز ہے بلکہ مستحب اور بہتر ہے کیونکہ یہاں اللہ کی خلقت کی بے مقصد تغیر وتبدیل مقصود نہیں اور نہ ہی کسی کو دھوکہ دینا مقصود ہے بلکہ جائز مقصد کے لئے تبدیلی کی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اصل خلقت اور خوبصورتی کو واپس لانا مقصود ہے۔ لہذا یہ علاج کی ایک صورت ہے۔

پلاسٹک سرجری کی نظیر سونا یا چاندی وغیرہ دھات ہیں اور مذکورہ مقصد کیلئے سونا یا چاندی کا استعمال حدیث سے ثابت ہے۔

عن عبدالرحمن بن طرفة ان جده عرفجة بن سعد قطع انفه يوم الكلاب، فاتخذ انفامن ورق فانتن فامره النبی ﷺ فاتخذانفا من ذهب۔(۱)

جنگ کلاب میں عرفجہؓ بن سعدؓ کی ناک کٹ گئی تو انہوں نے چاندی کی ناک لگائی تو اس میں بدبو پیدا ہوگئی نبی ﷺ نے ان کو حکم دیا انہوں نے سونے کی ناک بنا ڈالی۔

وكذاحكم الاسنان فانه يثبت هذا الحكم فيها بالمقايسة سواء ربطها بخيط الذهب اوصنعها بالذهب۔(۲)

☆ جس میں پیدائشی یا حادثاتی سبب سے کوئی عیب پیدا ہوگیا ہے تو اس کو دور کرنے کیلئے پلاسٹک سرجری کرنا جائز ہے۔ لیکن بڑھاپے کو چھپانے کے لئے یا قدرتی طور پر پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو چھپانے کے لئے پلاسٹک سرجری کرانا جائز نہیں۔(۳)

(۱) سنن ابی داود (۲/۲۲۹) کتاب الخاتم باب ماجاء فی ربط الاسنان بالذهب۔

(۲) بذل المجهود (۵/۸۷)

(۳) مسائل بهشتی زیور (۲/۴۴۴)

چہرے کی جھریاں چھپانے کے لئے سرجری کرنا

بڑھاپا طاری ہونے سے چہرے پر جھریاں آجانا فطری بات ہے، بعض لوگ اپنے چہرے کی جھریاں زائل کرنے کیلئے سرجری کردیتے ہیں، ان کا مقصد اپنا بڑھاپا چھپانا اور اپنے آپ کو جوان ظاہر کرنا ہوتا ہے، یہ عمل شرعاً جائز نہیں، یہ عملی جھوٹ اور دھوکہ ہے۔

☆ مسے کا گوشت غیر معمولی ابھار وغیرہ کا آپریشن کے ذریعہ دور کرلیا جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن بہ تقاضہ طبعی چہروں پر جو جھریاں پڑجاتی ہیں، آپریشن کے ذریعہ ان کو دور کرنا، ناک کھڑا کرانا وغیرہ جائز نہیں ہوگا کہ یہ تغیر خلق ہے، اور نہ ان حدیثوں کی روشنی میں جو بال جوڑنے کی ممانعت کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں یہ جائز نظر آتی ہیں۔(۱)

سرجری میں انسانی کھال کا استعمال

اس وقت سرجری کے لئے انسانی کھال بھی استعمال کی جاتی ہے۔ اس کی صورت عموماً یہ ہوتی ہے کہ بدن کا جو حصہ جل کر یا کسی حادثہ میں متاثر ہوجائے تو انسان کے دوسرے حصہ سے کھال اتار لی جاتی ہے، اور عموماً ایسی جگہ سے اتاری جاتی ہے جو عام نظروں سے اوجھل ہوتی ہے مثلاً ران، سرین وغیرہ، کھال اتارنے کے لئے عمل جراحی اور آپریشن سے کام لیا جاتا ہے، پھر وہ کھال متاثرہ حصے پر لگادی جاتی ہے، اس سے زخم جلدی بھر جاتا ہے، اس کی بدنمائی بھی ختم ہوجاتی ہے، اوکھڑی ہوئی کھال کی جگہ بھی درست ہو جاتی ہے، اور اگر عضو جلا ہے تو اس کی سوزش بھی جلد ختم ہوجاتی ہے اور جس حصہ سے کھال اتاری گئی ہے وہاں نئی کھال پیدا ہوجاتی ہے۔

شرعاً اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی دو صورتیں ہیں:

۱)......اسی متاثرہ انسان اور مریض کے جسم سے کھال حاصل کی جائے، یہ صورت بوقت

---

(۱) حلال وحرام (ص ۲۱۱)

ضرورت جائز ہے جیسے انسان کے اپنے بال ایک جگہ سے دوسری جگہ لگانا جائز ہے۔

۲)......دوسرے انسان کی کھال حاصل کر کے لگائی جائے، یہ صورت جائز نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے دوسرے انسان کے اعضاء پیوند کاری یا دوسرے انسان کے بال لگوانا۔

سرجری میں مردہ انسان کی کھال استعمال کرنا

کسی مردہ انسان کی کھال سے سرجری میں استفادہ کرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بھی دوسرے انسان کی کھال استعمال کرنا ہے، نیز مردے کا جسم چیرنا پھاڑنا اور اس میں تصرف کرنا بھی شرعاً ناجائز ہے، اسی وجہ سے اس کا پوسٹ مارٹم منع ہے، اور اس کے اعضاء کا انتقال ممنوع ہے۔

جلے عضو کے علاج میں نومولود کی جھلی کا استعمال

بچہ جس جھلی میں لپٹا ہوا ہوتا ہے ولادت کے بعد ہسپتالوں میں وہ جھلی عموماً ویسے ہی پھینک دی جاتی ہے اور کتے بلیاں کھالیتی ہیں، اب ہسپتالوں میں یہ ہونے لگا ہے کہ اس جھلی کو کیمیکلز اور دوسری ادویات سے ملا کر لیسدار مادہ تیار کر لیا جاتا ہے، اور اسے زخموں پر مرہم کے طور پر لگایا جاتا ہے اس سے جلے ہوئے اعضاء کا زخم جلدی ٹھیک ہو جاتا ہے اور اگر عضو جلا ہے تو اس کی سوزش بھی جلد ختم ہو جاتی ہے اور گوشت سے بھرائی ہو جاتی ہے۔

شرعاً ضرورت کے وقت مذکورہ طریقہ سے جھلی کے استعمال کی گنجائش ہے، اعضاء کی پیوند کاری وغیرہ اور اس میں فرق یہ ہے کہ اعضاء کی پیوند کاری میں اس مقصد کے لئے اعضاء کی باقاعدہ قطع و برید کی جاتی ہے، اور یہاں جھلی کی قطع و برید نہیں ہوتی بلکہ وہ خود فطری طور پر علیحدہ ہو جاتی ہے اور اسے فضول و ناکارہ سمجھ کر پھینک دیا جاتا ہے، لہذا اس کو کارآمد بنانے میں کوئی حرج نہیں۔(۱)

---

(۱) ماخذہ: فتاویٰ رحیمیہ (۱۷۷/۱۰)

مخفی اعضاء کی سرجری

مخفی اعضاء کی سرجری درست ہے خواہ بطور علاج ہو یا زیب وزینت کیلئے ہو، کیونکہ اس میں دھوکہ نہیں ہے، مثلاً پیٹ، پیٹھ، رانوں وغیرہ کی سرجری۔ خواتین کو حمل کی وجہ سے زیر ناف جو داغ اور جھریاں پڑ جاتی ہیں ان کو سرجری کی ذریعہ دور کرنا بھی درست ہے۔

پلاسٹک سرجری اور وضوء غسل کا حکم

پلاسٹک سرجری کی صورت میں بدن کے کسی حصے میں پلاسٹک سرجری کے ذریعہ جو اضافہ کیا جاتا ہے وہ بدن کا حصہ بن جاتا ہے، اسے آسانی سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا لہذا وضو اور غسل میں اس کے اوپر پانی بہالینا کافی ہے اس سے وضو اور غسل ہو جائے گا۔

عام سرجری اور پلاسٹک سرجری میں فرق

پلاسٹک سرجری کے بارے میں ابھی تک جتنے مسائل لکھے گئے ہیں یہی حکم عام سرجری کا بھی ہے، ان دونوں میں شرعاً کوئی فرق نہیں ہے۔

(۱۰)

ٹیسٹ ٹیوب بے بی اور اس کی شرعی حیثیت

ٹیسٹ ٹیوب بے بی (Test Tube Baby) عقم یعنی بانجھ پن کی بعض صورتوں کا ایک جدید متبادل ہے۔

طریق کار

اس کے اس وقت دو طریقے رائج ہیں:

۱)...... معمولی آپریشن کے ذریعہ عورت کا جرثومہ (EGG)، اور جلق یا عزل کے ذریعہ مرد کا جرثومہ (SPERM) حاصل کر کے دونوں کو بارہ ہفتے تک ایک ایسے ٹیوب میں رکھا جاتا ہے، جس میں وہ تمام لوازمات (Ingrediens) پائے جاتے ہیں جو عورت کے رحم (Womb) میں ہوتے ہیں، تقریباً بارہ ہفتے بعد ان مخلوط جرثوموں کو بذریعہ انجکشن عورت کے رحم میں داخل کر دیا جاتا ہے، جہاں مخصوص مدت کے بعد بچے کی پیدائش عمل میں آتی ہے۔

۲)...... جلق یا عزل سے مرد کا جرثومہ حاصل کر کے انجکشن کے ذریعہ عورت کے رحم میں مھبل تک پہنچا دیا جائے، حکم کے اعتبار سے دونوں طریقوں میں کوئی فرق نہیں ہے، طریق کار کا فرق ہے، پہلا طریقہ دوسرے طریقے کی بنسبت مشکل اور لمبا ہے نیز پہلے طریقے میں عورت کا جرثومہ حاصل کیا جاتا ہے جبکہ دوسرے طریقے میں اسے حاصل کرنے کی نوبت نہیں ہوتی۔

شرعی لحاظ سے صورتیں

شرعی لحاظ سے ٹیسٹ ٹیوب بے بی حاصل کرنے کی کل چھ صورتیں بنتی ہیں:

۱)......اجنبی مرد اور اجنبی عورت کے جرثومے لے کر ٹیسٹ ٹیوب میں بارآور کرا کر دوسری اجنبی عورت کے رحم میں رکھ دیا جائے۔

۲)......اجنبی مرد اور اجنبی عورت کے جرثومے لے کر ٹیسٹ ٹیوب میں بارآور کرا کے اس اجنبی عورت کے رحم میں رکھ دیا جائے۔

۳)......شوہر اور اجنبی عورت کے جرثومے ملا کر بیوی کے رحم میں رکھ دیا جائے (بیوی کا صرف رحم استعمال ہو جرثومہ نہیں)

۴)......اجنبی مرد اور بیوی کے جرثومے ملا کر بیوی ہی کے رحم میں رکھ دیا جائے (شوہر کا جرثومہ شامل نہ ہو)

۵)......میاں بیوی کے جرثومے لے کر اجنبی عورت کے رحم میں رکھ دیا جائے۔

۶)......میاں بیوی کے جرثومے حاصل کر کے میاں کی دوسری بیوی کے رحم میں رکھ دیا جائے۔

۷)......میاں بیوی کے جرثومے حاصل کر کے اسی بیوی کے رحم میں رکھ دیا جائے جس کا جرثومہ لیا گیا ہے۔

شرعی حکم

ان میں سے پہلے پانچ صورتیں بالاتفاق حرام اور ناجائز ہیں، یہ صورتیں بذاتہ بھی حرام اور ناجائز ہیں اور اس میں شرعی مفاسد اور خرابیاں بھی موجود ہیں جیسے اختلاط نسب، خاندان اور نسل کا ضیاع وغیرہ۔ اور صحیح قول کے مطابق چھٹی صورت بھی ناجائز ہے، بعض حضرات نے اسے جائز لکھا ہے۔(۱)

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ صورت بھی جائز نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کہ جس دوسری بیوی کے رحم میں جرثومے رکھے گئے ہیں، طبی لحاظ سے یہ ممکن ہے کہ وہ بذریعہ مباشرت اپنے شوہر سے فطری طریقے سے حاملہ ہو جائے، جس کے نتیجہ میں اسکے ہاں دو بچے پیدا ہوں گے،

(۱) جدید فقهی مسائل (۱۰۰/۵) جدید مسائل کا شرعی حل ص ۲۱۲ حاشیه

ایک فطری اور ایک مصنوعی، گوکہ دونوں کا باپ ایک ہی ہے، اسی سے نسب ثابت ہوگا، لیکن حقیقی ماں کی تعیین نہیں ہو سکے گی یعنی یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ اس عورت کا اپنا بچہ کون سا ہے اور دوسری بیوی کا کون سا ہے جس کا وراثت وغیرہ کے احکام پر اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ان دو جنین میں ایک فوت ہو جائے یا حمل ساقط ہو جائے تو اس کی تعیین بھی نہیں ہو سکے گی اور آج کل ڈی این اے ٹیسٹ ٹیوب وغیرہ کے ذریعہ جو نسب کی تعیین کی جاتی ہے وہ شرعی ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے۔(۱)

ہاں البتہ اس کے عدم جواز کی اصل وجہ مذکورہ اشتباہ ہے، اگر اس کا ازالہ کر لیا جائے تو پھر جائز ہے اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک بیوی کی اولاد نہیں ہے اسکا رحم تحمل نہیں کر سکتا اسے اولاد کی سخت تمنا ہے دوسری سوکن اپنا رحم اسے رضا کارانہ طور پر مستعار دینے کو تیار ہے اور وہ اس بات پر بھی راضی ہے کہ وہ اس دوران شوہر کو حقوق زوجیت معاف کرتی ہے اور شوہر بھی اس پر راضی ہو جاتا ہے اور دونوں اس دوران مباشرت سے مکمل پرہیز کر لیتے ہیں تو جائز ہے اور اس صورت میں جو بچہ پیدا ہوگا وہ اسی عورت کا ہوگا جس کا جرثومہ لیا گیا ہے، یہاں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہے۔

ساتویں صوت کا حکم

ساتویں صورت چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، خواہ شوہر اور بیوی کا مادہ ٹیوب میں بار آور کر کے بیوی کے رحم میں رکھا جائے یا مرد کا مادہ براہ راست عورت کے رحم میں پہنچا دیا جائے۔
بعض حضرات نے متعدد شرعی مفاسد کی وجہ سے اس صورت کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔(۲)
صحیح قول یہ ہے کہ یہ صورت چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، وہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

شرائط جواز

۱)...... یہ طریقہ صرف وہ میاں بیوی اختیار کر سکتے ہیں جو فطری طریقہ کے مطابق حصول

(۱) قراردادیں اور سفارشات ص ۱۶۱

(۲) ملاحظہ ہو: احسن الفتاویٰ (۸/۲۱۴-۲۱۵) فتاویٰ حقانیہ (۴/۵۰۵) فتاویٰ رحیمیہ (۱۰/۱۷۹) الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید (۲/۱۹) نظام الفتاویٰ (۱/۳۳۹)

اولاد سے محروم ہوں مثلاً مرد کا مادہ تولید کسی وجہ سے عورت کے رحم تک نہیں پہنچ پاتا یا پہنچ جاتا ہے مگر قرار حمل نہیں ہوتا یا عورت کا مھبل ورحم کمزور ہے اس کا تحمل نہیں کرسکتا اور علاج ومعالجہ کے باوجود اسباب کے درجہ میں ابھی تک مایوس ہیں، جن زوجین کے ہاں فطری طریقہ سے اولاد پیدا ہوتی ہے ان کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنا بالکل ناجائز اور حرام ہے۔

۲)...... میاں بیوی کے جرثومے بقدر ضرورت حاصل کئے جائیں، ضرورت سے زائد حاصل کرکے ضائع کرنا صحیح نہیں ہے۔

۳)...... جرثومے حاصل کرنے کا عمل میاں بیوی خود انجام دیں، کسی کے سامنے کشف عورت نہ ہو، اگر عورت کا جرثومہ حاصل کرنے کے لئے ڈاکٹر کی خدمت حاصل کرنی پڑے تو لیڈی ڈاکٹر کی خدمت لی جائے اور اس کے سامنے بقدر ضرورت ستر کھولا جائے۔

۴)......اگر زائد جرثومے اور بیضے حاصل ہوچکے ہیں تو انہیں ضائع کردیا جائے تاکہ ان کے غلط استعمال کا سدباب ہوجائے۔

مذکورہ شرائط کی رعایت کی جائے تو اس میں کوئی مفسدہ اور خلاف شرع بات لازم نہیں آتی، جن حضرات نے اس صورت کو بھی ناجائز کہا ہے انہوں نے بعض مفاسد کی وجہ سے ناجائز کہا ہے لہذا مذکورہ شرائط کے پیش نظر ان کے ہاں بھی اس کی اجازت ہونی چاہئے۔

مردہ شوہر کا مادہ تولید استعمال کرنا

اگر کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہوچکا اور اس کا مادہ تولید کسی طرح ابھی تک محفوظ ہوتو عورت کا اب اسے اپنے مادہ سے ملا کر مصنوعی تخم ریزی(ARtificial insemination) یا ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ اولاد کا حصول جائز نہیں ہے، کیونکہ شوہر کے انتقال سے نکاح ختم ہوگیا لہذا اس کے مادہ تولید اور اجنبی کے مادہ تولید میں کوئی فرق نہ رہا۔

ٹیسٹ ٹیوب گوشت کا حکم

سائنسدانوں کا دعویٰ ہے کہ جانوروں کے خلیوں سے ٹیسٹ ٹیوب گوشت بھی تیار کیا جاسکتا

ہے، اور اس بارے پیش رفت ہو رہی ہے، اس بارے میں پوری تفصیل اور طریق کار ابھی تک سامنے نہیں آیا اور نہ ابھی تک یہ گوشت تیار ہوا ہے، حتمی حکم تو طریق کار معلوم ہونے پر لگ سکتا ہے، تاہم حلال جانوروں کے خلیوں سے حاصل کیا گیا گوشت بھی حلال ہے بشرطیکہ اس میں کوئی حرام چیز شامل نہ کی گئی ہو، اور حرام جانوروں کے خلیہ سے تیار کیا گیا گوشت بھی حرام ہے۔

دنیا کا پہلا ٹیسٹ ٹیوب گوشت رواں سال تیار کر لیا جائے گا

لاہور (رپورٹ/ صابر شاہ) ٹیسٹ ٹیوب بچوں کی پیدائش کے بارے میں عام طور پر سنا جاتا ہے لیکن اس بات کا بہت کم لوگوں کو علم ہوگا کہ رواں سال کے دوران ٹیسٹ ٹیوب گوشت بھی دسترخوان پر میسر ہونے لگے گا۔ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ میں فرانسیسی خبر رساں ایجنسی کے حوالے سے خبر میں بتایا گیا ہے کہ یہ گوشت گائے کے کسی شکل کے بغیر خلیہ سے تیار کیا جائے گا، ہالینڈ میں سائنسدان مارک پوسٹ کہتے ہیں کہ جانوروں کے گوشت کی پوری صنعت کو ٹیسٹ ٹیوب گوشت سے بدل دینا چاہیے ، مارک پوسٹ اور انکی ٹیم تقریباً دو ہزار ریشۂ لحمی کو ایک برگر میں تبدیل کرنے پر کام کر رہے ہیں جس کے لئے ایک سرمایہ کار نے ڈھائی لاکھ یورو کا عطیہ دیا ہے۔(۱)

سوال نمبر (۱) علمائے کرام کیا کہتے ہیں کہ جب ڈاکٹر خاوند کو کافی علاج کے بعد اور کئی سال گزرنے کے بعد مشورہ دیں کہ پیدائش کے لئے IUI کا میڈیکل طریقہ استعمال کریں۔ IUI یعنی مصنوعی نطفہ کاری میں عورت کے تخلیقی حلقہ جسم میں مردانہ جرثومے ملاپ کے علاوہ مصنوعی طریقہ کار سے ڈالتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے IUI کا طریقہ ساتھ لف ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے وضاحت فرمادیں۔

سوال نمبر (۲) اگر مندرجہ بالا IUI کا طریقہ کار موثر ثابت نہ ہو تو پھر ڈاکٹر IVF کا مشورہ دیتے ہیں۔ اس طریقہ میں مرد کے جرثومے اور عورت کے تخلیقی حلقہ سے بچے کے پیدائش کے لئے ضروری مواد بھی باہر نکال لیا جاتا ہے، ان دونوں موادوں کو 4 / 3 دن کے لئے لیبارٹری

(۱) روزنامہ جنگ ، ۲۲ فروری، ۲۰۱۲ء، ص 8 وبقیہ نمبر ۱۱ ص ۷

میں عمل کے بعد دوبارہ عورت کے تخلیقی حلقہ میں داخل کر دیا جاتا ہے۔اسلامی نقطہ نظر سے وضاحت فرمائیں۔سائل c/o مدثر بشیر ڈھوک کشمیریاں راولپنڈی

IUI کا طریقہ کار:

مشارتی سہولیات طب نسواں وٹیسٹ ٹیوب بے بی مرکز۔بالمقابل فیڈرل گورنمنٹ سروسز ہسپتال اسلام آباد۔

معاون تخلیقی اسلوب اندرون رحم نطفہ کاری،طریق کار کامختصر خاکہ واخراجات کاتخمینہ۔

معاون تخلیق فنیات: کوئی بھی عمل جس میں طبعی ملاپ کے علاوہ بارور ی کی جائے،معاون تخلیق اسلوب (متاب) ہے،ان اسلوب کے ذریعہ نطفہ جات یا (اور) انڈہ سنوارنے کے بعد بغیر آمیزش حاصل کر کے بیرون یا اندورن جسم ایک دوسرے کے قریب پہنچائے جاتے ہیں،تاکہ بارور ی ہو سکے،حمل خوشی و شادمانی کا موقعہ ہوتا ہے،کچھ زوجین میں حمل نہیں ٹھہرتا اور روایتی معاونت بھی کام نہیں دکھاتی ، انہیں معاون تخلیق اسلوب اپنانے کا مشورہ دیا جاتا ہے،ان اسلوب نے بے اولا دوالدین کے لئے امید پیدا کر دی ہے اور بہت سے ایسے جوڑے صاحب اولاد ہو گئے ہیں جو ماضی میں اسکا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔مصنوعی نطفہ کاری میں عورت کے تخلیقی حلقہ جسم میں مردانہ جرثومے جنسی ملاپ کے علاوہ مصنوعی طریقہ کار سے ڈالتے ہیں،اس میں جرثوموں اور انڈہ کی قربت یقینی ہو جاتی ہے،جرثومے کثیر تعداد میں مقام زرخیزی (تخمی نلی) تک پہنچتے ہیں جبکہ جنسی ملاپ کے دوران ان کی اکثریت وہاں نہیں پہنچ پاتی۔

برحم نطفہ کاری (رحن) میں مصفا جرثومے رحم کے اندر داخل کئے جاتے ہیں۔یہ مصنوعی نطفہ کاری کا سب سے زیادہ استعمال ہونے والا طریقہ ہے۔

حالات جن میں رحن مفید ہو سکتی ہے:

۱......معاندانگی دہن رحم۔

۲......ازدواجی ملاپ کی مشکلات یا مردانہ انزال کی ناپیدگی۔

۳......سماجی حالات کی بناء پر مثلاً کاروباری مصروفیات کی وجہ سے خاوند کی شاذ ونادر دستیابی

۴......جنسی خواہشات واحساسات کی عدم موجودگی حالات جن میں منضبط اشتعال تخمدان کے ساتھ زیادہ بہتر نتائج ملتے ہیں۔تغذہ مولدہ کے ٹیکہ جات استعمال کر کے متعدد تخمی پھلیاں تیار کیا جاتی ہیں۔متد انڈے کامیابی کا امکان بڑھاتے ہیں۔

۵......قدرے کم تر متحرک جرثوموں کی دستیابی۔

۶......مشاغل تبویض وغیر واضح تشریح طلب ناباروری۔

۷......غدودی برحملہ کی رحم اور اطراف میں موجودگی لیکن تخمی نلیاں آشکارہ۔

برحم نطفہ کاری کے لئے مادہ منوی کے ایک ملی لیٹر میں دو کروڑ جرثوموں کی موجودگی جن میں ۵۰ فیصد مستعد و متحرک ہوں زرخیزی کے لئے مناسب خیال کئے جاتے ہیں۔عمل تیرگی کے ذریعہ پچاس لاکھ جرثوے حاصل ہونے چاہئیں، جرثوموں میں جسم کے اندر انڈہ کو زرخیز کرنے کی صلاحیت ہو۔

بیوی کے تخلیقی اعضاء صحتمند و فعال اور تخمی نلیاں آشکارہ ہوں، انہیں کوئی تخلیقی نقص نہ ہو، بچہ دانی مناسب حجم کی جنین کی تنصیب کیلئے فعال ہونی چاہئے، تخمدان پختہ انڈا خارج کرتی ہوں۔ تبویض کی بے قاعدگی یا ناپائیدگی کی صورت میں اشتعال تخمدان کیلئے اثر پذیر اساسی پھلیاں موجود ہوں، انڈہ دانی کا مثبت ردعمل حوصلہ افزاء نشانی ہے۔

وقت نطفہ کاری: بیوی کے زرخیز ایام جب تبویض ہو رہی ہو، یہ اکثر ماہواری سے چودہ دن قبل ہوتا ہے، بہترین وقت تبویض کے چھ گھنٹے اطراف کے ہیں، اسطرح جرثوے انڈہ کے منتظر ہوتے ہیں، جب رہنما پھلی ۱۷ ملی میٹر ہو جائے تو یہ اخراج تخم کے لئے تیار ہوتی ہے، یہ رحن کے لئے سازگار وقت ہوتا ہے، عمل ہر تیسرے دن دہرایا جاتا ہے، جب تک پھلی پھٹ نہیں جاتی، اگر منضبط اشعال تخمدان کیا جائے تو وقت کا انتخاب صفرائی ٹیکہ کے مطابق ہوتا ہے، یعنی ٹیکہ کے ۳۶ گھنٹے بعد۔

طریقہ کار: کثافت وعفونت سے بچاؤ کے لئے منی کو تیرگی کے طریقہ سے صاف کیا جاتا ہے، نطفہ جات کا آلودگی سے کاملاً پاک ہونا لازم ہے، آلودگی کا اندرون جسم متعارف ہونا عورت کے لئے نقصان دہ ہے۔ مردہ و کمزور جراثیم کی علیحدگی سے کارآمد جرثوموں کی چڑہائی میں

رکاوٹ نہیں ہوتی، مصفا مرتکز جرثومے ایک پچکاری میں بھر لیتے ہیں۔

☆عورت زیریں لباس نیچے کرکے کمر کے بل یا بائیں رخ کروٹ لے کر لیٹتی ہے۔

☆ کشف مناظری اس کے بدن میں ڈال کر دہن رحم کو منکشف کیا جاتا ہے، فرج میں سے دیکھتے ہوئے نرم قسطری نلی دہن رحم میں سے گزار کر رحم کی جوف میں لے جاتے ہیں۔ یہ اکثر بآسانی داخل ہو جاتی ہے، بصورت دیگر دہن رحم کو چمٹی سے پکڑ کر تھوڑا سا کھینچتے ہیں تاکہ بچہ دانی کا زاویہ سیدھا ہو جائے، کبھی کبھار راستہ تنگ ہونے کی صورت میں کشادہ پیما کے ذریعہ دہن رحم کا راستہ کھولا جاتا ہے جس سے وقتی طور پر تھوڑی سی درد ہوتی ہے۔

☆ مصفا کارآمد جرثوموں بھری قسطر کے قریبی کونے میں لگا کر ہلکے سے دباؤ کے ساتھ رحم میں خالی کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد قدرے تشنج کا احساس ہوتا ہے.....

الجواب حامداومصلیا: اگر علاج کروانے کے بعد بھی بچے کی پیدائش فطری طریقہ یعنی میاں بیوی کے جنسی ملاپ سے ممکن نہ ہو اور Intreuterine insemination (IUI) یعنی مصنوعی تخم ریزی کے ذریعے سے بچے کی پیدائش کا قوی امکان ہو تو شرعی طور پر اس مصنوعی طریقہ کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس مرد یعنی شوہر کا مادہ منویہ اس کی بیوی کے رحم میں داخل کیا جائے اور چونکہ اس مصنوعی تخم ریزی کے دو مراحل ہوتے ہیں، ایک مرد کی منی حاصل کرنا، دوسرے اس کو بیوی کے رحم میں مصنوعی طور سے داخل کرنا اور ان دونوں مرحلوں کے لئے کسی دوسرے کے سامنے شرمگاہ کو کھولنا پڑتا ہے لہذا اس مقصد کے لئے عورت کو کسی مرد کے سامنے اپنا ستر کھولنا تو جائز نہیں البتہ مرد سے متعلق مراحل کوئی مرد ڈاکٹر اور عورت سے متعلق مراحل کوئی لیڈی ڈاکٹر پورے کرے تو اس عمل کے ذریعے اولاد حاصل کرنے کی گنجائش ہے۔

۲)......اور اگر مصنوعی تخم ریزی کے ذریعے بھی بچے کی پیدائش ممکن نہ ہو تو پھر (IVF) in viro fertilization یعنی ٹیسٹ ٹیوب طریقہ کے ذریعہ بھی اولاد حاصل کرنے کی گنجائش ہے اور اس طریقہ میں بھی مرد سے متعلق مراحل کوئی مرد اور عورت سے متعلق مراحل کوئی لیڈی ڈاکٹر پورے کرے، لیکن یہ بات یاد رہے کہ ٹیسٹ ٹیوب طریقہ کا جواز صرف اس صورت میں

ہے کہ جب میاں بیوی کے نطفوں میں اختلاط کیا گیا ہو اور بیوی کے رحم میں ہی جنین (بچے) نے بعد میں پرورش پائی ہو اس کے علاوہ تمام صورتیں اختیار کرنا ناجائز ہے، جس میں کسی غیر شخص کے مادہ کو استعمال کیا جائے یا بیوی کے علاوہ کسی اور عورت کے رحم میں حمل کی پرورش کی جائے۔

قرآن مجید میں ہے:

قال الله تعالیٰ: ﴿نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ﴾(۱)

سنن ابوداؤد میں ہے:

عن رويفع بن ثابت الانصاریؓ قال: قام فينا خطيبا قال: اما انی لا اقول لكم الا ما سمعت رسول الله ﷺ يوم حنين قال: لا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر ان يسقی مآء زرع غيره......الخ(۲)

فتاوی شامی میں ہے:

اذا عالج الرجل جاريته فيما دون الفرج فأنزل فأخذت الجارية ماء ه فی شئی فاستدخلته فرجها فی حدثان ذلك فعلقت الجارية وولدت فالولد والجارية أم ولد له۔(۳)

درمختار میں ہے:

ينظر الطبيب الى موضع مرضها بقدر الضرورة اذ الضرورات تتقدر بقدرها وكذا نظر قابلة وختان وينبغی أن يعلم امرأة تداويها لأن نظر الجنس الى الجنس أخف۔

وفی الشامية تحته (قوله وختان) كذا جزم به فی الهداية و الخانية وغيرهما...... وكذا يجوز أن ينظر الی موضع الاحتقان لانه مداواة ويجوز الاحتقان للمرضی، وكذا للهزال الفاحش علی ماروی عن أبی

---

(۱) البقرہ: ۲۲۳

(۲) سنن ابی داؤد (۱/ ۳۱۰)

(۳) الشامیۃ (۳/ ۵۲۸)

یوسفؒ لأنہ امارۃ المرض ہدایۃ......(قولہ وینبغی)...... وقال فی الجوھرۃ:اذا کان المرض فی سائر بدنھاغیرالفرج یجوزالنظرالیہ عند الدواء الأنہ موضع ضرورۃ وان کان موضع الفرج فینبغی أن یعلم امرأۃ تدویھافان لم توجد و خافوا علیھا أن تھلك أویصیبھاوجع لا تحتملہ یسترمنھا کل شئی الاموموضع العلۃ ثم یداویھاالرجل ویغض بصرہ مااستطاع الاموضع الجرح فتأمل۔(۱)

مبسوط سرخسی میں ہے:

وقدروی عن أبی یوسفؒ أنہ اذاکان بہ ھزال فاحش وقیل لہ أن الحقنۃ تزیل مابك من الھزال فلا بأس بأن یبدی ذلك الموضع للمحتقن وھذا صحیح فان الھزال الفاحش نوع مرض تکون آخرہ الدق والسل۔(۲)

فتاوی شامی میں ہے:

(قولہ لاباحتہ لتحمل الشھادۃ)ومثلہ نظرالقابلۃ والخافضۃ والختان والطیب،وزاد فی الخلاصۃ من مواضع حل النظرللعورۃ عند الحاجۃ الاحتقان والبکارۃ فی العنۃ والرد بالغیب۔ فقط واللہ اعلم بالصواب(۳)

شیرمحمد حقانی
دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی
۱۴۳۳/۶/۲۹ھ

الجواب صحیح
بندہ ضیاء الرحمٰن عفی عنہ
دارالافتاء تعلیم القرآن راولپنڈی
۱۴۳۳/۶/۲۹ھ

الجواب صحیح
ریاض محمد
دارالافتاء تعلیم القرآن راولپنڈی
۱۴۳۳/۶/۲۹ھ

---

(۱) الدر المختار (۳۷۰/۶)

(۲) المبسوط للسرخسی(۱۶۳/۱۰)

(۳) الشامیۃ(۳۶/٤)

الکحل (Al cohals) ملی ہوئی ادویات کا حکم

تمہید: الکحل مخصوص قسم کی شراب ہے جو اس زمانے میں بہت سی ادویات، عطریات، سیاہی ، روشنائی رنگوں اور دوسرے مرکبات میں شامل کی جاتی ہے۔ چونکہ یہ ایک قسم کی شراب ہے اس لئے اس کی اور اس سے مرکب اشیاء کی حلت وحرمت اور نجاست وطہارت کا حکم جاننے کے لئے شراب کی جملہ اقسام کی پہچان ضروری ہے۔

شرعاً شراب کی پانچ اقسام ہیں:

۱)......خمر یعنی انگور کا کچا پانی جب اس میں تین اوصاف پیدا ہو جائیں:

۱......اشتداد یعنی سخت ہو جائے۔

۲......غلیان یعنی جوش مارے

۳......قذف بالزبد یعنی جھاگ پھینکے۔

یہ بالاتفاق حرام اور نجس العین ہے، اور حقیقی شراب یہی ہے اس کا ایک قطرہ پینا بھی حرام ہے، اس کی خرید وفروخت حرام ہے، اس کی حرمت کا منکر کافر ہے۔

۲)......الطلاء یعنی انگور کا پانی جب اس کو اتنا پکایا جائے کہ اس کی دو تہائی (۲/۳) سے کم مقدار ختم ہو جائے۔

۳)......نقیع التمر، یعنی کھجور کا کچا پانی اور شیرہ۔

۴)......نقیع الزبیب یعنی وہ کچا پانی جس میں کشمش ڈال کر چند ایام رکھا جائے حتی کہ وہ سخت ہو جائے اور جھاگ پھینکے۔

امام محمدؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے ہاں یہ سب اقسام حرام اور ناجائز ہیں، ان میں اور پہلی قسم میں کوئی فرق نہیں ہے، شیخین کے ہاں یہ اقسام بھی نجس ہیں اور ان کا پینا حرام ہے خواہ کم ہو یا زیادہ لیکن قطعیت میں یہ پہلی قسم کی طرح نہیں چنانچہ ان کے پینے والے کو اگر نشہ پیدا ہو تو حد لگے گی ورنہ نہیں، اسی طرح ان کی حرمت کا منکر قطعی کافر نہیں ہے۔

۵)......مذکورہ اشیاء یعنی انگور کھجور اور کشمش کے علاوہ دوسری چیزوں سے بنائی گئی شرابیں

جیسے شہد، انجیر، گندم، جو، پٹرول، چھلکوں اور دیگر حلال اشیاء و اناج سے کشیدہ کردہ شراب، اگر پہلی قسم میں عصیر عنب کو اتنا زیادہ پکایا کہ اس کے دو تہائی چلے گئے اور اس طرح نبیذ تمر اور نبیذ زبیب کو کم اور معمولی پکایا جائے تو وہ بھی پانچویں قسم میں داخل ہیں۔

پانچویں قسم بھی امام محمدؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے ہاں حرام ہی ہے مطلقاً، اور شیخین کے ہاں مقدار قلیل کا استعمال جائز ہے اور زیادہ مقدار میں استعمال کرنا جس سے نشہ پیدا ہو حرام ہے، عام حالات میں فتویٰ امام محمدؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے قول پر دیا گیا ہے۔

☆ مذکورہ تفصیل کی روشنی میں الکحل کی تین اقسام بنتی ہیں:

۱)......وہ الکحل جو پہلی چار قسم کی شراب سے بنائی گئی ہو، یہ بالاتفاق نجس اور حرام ہے، اور جن ادویات وعطریات میں اسے شامل کیا گیا ہے وہ بھی حرام اور نجس ہیں، ان کا کاروبار، تجارت، استعمال کھانا پینا جائز نہیں ہے، البتہ حالت اضطرار میں تداوی بالمحرم کی چند شروط کے ساتھ اس کے استعمال کی بھی گنجائش ہے۔ وہ شروط یہ ہیں:

۱......حالت اضطرار وحاجت کا تحقق یعنی ماہر دیندار ڈاکٹر کہے کہ اگر حرام دواء استعمال نہیں کرے گا تو ہلاکت یا عضو کے تلف ہونے کی ناقابل برداشت تکلیف پہنچنے کا یقینی یا غالب گمان ہے۔

۲......حلال دوائی میسر ہی نہیں یا میسر ہے لیکن اس سے افاقہ ملنے کی امید نہیں ہے۔

۳......حرام دواء کو بقدر ضرورت استعمال کیا جائے۔

۴......حرام کے استعمال سے افاقہ ملنے کا یقین یا غالب گمان ہو۔

۲)......وہ الکحل جو پانچویں قسم سے بنائی گئی ہو، اس کی طہارت وحرمت میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے ہاں پاک ہے اس کی اتنی مقدار استعمال کرنا جائز ہے جس سے نشہ پیدا نہ ہوتا ہو، بشرطیکہ بوقت ضرورت استعمال کی جائے، لہو وطرب کے طور پر نہ ہو اور امام محمدؒ کے ہاں نجاست خفیفہ ہے اور اس کا تھوڑی مقدار میں بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ اس زمانے میں چونکہ الکحل میں ابتلاء عام ہے اور اس سے بچنا مشکل ہے اس لئے فقہاء عصر نے اس مسئلہ میں شیخین کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

استاد محترم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

''فتویٰ اگر چہ عام حالات میں امام محمدؒ کے قول پر دیا گیا ہے، مگر چونکہ الکحل میں ابتلاء عام ہے لہذا جس دواء میں قسم دوم کا الکحل ہو اس کے بارے میں گنجائش ہے کہ امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرلیا جائے، اگر چہ تقدس اور احتیاط امام محمدؒ کے قول پر عمل کرنے میں ہے''۔(۱)

۳)......وہ الکحل جو کسی بھی شراب سے نہ بنائی گئی ہو بلکہ براہ راست کسی پاک اور حلال چیز مثلاً منقی، کھجور، آلو، جو، شہد وغیرہ سے بنائی گئی ہو، یہ قسم بالاتفاق پاک اور حلال ہے۔

واضح رہے کہ مروّجہ الکحل زیادہ تر دوسری اور تیسری قسم کی ہے پہلی قسم کی نہیں کیونکہ پہلی قسم مہنگی ہوتی ہے، باقی دو اقسام ارزاں ہوتی ہیں اور عموماً اس کا استعمال زیادہ ہے، لہذا اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

"وان معظم الکحول التی تستعمل الیوم فی الادویة و العطر وغیرھا لا تتخذ من العنب اوالتمرانما تتخذ من الحبوب اوالقشوو البترول وغیرھا...... و حینئذٍ ھناك فسحة فی الاخذ بقول ابی حنیفه عند عموم البلویٰ"۔(۲)

نیز تکملہ فتح الملہم میں ہے:

وانمانبهت علی ھذ الان "الكحول" المسکرة (Alcohals) الیوم صارت تستعمل فی معظم الادویة ولاغراض کیمیاویة اخری ،ولا یستغنی عنها کثیر من الصناعات الحدیثة وقدعمت به البلویٰ واشتدت الیها الحاجة والحکم فیهاعلی قول ابی حنیفة سهل،لانهاان لم تکن مصنوعة من النئی من ماء العنب بل تصنع من غیرھاوراجعت له دائرة المعارف البریطانیة المطبوعة ۱۹۵۰م ۱:۵٤٤ فوجدت فیهاجدولًا للموادالتی تصنع منها ھذه الکحول فذکرفی جملتهاالعسل والدبس والحب و الشعیر

(۱) نوادر الفقه (۲/۳۷۲)

(۲) تکمله فتح الملهم(۳/۶۰۸)

و الجوادر و عصير اناناس(التفاح الصبوری)و السلفتات والكبريتات،ولم يذكر فيها العنب والتمر...والظاهران معظم الكحول لاتصنع من عنب ولاتمر فينبغى ان يجوز بيعها لاغراض مشروعة فی قول علماء الحنفية جميعًا۔(۱)

اشتباہ کا حکم

اگر الکحل کی قسم معلوم نہ ہوتو چونکہ اس کے ناپاک ہونے کا ظن غالب نہیں، بلکہ محض ایک شبہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ قسم اول سے ہو(جبکہ حلال الکحل کی کثرت ہے) تو محض شبہ کی بناء پر اس پر نجاست یا حرمت کا حکم نہیں لگایا جائے گا، لہذا جس دواء میں بھی ایسا الکحل ملا ہو جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ مذکورہ تینوں قسموں میں سے کس قسم کا ہے تو ایسی دواء کے کھانے اور پینے کی گنجائش ہے اور جس کپڑے کو یہ دواء لگ جائے اسے ناپاک نہ کہا جائے گا، دھوئے بغیر نماز پڑھے تو اس کی نماز ادا ہو جائے گی۔(۲)

انگریزی ادویات کا حکم

اگر انگریزی ادویات میں مذکورہ چار حرام شرابوں میں سے کوئی شراب شامل نہ ہو تو ایسی ادویات کی خرید وفروخت اور ان کا استعمال جائز ہے، مرّوجہ انگریزی ادویات میں کسی قسم کی حرام شراب شامل نہیں ہوتی، اس لئے ان کا استعمال درست ہے، واضح رہے کہ انگریزی ادویات میں بعض شرابیں شامل ہوتی ہیں لیکن وہ مذکورہ چار حرام شرابوں کے علاوہ ہیں وہ حرام نہیں ہیں۔

کفایت المفتی جدید میں ہے:

”انگریزی دواؤں میں اسپرٹ میتھی لیٹڈ کی آمیزش ہوتی ہے، جو روغنوں اور رنگوں میں ڈال کر استعمال کی جاتی ہے اور وہ شراب نہیں ہے اس لئے اس کو آمیزش سے دواؤں کی

---

(۱) تکملہ فتح الملھم (۱/۵۵۱)

(۲) نوادر الفقہ(۳/۳۷۲)

بیع و شراء ناجائز نہیں ہوتی، اور اگر ان میں مذکورہ حرام شرابوں کی آمیزش کا یقین یا غالب گمان ہو تو پھر ان کا استعمال جائز نہیں ہے اور اگر محض شبہ ہو تو بھی استعمال درست ہے۔(۱)

عزیز الفتاویٰ میں ہے:

''جس دواء میں بالیقین شراب ملی ہو اس کا استعمال مسلمانوں کو درست نہیں ہے الا ان تکون الضرورة مبیحة اور جو اشتباہ ہو تو درست ہے''۔(۲)

فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

''اگر ان میں شراب یا دیگر محرم اشیاء کا استعمال یقینی یا ظن غالب سے ثابت ہو تو بغیر شدید ضرورت کے استعمال کرنا درست نہیں، ویسے انگریزی ادویات کا استعمال مرخص ہے''۔(۳)

ہومیو پیتھک ادویات کا حکم

مروّجہ ہومیو پیتھک ادویہ کا استعمال اور انکی خرید و فروخت بھی جائز ہے، کیونکہ ان میں مذکورہ حرام شرابوں کے اجزاء شامل نہیں ہوتے، ہاں اگر کسی ہومیو پیتھک دواء میں حرام شراب یا کسی نجس چیز کی آمیزش کا یقین ہو یا ظن غالب ہو جائے تو پھر وہ حرام ہے، نہ اس کا استعمال جائز ہے اور نہ خرید و فروخت۔(۴)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

''اگر ان میں کسی ناپاک حرام چیز کی آمیزش نہ ہو تو درست ہے''۔(۵)

مذکورہ حکم ایلو پیتھک ادویہ کا بھی ہے یعنی جب تک ان میں حرام اشیاء کی آمیزش کا یقین نہ

---

(۱) کفایت المفتی جدید(۹/۱۴۹)

(۲) عزیز الفتاویٰ(ص ۷۶۰)

(۳) فتاویٰ حقانیه (۲/۳۹۷)امداد الفتاویٰ(۴ /۲۱۱،۲۱۳) و فتاویٰ رحیمیه (۱۰/۱۷۱) و منتخبات نظام الفتاویٰ (۱/۳۵۳)

(۴) ماخذہ۔ کفایت المفتی جدید(۹/۱۵۳)

(۵) فتاویٰ محمودیه (۱۸/۳۵۱)

ہو جائے، ان کا استعمال اور خرید وفروخت جائز ہے۔

کفایت المفتی جدید میں ہے:

”ایلو پیتھک اور ہومیو پیتھک ادویہ کا استعمال مباح ہے جب کہ مسکر نہ ہوں“۔(۱)

ٹینکچر (Tincture) اور اسپرٹ (Spirit) کا حکم

ٹینکچر اور اسپرٹ کا بھی وہی حکم ہے جو الکحل کا ہے، لہذا الکحل کے بارے میں جو تفصیل لکھی گئی ہے وہ بعینہ ٹنکچر اور اسپرٹ میں بھی جاری ہوگی۔ نوادر الفقہ میں ہے:

”شرعاً الکحل اور اسپرٹ کے حکم میں کوئی فرق نہیں“۔(۲)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

”تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ آج کل اسپرٹ اور الکحل کے لئے انگور اور کھجور استعمال نہیں ہوتی، لہذا شیخین ؒ کے قول کے مطابق پاک ہے“۔(۳)

اسپرٹ درحقیقت تیز قسم کی شراب ہے جو شراب پر عمل تقطیر کرنے سے تیار ہوتا ہے، گویا کہ یہ شراب کا جوہر اور روح ہے اور اس میں اتنی شدت اور تیزی ہوتی ہے کہ کوئی پی نہیں سکتا، اشد ضرورت کے وقت اس کے چند قطرے پانی میں دواء وغیرہ میں ملا کر پیتے ہیں تو شراب کا کام دیتی ہے، اسپرٹ کی تین اقسام ہیں (۱) میتھولیٹڈ اسپرٹ (۲) پرووف اسپرٹ (۳) ریکٹی فائیڈ اسپرٹ۔ ان میں سے ریکٹی فائیڈ اسپرٹ سب سے عمدہ اور مہنگی ہوتی ہے اور اکثر دواؤں میں یہی استعمال ہوتی ہے۔ اسپرٹ ہر چیپ دار چیز سے بنتی ہے جیسے، آلو، جو، گندم وغیرہ حتی کہ انگور، کھجور اور منقی سے بھی بنتی ہے۔(۴)

”طبی جوہر“ ہی میں ٹنکچر کے بارے میں لکھا ہے:

”ٹنکچر کی تو حقیقت یہی ہے کہ دواء کو اسپرٹ میں بھگو کر صاف کر لیتے ہیں اس سے دوا

(۱) کفایت المفتی جدید(۹/۲۵٦)

(۲) نوادر الفقہ(۲/۳۷۲)

(۳) احسن الفتاویٰ (۲/۹۵)

(٤) طبی جوہر ملحق بہشتی زیور نواں حصہ (ص۱۰۲)

میں سرعت نفوذ بدرجہ غایت پیدا ہو جاتی ہے"۔

منتخبات نظام الفتاویٰ میں ہے:

"آج کل جو انگریزی دواؤں میں اسپرٹ وغیرہ استعمال کیا جاتا ہے، وہ عموماً شراب نہیں ہوتی بلکہ اسپرٹ ہوتی ہے جو آلو، گیہوں وغیرہ سے بنائی جاتی ہے اس کے استعمال کرنے کی گنجائش ہے......الخ (۱)

ملاحظہ:۔ مذکورہ تفصیل اس وقت ہے کہ جن حرام اشیاء سے الکحل بنتا ہے، بنانے کے عمل سے حرام اشیاء کی حقیقت و ماہیت تبدیل نہ ہوتی ہو، ایک رائے یہ بھی ہے کہ الکحل بنانے کے عمل سے حرام اشیاء اور شراب کی حقیقت و ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے، اس سے ماہیت واقعۃً تبدیل ہوتی ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ ماہرین کر سکتے ہیں۔ تاہم اگر ماہیت واقعۃً تبدیل ہو جاتی ہے تو پھر شرعاً ہر قسم کی الکحل، اسپرٹ اور ٹنکچر حلال اور طیب ہیں، خواہ انہیں حرام شرابوں سے کشید کیا گیا ہو۔

مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ منتخبات نظام الفتاویٰ میں لکھتے ہیں:

"ابتدائی دور میں الکحل جو ہر شراب یا ردی شراب (شراب کی تلچھٹ) ہوتا تھا، اس لئے فقہاء نے اس کو شراب کا حکم دیا تھا اور اس کو ناپاک اور حرام قرار دیا تھا اور اس کا استعمال اور دواء میں استعمال بھی ناجائز قرار دیا تھا، مگر اب الکحل سائنٹفک طریقے سے بننے لگی ہے، کہ وہ شراب نہیں رہتی بلکہ سرکہ کے حکم میں ہو جاتی ہے، اسلئے جب تک دلائل شرعیہ سے یہ یقین نہ ہو جائے کہ الکحل وہی شراب کا جوہر یا تلچھٹ ہے اس وقت تک اس کا ناپاک و حرام ہونے کا اور اس کے دواء وغیرہ میں استعمال کی ممانعت یا عدم جواز کا حکم نہیں دے سکتے، اور نہ استعمال کے بعد یا جسم پر لگنے کے بعد تطہیر کا حکم دینا ضروری کہہ سکتے ہیں البتہ تقویٰ الگ بات ہوگی اور تقاضائے احتیاط کہا جائے گا، نہ کہ فتویٰ"۔ (۲)

---

(۱) منتخبات نظام الفتاویٰ (۱/۳۵۳)

(۲) منتخبات نظام الفتاویٰ (۱/۳۹۶)، نیز ملاحظہ ہو فقہی مقالات (۱/۲۵۵) اور بحوث فی قضایا فقهیه معاصره (ص ۳٤۱)

زخم پر اسپرٹ اور ٹنکچر لگانا

اسپرٹ اور ٹنکچر جراثیم کش ادویہ میں شمار ہوتی ہے اور اسے زخموں پر بھی لگایا جاتا ہے، گزشتہ تفصیل کی روشنی میں زخم پر اسپرٹ اور ٹنکچر لگانا جائز ہے۔(۱)

چولہے میں اسپرٹ کا استعمال

چولہے میں میتھی لیٹڈ اسپرٹ جلایا جاتا ہے اور یہ اسپرٹ بن جانے کے بعد مسکر نہیں رہتا، اسلئے اس کا جلانے میں استعمال جائز ہے۔(۲)

دواء میں نشہ آور اشیاء افیون، چرس، بھنگ، ہیروئن وغیرہ ملانے کا حکم

ادویات میں عموماً نشہ آور اشیاء جیسے افیون، چرس، بھنگ، جائفل اور ہیروئن بھی شامل کی جاتی ہے، شرعاً جو نشہ آور چیزیں جامد ہیں سیال اور لیکوڈ نہیں ہیں وہ اپنی ذات کے اعتبار سے پاک ہیں ناپاک اور نجس نہیں ہیں، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

اما الجامدات فلا يحرم منها الا الكثير المسكر و لا يلزم من حرمته نجاسته كالسم القاتل فانه حرام مع انه طاهر۔(۳)

لہذا شرعاً ادویات میں بقدر ضرورت انہیں شامل کرنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ اتنی مقدار میں ہو کہ جس سے نشہ پیدا نہ ہوتا ہو، اور ایسی ادویات کو بطور دواء خارجی اور داخلی دونوں طرح استعمال کر سکتے ہیں۔ اور اگر زیادہ مقدار میں شامل کی گئی جس سے نشہ پیدا ہوتا ہو تو ایسی ادویات کا استعمال جائز نہ ہوگا۔(۴)

کفایت المفتی میں ہے:

---

(۱) ماخذه فتاویٰ محمودیه جدید (۱۸/۳۶۰)

(۲) کفایت المفتی(۹/۱۵۲)

(۳) ردالمحتار(۶/۴۵۵) کتاب الاشربة (۴) ماخذه امداد الفتاویٰ (۴/۲۰۷)

سوال: یونانی ادویات میں بعض مسکرات مثلا افیون، پوست، بھنگ وغیرہ مستعمل ہیں، ان کے استعمال کی کیا شرعاً اجازت ہے؟

جواب: جس حد تک مسکر نہ ہوں ادویہ مباح ہیں۔(۱)

دوا میں حیوانی اجزاء شامل کرنے کا حکم

ادویہ کے استعمال کی دوصورتیں ہیں: (۱) داخلی استعمال (۲) خارجی استعمال

داخلی استعمال کے ممنوع ہونے کی دو وجوہ ہوتی ہیں: (۱) حرمت یعنی وہ چیز شرعاً حرام ہو (۲) نجاست وخباثت یعنی وہ چیز ناپاک ہو، نجاست کو حرمت لازم ہے لیکن حرمت کو نجاست لازم نہیں۔ اورخارجی استعمال کے ممنوع ہونے کی وجہ صرف نجس ہونا ہے۔

بہت سی ادویہ میں حیوانی اجزاء شامل کیے جاتے ہیں، جوادویہ داخلی استعمال ہوتی ہیں ان میں حیوانی اجزاء شامل کرنے کے بارے میں شرعاً یہ تفصیل ہے کہ حیوان دوقسم کے ہیں:

(۱) حلال جانور (۲) حرام جانور۔

۱...... حلال جانور کے حلال اجزاء ادویہ میں شامل کرنا مطلقاً درست ہے۔

۲...... حلال جانور میں سات اعضاء مکروہ تحریمی ہیں یعنی حرام ہیں۔(۲،۱) دونوں شرمگاہیں (۳) مثانہ (۴) غدود (۵) خصیتین (۶) پتہ (۷) بہنے والا خون۔ یہ اعضاء دواء میں شامل کرنا صحیح نہیں ہے۔

۳...... مذکورہ تفصیل اس وقت ہے کہ حلال جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کردیا گیا ہو، اگر وہ مردار ہوگیا ہو تو اس کا کوئی جزء دواء میں شامل کرنا جائز نہیں ہے۔

۴...... حلال زندہ جانور کا کوئی جزء کاٹ دیا گیا تو وہ جزء بھی حرام ہے، اس کا استعمال بھی جائز نہیں ہے۔

اورحرام جانور دوقسم کے ہیں:

(۱) نجس لعینہ جیسے خنزیر، یہ پورے وجود سمیت ناپاک بھی ہے اور حرام بھی ہے، اس کا

(۱) کفایت المفتی (۲۵۶/۹)

استعمال جائز نہیں۔

(۲) نجس لغیرہ، خنزیر کے علاوہ سب حرام جانور حرام لغیرہ ہیں۔ پھر انکی دو اقسام ہیں:

(ا) جن میں بہتا ہوا خون ہوتا ہے (۲) جن میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا۔

۵...... غیر اللہ کے نام پر ذبح شدہ جانور اور مردار جانور کا بھی یہی حکم ہے۔

۶...... بہتے خون والا جانور اگر شرعی طریقہ پر ذبح نہیں کیا گیا تو وہ ناپاک بھی ہے اور حرام بھی۔ لہٰذا دواؤں میں اس کو شامل کرنا دو وجہ سے ناجائز ہے۔

۷...... اگر بہتے خون والے جانور کو شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا ہے تو اس کا گوشت اور دوسرے اعضاء پاک و طاہر ہیں لیکن حرام اب بھی ہیں لہٰذا دواء میں ان کا استعمال حرمت کی وجہ سے ناجائز ہے۔

۸...... جن میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا جیسے دریائی جانور، زمینی کیڑے مکوڑے، یہ حرام ہیں، فی نفسہ ناپاک اور نجس نہیں۔ لہٰذا ان کا استعمال ایک وجہ سے ناجائز ہے۔

۹...... مذکورہ حکم تب ہے کہ شدید ضرورت نہ ہو، اگر شدید ضرورت ہو تو تداوی بالمحرم کی شرائط کے ساتھ مریض کے لئے حرام اجزاء استعمال کرنا جائز ہے، اور ادویہ بنانے والے کیلئے یہ حکم ہے کہ کسی خاص مریض کے لئے حرام جزء کے علاوہ کوئی دواء کارگر نہ ہو تو اس کے حرام جزء دواء میں شامل کرنا جائز ہے لیکن اگر عام حالات میں ادویہ تیار کی جارہی ہیں تو حرام اجزاء شامل کرنا جائز نہیں۔

۱۰...... سابق تفصیل میں جو صورتیں ناجائز ہیں یہ اس وقت ناجائز ہیں کہ حرام اجزاء کی حقیقت و ماہیت بالکل تبدیل نہ ہوئی ہو، اگر کسی طریقہ سے حرام اجزاء کی حقیقت و ماہیت ہی بدل گئی ہو تو اس کا استعمال جائز ہے اگرچہ خنزیر کے اجزاء ہوں، خنزیر نجس العین ہے لیکن تبدیل ماہیت سے اس کی نجاست رفع ہو جاتی ہے۔

مثلاً حرام جانور کو جلا کر راکھ کر دیا تو اس سے ماہیت بدل جائے گی، پرانی کھانسی اور دمہ کا ایک مفید علاج یہ ہے کہ کیکڑے اور کچھوے کو جلا کر شہد میں ملا کر استعمال کر لیا جائے۔

فتاویٰ محمودیہ میں اس بارے میں ہے:

”کیکڑا اور کچھوا بھی درست نہیں لیکن کیکڑا کو مار کر جلا دیا جائے تو قلب ماہیت ہو کر اس کا حکم بدل جائے گا، اس کا کھانا ممنوع نہیں ہوگا“۔(۱)

۱۱...... مذکورہ حکم داخلی استعمال کا ہے، یعنی جو صورتیں ناجائز ہیں وہ اس وقت ہیں جب دواء کو داخلاً استعمال کیا جائے، خارجی استعمال کا حکم اگلے مسئلہ میں ملاحظہ ہو۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: ”شراب کی مالش ناجائز ہے“۔(۲)

بدل المجہود میں ہے:

”فما حرم الانتفاع به مطلقًا كالخمر والخنزير والميتة حرام الانتفاع به مطلقًا كيف ما كان“۔(۳)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

”ناپاک شہد بغیر پاک کئے کسی لیپ وغیرہ میں استعمال کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، مگر نماز کیلئے اس لیپ کی جگہ کو پاک کر لیا جائے، داخلی استعمال ناپاک شہد کا بغیر پاک کئے درست نہیں“۔(۴)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

”بکری کا پتہ کھانا تو ناجائز ہے لیکن سرمہ وغیرہ میں ملا کر آنکھ میں لگانے کی گنجائش ہے“۔(۵)

خارجی و داخلی استعمال کا حکم

حرام ادویہ کا داخلی استعمال جائز نہیں ہے خواہ دواء کے تمام اجزاء حرام ہوں یا بعض حرام ہوں، ایسی دواء کے داخلی استعمال کے جواز کی دو صورتیں ہیں:

---

(۱) فتاویٰ محمودیه(۱۸/ ۳٦۷)

(۲) فتاویٰ محمودیه (۱۸/ ۳٥٦)

(۳) بذل المجهود(٥/ ٤) كتاب الطب، باب فى الادوية المكروهة

(٤) فتاوى محموديه(۱۸/ ۳٦۸)

(٥) فتاویٰ محموديه(۱۸/ ۳۷۲)

۱)......حرام جزء کی ماہیت وحقیقت میں تبدیلی ہو چکی ہو۔

۲)......حالت اضطرار یا حالت حاجت پائی جائے اور تداوی بالمحرم کی تمام شروط کا لحاظ رکھا جائے، ایسی صورت میں نجس العین خنزیر اور شراب کا داخلی استعمال بھی جائز ہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

''اگر اضطرار کی حالت ہو کہ جان بچ ہی نہ سکتی ہو تو جان بچانے کی مقدار مردار، سور، شراب کا استعمال کرنا درست ہے''۔(۱)

جہاں تک خارجاً حرام دواء کا استعمال کرنے کا تعلق ہے تو اس میں مندرجہ ذیل تفصیل ہے:

۱......نجس العین کا استعمال جائز نہیں جیسے شراب وخنزیر۔

۲......نجس الکل کا استعمال بھی جائز نہیں جیسے مردار، پیشاب یا پاخانہ۔

یہاں ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ ان کا خارجی استعمال نجاست کی وجہ سے منع ہے تو اگر نماز کے لئے صاف کر دیا جائے تو پھر استعمال جائز ہونا چاہیے۔

جواب یہ ہے کہ شریعت نے ان سے انتفاع ہی کی اجازت نہیں دی، لہذا ان سے انتفاع جائز نہیں، خواہ نماز کے وقت میں ایسا مرہم اتار دیا جائے۔

۳......نجس اور طاہر سے مخلوط مرکب دواء کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں نجس اجزاء زیادہ یا نجس اور طاہر برابر ہوں تو اس کا استعمال جائز نہیں اور اگر طاہر زیادہ اور نجس کم ہوں تو جائز ہے۔ جیسے ناپاک پانی یا وہ سرمہ جس میں پتوں کا پانی (Bile) پڑا ہو، بشرطیکہ پتوں کا پانی دواء کے دوسرے مرکبات سے کم ہو یا شراب آمیز ادویات بشرطیکہ ان میں شراب کا عنصر دوسرے اجزاء سے کم ہو۔ لیکن نماز کے لئے جسم اور بدن کو پاک کرنا ضروری ہے اور بہتر یہ ہے کہ خارجی استعمال سے بھی حتی الامکان پرہیز کیا جائے۔

خارجی وداخلی استعمال کیا ہے؟

فقہ کی اصطلاح میں خارجی وداخلی استعمال طب کی اصطلاح سے مختلف ہے، منہ اور ناک

---

(۱) فتاویٰ محمودیہ(۱۸/۳۵۲)

میں دوائی کا استعمال طب میں داخلی کہلاتا ہے لیکن فقہ میں خارجی، شریعت اسلامیہ میں صرف حلق تک یا حلق کے ذریعے پیٹ کے اندر دواء پہنچانے کو استعمال داخلی کہتے ہیں، یعنی کسی دواء کا کھانا یا پینا داخلی استعمال ہے، اس کے علاوہ دواء استعمال کرنے کے جتنے طریقے ہیں وہ خارجی استعمال کے زمرے میں آتے ہیں، جیسے مالش کرنا، منہ یا ناک میں دواء ڈالنا یا سڑکنا،، دواء سونگھنا، چبانا، کلی کرنا، کان میں دواء ڈالنا، لیپ لگانا، دھونی لینا، پیشاب کے راستہ، قبل اور دبر میں دواء ڈالنا، زخم میں دواء لگانا، ٹیکہ لگانا، وغیرہ لیکن منہ اور ناک میں دوائی ڈالنے، کلی کرنے، دھونی لینے اور دوائی سونگھنے میں اغلب یہ ہے کہ دواء حلق تک پہنچ جاتی ہے، لہذا فقہاء کرام نے اکثر کا اعتبار کرتے ہوئے ان صورتوں کو بھی داخلی استعمال کے حکم میں قرار دیا ہے، لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ ان سے بھی احتراز کیا جائے، تاہم اگر کوئی سخت احتیاط کرے اور دواء حلق میں نہ جانے پائے تو ایسے استعمال کی گنجائش ہے۔

جند بیدستر کو ادویات میں استعمال کرنا

اس زمانے میں ادویات میں جند بیدستر بکثرت استعمال کیا جاتا ہے، جند بیدستر خشک منجمد رطوبت ہے جو دریائی کتے کے مشابہ ایک جانور کے خصیوں سے حاصل کی جاتی ہے، یہ عجیب جانور ہے۔

حیوۃ الحیوان میں علامہ دمیریؒ نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ جانور سمندری کتے کے مشابہ ہے، اس کو قندر اور سمود بھی کہا جاتا ہے، سرخ رنگ کا ہوتا ہے اس کی صرف دو ٹانگیں ہوتی ہیں، اور سینہ کے بل اس طرح چلتا ہے کہ جیسے چار ٹانگوں کے سہارے چل رہا ہو، اس کی لمبی دم ہوتی ہے اور انسان کے سر کی طرح سر اور گول چہرہ ہوتا ہے، اس کے چار خصیے ہوتے ہیں دو ظاہر ہوتے ہیں اور دو اندر، ظاہری خصیتین میں جند بیدستر ہوتا ہے، اگر کوئی شکاری جند بیدستر حاصل کرنے کے لئے اس کے پیچھے آئے تو یہ بھاگ جاتا ہے، لیکن اگر محسوس ہو جائے کہ شکاری اسے پکڑ سکتا ہے تو یہ اپنے منہ سے ظاہری خصیتین کو کاٹ کر شکاری کی طرف پھینک دیتا ہے۔ اور اگر شکاری کو ظاہری خصیتین کسی وجہ سے نظر نہ آسکیں اور پھر بھی اس کے

پیچھے لگا ہو تو یہ پشت کے بل لیٹ کر شکاری کو خون دکھاتا ہے، شکاری دھوکہ میں آ کر سمجھتا ہے کہ اس نے خصیتین کو کاٹ ڈالا ہے لہٰذا وہ اس کا پیچھا چھوڑ دیتا ہے۔(۱)

مذکورہ جانور کے خصیتین (Testicles) سے حاصل ہونے والی جند بیدستر کو دواء میں استعمال کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ اجزاء حرام جانور کے ہیں البتہ جند بیدستر پاک ہے، ناپاک نہیں، لہٰذا خارجی استعمال کی گنجائش ہوگی کما ذکرنا۔(۲)

گرگٹ اور چھپکلی کا روغن دواء میں ڈالنا

گرگٹ اور چھپکلی کا روغن یونہی استعمال کرنا یا دواء میں ڈالنا صحیح نہیں ہے البتہ اگر اس کو جلا دیا جائے پھر اس کے ذرات دواء یا تیل میں شامل کئے جائیں تو یہ جائز ہے، جلانے سے قلب ماہیت ہو جاتی ہے۔(۳)

مٹی سے دانت صاف کرنے کا حکم

اگر دانت پر مٹی ملنے سے فائدہ ہوتا ہو، درد کی شکایت دور ہوتی ہو یا دانت صاف ہوتے ہوں تو اس مقصد کے لئے مٹی سے دانت ملنا جائز ہے مگر اسے حلق سے نیچے نہ اتارے، کلی کر کے تھوک دینا چاہئے۔(۴)

بواسیر اور دیگر امراض کے علاج کیلئے چاندی کے چھلے یا انگشتری وغیرہ پہننا

بعض لوگ بواسیر اور دیگر امراض کے علاج کے لئے چاندی اور دیگر دھات کے بنائے گئے چھلے اور انگوٹھیاں پاؤں اور ہاتھوں میں پہنتے ہیں، شرعاً تین شرائط کے ساتھ اس کی اجازت ہے:

---

(۱) حیوۃ الحیوان (۱/۳۰۸) باب الجیم

(۲) ماخذہ امداد الفتاویٰ (۴/۲۱۰) فتاویٰ حقانیہ (۲/۴۰۷) و فتاویٰ محمودیہ (۱۸/۳۶۹)

(۳) امداد الاحکام (۴/۳۱۶)

(۴) امداد الاحکام (۴/۳۱۶)

۱)...... چھلے اور انگوٹھی قدرے ڈھیلے ہوں اور وضو و غسل کے وقت ان کو ہلایا جا سکے تا کہ پانی اندر پہنچ جائے، اگر وہ سخت اور کسے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے جسم تک پانی نہ پہنچتا ہو تو ان کا استعمال جائز نہیں۔

۲)...... چھلوں اور انگوٹھیوں کے علاوہ اس جیسا نافع علاج موجود نہ ہو اگر اس جیسا علاج موجود ہے تو پھر ان کا استعمال جائز نہیں، کیونکہ اس میں عورتوں کے ساتھ تشبہ ہے۔(۱)

۳)...... چھلے اور انگوٹھی کو دواء کی طرح ایک سبب کے طور پر پہنا جائے، اسے مؤثر بالذات نہ سمجھا جائے، ورنہ اس کا استعمال جائز نہیں۔

نومولود کی جھلی سے جلن کا علاج

بعض اطباء ولادت کے بعد رحم کی جھلی کو نکال لیتے ہیں پھر اسے مختلف ادویہ اور مسالہ جات میں شامل کر دیتے ہیں، جس سے مرہم کی طرح ایک لیس دار مادہ تیار ہو جاتا ہے، اگر کوئی آگ سے جل جائے تو یہ جھلی سے تیار شدہ مرہم جلن کی جگہ لگا لیتے ہیں جس سے زخم جلدی بھر آتا ہے، چونکہ یہ خارجی استعمال ہے اور جھلی خود پاک ہے اگر چہ حرام ہے لہذا اس کے استعمال کی اجازت ہے۔(۲)

جلاٹین (Gelatin) ملی ادویہ کا حکم

جلاٹین (Gelatin) ایک مخصوص قسم کا خمیرہ ہے، جو مختلف جانوروں کی کھال، ہڈیوں اور جوڑنے والی سفید بافتوں (Tissues) میں موجود چپچپے مادے سے حاصل کیا جاتا ہے، اور اس کے لئے تیزاب اور شورے سے مدد لی جاتی ہے۔

جلاٹین بعض غذاؤں اور ادویہ میں شامل کیا جاتا ہے تا کہ وہ دیر پا ہوں اور جلد خراب نہ ہوں۔

---

(۱) امداد الاحکام (٤ /٣٥٢)

(۲) ماخذہ:۔ فتاویٰ رحیمیہ (۱۰ /۱۷۷)

پھر اس جلاٹین سے جہاں دوا کے خالی کیپسول بنائے جاتے ہیں وہیں گولیوں پر اس کی تہہ چڑھائی جاتی ہے اور اس کو مقعد میں رکھی جانے والی دواء میں بھی ملایا جاتا ہے۔ خود پاکستان میں تیار ہونے والی جلاٹین عام طور پر ذبح شدہ حلال جانوروں سے حاصل کیا جاتا ہے، لہذا وہ جلاٹین بھی حلال ہے اور جن اشیاء خورد ونوش میں جلاٹین کی آمیزش ہوتی ہے وہ بھی حلال وطیب ہے۔

لیکن غیر مسلم ممالک میں جلاٹین خنزیر اور غیر مذبوحہ اور حرام جانوروں کی کھالوں، ہڈیوں اور بافتوں سے حاصل کی جاتی ہے، اور اس جلاٹین سے تیار کردہ مصنوعات مسلم ممالک میں بھی بھیجی جاتی ہیں اور امریکہ، یورپ اور دوسرے غیر مسلم ممالک میں رہائش پذیر مسلمانوں کا اس سے بکثرت واسطہ پڑتا ہے، ایسے جلاٹین کا کیا حکم ہے؟ مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کی قرارداد میں اسے مطلقاً حلال اور طیب لکھا ہے۔

"الجيلاتين المتكون من استحالة عظم الحيوان النجس وجلده و اوتاره : طاهر واكله حلال"۔(۱)

لیکن صحیح یہ ہے کہ حلال اور مذبوحہ جانوروں کے اجزاء سے حاصل کردہ جلاٹین حلال اور طیب ہے اور حرام ومردار سے حاصل کردہ جلاٹین کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس کے بنانے کے عمل سے انقلاب حقیقت وماہیت ہوا ہو تو حلال وطیب ہے ورنہ نہیں۔

فقہی مقالات میں ہے:

"اگر خنزیر سے حاصل شدہ عنصر کی حقیقت اور ماہیت کیمیاوی عمل کے ذریعہ بالکل بدل چکی ہو تو اس صورت میں اس کی نجاست اور حرمت کا حکم بھی ختم ہو جائے گا اور اگر اس کی حقیقت اور ماہیت نہیں بدلی تو پھر وہ عنصر نجس اور حرام ہے اور جس چیز میں وہ عنصر شامل ہوگا وہ بھی حرام ہوگی"۔(۲)

آیا کیمیاوی عمل کے ذریعہ اس حرام عنصر کی حقیقت بدل جاتی ہے یا نہیں؟ یہ فیصلہ ماہرین ہی کر سکتے ہیں، لیکن مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہ کی رائے یہ ہے کہ اس سے ماہیت

(۱) الفقه الاسلامی وادلته (۷/ ۵۲٦٥) للزهيلی

(۲) فقهی مقالات (۱/ ۲۵۵) وكذا فی بحوث فی قضايا فقهية معاصره (ص ۳٤۱)

نہیں بدلتی وہ لکھتے ہیں:

انسان اور خنزیر کے علاوہ کسی بھی جانور کی کھال دباغت یعنی Tanning سے پاک ہو جاتی ہے، اور کھال کی کولاجن (Collajan) سے جیلاٹین بنتا ہے اس لئے بعض حضرات کا خیال ہے کہ پانی اور تیزاب کے ذریعہ کولاجن جس کیمیائی عمل Chemmical process سے گزرتا ہے اس سے کولاجن کی دباغت یا قلب ماہیت ہو جاتی ہے، اور نتیجہ میں حاصل ہونے والا جیلاٹین پاک اور حلال ہے لیکن یہ رائے قابل تسلیم نہیں کیونکہ کولاجن پر ہونے والا عمل جزوی Hydrolysis ہے جس سے کولاجن پانی کی موجودگی میں کولاجن جیسے چپچپے مادے سے نسبتاً سادہ جزو جیلاٹن حاصل ہوتا ہے اس عمل کو دباغت کہنا یا قلب ماہیت کہنا دونوں درست نہیں۔

یہ عمل دباغت نہیں کیونکہ دباغت میں کھال وغیرہ میں جو رطوبتیں ہوتی ہیں ان کو دور کیا جاتا ہے، جبکہ جیلاٹن کے عمل میں پانی کے استعمال کی وجہ سے کسی مرحلہ میں بھی رطوبتوں کو دور نہیں کیا جاتا بلکہ جیلاٹن تو خود کولاجن کی طرح کی چپچپی رطوبت ہی ہوتی ہے جس کو کیپسول کی شکل میں سکھایا جاتا ہے اور کیپسول کے تر ہوتے ہی چپچپاہٹ نمایاں ہو جاتی ہے علاوہ ازیں کولاجن اگر خنزیر کی کھال سے حاصل کیا ہو تو وہ تو عمل دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتا۔

اس عمل کو قلب ماہیت بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ حرام شے کی حلال شے کی طرف قلب و ماہیت میں یہ بات ضروری ہے کہ شے کے سابقہ خواص ختم ہو کر نئے خواص پیدا ہو گئے ہوں جیسا کہ مردار کے نمک میں اور چربی کے صابن میں اور شراب کے سرکہ میں تبدیل ہونے کی صورت میں دیکھا جاتا ہے جب کہ کولاجن سے جب جیلاٹین حاصل ہوتا ہے تو اس کی اصل خاصیت مثلاً چپچپاہٹ اسی طرح برقرار رہتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلب ماہیت کا عمل نہیں ہوا ہے۔

علاوہ ازیں دباغت سے مردار اور حرام کھال وغیرہ پاک تو ہو جاتی ہے لیکن حلال اور کھانے کے قابل پھر بھی نہیں رہتی، لہذا کیپسول کے بارے میں دباغت کی توجیہ

ویسے ہی بے فائدہ ہے۔(۱)

خلاصہ یہ کہ اگر یقین یا غالب گمان ہو جائے کہ جلاٹین حلال اجزاء سے حاصل کردہ ہے تو ایسا جلاٹین اوراس کی آمیزش سے تیار ہونے والی اشیاء حلال ہیں اوراگر یقین وغالب گمان ہو کہ حرام اجزاء سے کشید کیا ہے تو وہ حرام ہے، اگر صحیح معلوم نہ ہوں تو پاکستان اور دوسرے مسلم ممالک کا تیار کردہ جلاٹین حلال ہے، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ حلال اجزاء سے بنا ہوگا، اور غیر مسلم ممالک میں تیار شدہ جلاٹین اور ایسی مصنوعات حلال نہیں، ان سے احتراز ضروری ہے۔ البتہ حاجت شرعیہ کے وقت تداوی بالمحرم کی شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

انسولین (Insulin) کا حکم

انسولین (Insulin) دو قسم کی ہوتی ہے:

۱)......Humilin جو جانوروں کے لبلبہ (لیس دار مادہ) سے حاصل کی جاتی ہے۔

۲)......جو مصنوعی طریقوں سے حاصل کی جاتی ہے، دوسری قسم حلال اور طیب ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی حرام عنصر شامل نہ ہو خواہ غیر مسلم ممالک میں تیار ہوتی ہو، اور پہلی قسم کا وہی حکم ہے جو جلاٹین کا ہے، جس کی تفصیل آچکی ہے، خنزیر سے حاصل کی گئی انسولین حرام ہے، اسی طرح یورپ وغیرہ میں گائے وغیرہ حلال جانور سے جو انسولین حاصل کی جاتی ہے وہ بھی حرام ہے کیونکہ وہاں شرعی ذبح نہیں ہوتا۔(۲)

ہاں بوقت ضرورت شرعیہ وحاجت شرعیہ تداوی بالمحرم کی شرائط کے مطابق حرام انسولین کے استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

"الانسولین الخنزیری المنشاء یباح لمرضی السکری التداوی به للضرورة بضوابطها الشرعیة"۔(۳)

---

(۱) مریض ومعالج کے اسلامی احکام (ص ۳٤۹و۳۵۰)

(۲) ماخذہ: مریض معالج کے اسلامی احکام (ص۳٤٤)

(۳) الفقه الاسلامی وادلته (۷/۵۲٦۵)

انجکشن کے ذریعہ بال سیاہ کرنا

اب انجکشن کے ذریعہ بھی سفید بالوں کو سیاہ کیا جاتا ہے، انجکشن میں مخصوص قسم کی محلول شامل کرلی جاتی ہے اس سے بدن کے سفید بال سیاہ ہوجاتے ہیں، شریعت نے جس علت کے پیش نظر طبعی سفید بال سیاہ کرنے سے منع کیا ہے وہ علت اور وجہ یہاں بھی موجود ہے غرضیکہ سفید بالوں کو سیاہ کرنا جائز نہیں ہے خواہ اس کا طریقہ کوئی بھی ہو۔

بالوں کے خضاب کے بارے میں تفصیل بندہ کی کتاب ''مسائل خضاب'' میں ملاحظہ ہو۔(۱)

---

(۱) یہ کتاب بھی ''مکتبہ عثمانیہ راول پنڈی'' سے پرنٹ ہوچکی ہے، مکاتب میں دستیاب ہے۔ ناشر

(۱۱)

اتحاف اللبیب فی ضمان الطبیب

ڈاکٹر پر ضمان اور اس کا حکم

ڈاکٹر کے ہاتھ سے مریض اگر ہلاک ہو جائے یا اس کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو ڈاکٹر پر ضمان ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل آگے آیا چاہتی ہے۔ پہلے ڈاکٹر کے ضمان کے سلسلے میں اصولی احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول الله ﷺ قال: من تطبب ولم یعلم منه طب فهو ضامن، قال نصر حدثنی ابن جریج قال ابو داؤد: وهذا لم یروه الا الولید لا ندری صحیح هو ام لا؟(۱)

(۱) ابوداؤد(۲/۲۸۵) کتاب الدیات باب فیمن تطبب ولا یعلم منه طب فاعنت، وسنن ابن ماجة، ابواب الطب(ص۲۴۸) باب من تطبب ولم یعلم منه طب، ومستدرك الحاکم (۵/۱۳۷) کتاب الطب الاول، رقم الحدیث ۷۶۴۵ وقال الحاکم: هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه ووافقه الذهبی فی التلخیص: صحیح وسنن النسائی (۲/۲۴۹) باسنادین مختلفین، کتاب الدیات، صفة شبه العمد وعلی من دیة الاجنة والدارقطنی (۳/۱۹۵-۱۹۶) (۳۳۵-۳۳۶) و(۴/۲۱۵-۲۱۶) (۴۲-۴۴) والسنن الکبری للبیهقی (۸/۱۴۱) قال محمد عوامة فی تحقیق مصنف ابن ابی شیبه (۱۴/۲۱۲) کتاب الدیات، وقد اعلّه ابوداؤد فقال لم یروه الا الولید، لا ندری هو صحیح ام لا؟ وکأنه یرید: لم یروه سندًا الا الولید بدلیل قول الدارقطنی: لم یسنده عن ابن جریج غیر الولید بن مسلم، و غیره یرویه عن ابن جریج عن عمرو بن شعیب مرسلاً عن النبی ﷺ وجید البیهقی مرسلاً علی وجه اخر فقال: رواه محمود بن خالد عن الولید عن ابن جریج عن عمر بن شعیب عن جده عن النبی ﷺ، لم یذکر اباه، مع ان روایة محمود بن خالد رواها النسائی فی الصغری(۴۸۳۱) وفیه عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص طب کا شعبہ اختیار کر کے علاج و معالجہ کرے حالانکہ اس کو طب آتی نہیں تو اس پر ضمان واجب ہے۔

زادالمعاد کے محقق و معلق مصطفیٰ عبدالقادر عطا اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"وهذاالحديث اصل من اصول الطب فى الاسلام"۔(۱)

یعنی اس حدیث میں اسلامی طب کے اصول میں سے ایک اصول بیان کیا گیا ہے۔

☆ مذکوہ حدیث میں تطبب کا لفظ آیا ہے، یہ باب تفعل کا مصدر ہے اور باب تفعل میں تکلف کا معنی پایا جاتا ہے یعنی وہ طبابت کا اہل نہیں لیکن اس میں زبردستی گھسنے اور داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

قوله عليه الصلوٰة والسلام "من تطبب" ولم يقل: من طب۔ لان لفظ التفعل يدل على تكلف الشئى والدخول فيه بعسر وكلفة وانه ليس من اهله، كتحلم وتشجع وتصبرونظائرها، وكذلك بنواتكلف على هذاالوزن، قال الشاعر

وقيس غيلان ومن تقيّسا۔(۲)

(۲)عبدالعزيزبن عمربن عبدالعزيز حدثنى بعض الوفد الذين قدمواعلى ابى قال: قال رسول الله ﷺ: ايماطبيب تطبب على قوم لايعرف له تطبب قبل ذلك فاعنت فهو ضامن، قال عبدالعزيز: امااته ليس بالنعت انماهوقطع العروق والبط والكى۔(۳)

عمر بن عبدالعزیزؒ کے بیٹے عبدالعزیز سے روایت ہے کہ میرے والد کے پاس ایک وفد ملنے آیا تھا، وفد میں بعض نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص لوگوں کا علاج

(۱) زادالمعاد(۱۵۹/٤)

(۲) زاد المعاد(۱٦۱/٤)

(۳) ابوداؤد(۲۸۵/۲) كتاب الديات، باب فيمن تطبب ولايعلم منه طب فاعنت و مصنف ابن ابى شيبه(۲۱۱/۱٤) كتاب الديات، الباب۱۲۹ الطبيب والمداوى والخاتن رقم الحديث ۲۸۱٦٤۔

کرے جبکہ وہ علاج معالجہ میں معروف ومشہور نہیں ہے اوراس نے مریض کوضرر پہنچایا تو اس پر ضمان ہے۔

(٣)عبدالرزاق عن ابن جريج قال:اخبرني عبدالعزيز بن عمرعن كتاب لعمر بن عبدالعزيز فيه: بلغناان رسول الله ﷺ قال:ايما متطبب لم يكن بالطب معروفًا يتطبب على احدمن المسلمين بحديده النماس المثاله فاصاب نفسافمادونهافعليه دية ما اصاب۔(١)

رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایاہے کہ جوشخص صحیح اورمستندطبیب نہ ہواوروہ اپنے کسی بھی کاٹنے والے اوزار سے مسلمانوں کا علاج کرے اوراس سے پورانفس یا کوئی عضو ضائع ہوجائے تواس پراس کی دیت واجب ہے۔

(٤)عن ابن مجاهد عن ابيه ان علياً قال في الطبيب:ان لم يشهد على ما يعالج فلا يلومن الا نفسه يقول:يضمن۔(٢)

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگرطبیب اجازت لے کرعلاج نہ کرے تواس کوخود ملامت کا سامنا ہوگا،اورضمان دیناہوگا۔

(٥)عن الضحاك بن المزاحم قال: خطب على الناس فقال: يامعشر الاطباء ، البياطرة والمتطببين من عالج منكم انساناودابة فليأخذه لنفسه البراءة فانه ان عالج شيئاولم يا خذلنفسه البراءة فعطب فهوضامن۔ (٣)

حضرت علیؓ نے اطباء وڈاکٹروں اوردوائی دینےوالوں کومخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے جوبھی کسی انسان یا جانور کا علاج کرے تو پہلے اس کی اجازت لے لیا کرے کیونکہ جوبغیراجازت کےعلاج کرےاورمریض ہلاک ہوجائے تواس پرضمان ہے۔

(٦)عن ابى مليح بن اسامة ان عمر بن الخطاب ضمن رجلا كان يختن

(١) مصنف عبدالرزاق(٤٧٠/٩) كتاب العقول،باب الطبيب رقم الحديث ١٨٠٤٤۔

(٢) مصنف عبدالرزاق(٤٧١/٩) كتاب العقول باب الطبيب رقم الحديث ١٨٠٤٥

(٣) مصنف عبدالرزاق(٤٧١/٩) كتاب العقول باب الطبيب رقم الحديث ١٨٠٤٦

الصبیان فقطع من ذکر الصبی فضمنه،قال معمر: سمعت غیر ایواب یقول کانت امرأة تخفض النساء فاعنقت جاریة فضمنها عمر -(۱)

ایک شخص بچوں کا ختنہ کیا کرتا تھا اس نے بچے کا ذکر کا کچھ حصہ کاٹ ڈالا تو حضرت عمرؓ نے اس پر ضمان کا فیصلہ فرمایا۔

ڈاکٹر پر وجوب ضمان اور اس کی تفصیل

اگر طبیب یا ڈاکٹر کے علاج سے کوئی شخص مر جائے، یا اس کا کوئی عضو تلف ہو جائے تو ڈاکٹر یا طبیب پر کب ضمان واجب ہوگا اور کب نہیں اور قانوناً اس کو سزا (تعزیر) بھی دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ طبیب اور ڈاکٹر کی دو اقسام ہیں۔(۱) حاذق (سند یافتہ) (۲) جاہل (غیر سند یافتہ) جسے جعلی، اتائی اور عطائی ڈاکٹر بھی کہا جاتا ہے۔

طبیب حاذق کا حکم

اس کے احکام مندرجہ ذیل ہیں:

۱)......حاذق: یعنی سند یافتہ ڈاکٹر اور طبیب کے لئے شرعاً، قانوناً اور اخلاقاً طب اور علاج ومعالجہ کا پیشہ اختیار کرنا اور مریضوں کا علاج کرنا جائز ہے۔

۲)......اگر اس کے علاج سے کوئی مر جائے یا مریض کا کوئی عضو تلف ہو جائے تو دو شرائط کے ساتھ اس پر ضمان نہیں آتا: (۱) مریض کے ولی نے علاج کی اجازت دی ہو (۲) علاج اصول طب کے مطابق کیا ہو۔

اگر مریض یا ولی کی اجازت سے اصول طب کے مطابق علاج کیا اس کے باوجود نقصان ہوا تو ڈاکٹر پر اس لئے ضمان نہیں کہ اس کی طرف سے کوئی کمی کوتاہی سامنے نہیں آئی، ڈاکٹر نے نہ غفلت برتی اور نہ بے پرواہی کی، اس کے باوجود دواء سے نقصان پہنچنا من جانب اللہ اور قدرتی

(۱) مصنف عبدالرزاق (۹/۴۷۱) کتاب العقول باب الطبیب رقم الحدیث ۱۸۰۴۷

چیز ہے، مثنوی میں ہے:

چوں قضا آید طبیب ابله شود

یعنی جب اللہ کا فیصلہ آتا ہے تو ڈاکٹر اور طبیب نادان اور لاعلم ہو جاتا ہے۔

اور اگر مذکورہ دو شرائط میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو تو طبیب پر ضمان واجب ہے پھر ضمان کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مریض یا اسکے ولی کی اجازت کے بغیر علاج کیا تو پورا ضمان واجب ہے اور اگر ان کی اجازت سے کیا ہو تو اس کی مزید دو صورتیں ہیں:

۱)......علاج کا پورا طریقہ اور عمل اصول طبیہ کے خلاف ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مریض ہلاک ہو گیا تو پوری دیت واجب ہے اور اگر کوئی عضو تلف ہو گیا تو جو عضو تلف ہوا ہے صرف اس کا ضمان واجب ہے۔

۲)......کچھ عمل اصول طب کے مطابق کیا اور کچھ اس کے خلاف کیا اور مریض ہلاک ہو گیا تو نصف دیت واجب ہوگی اور اگر عضو تلف ہو گیا تو پورا ضمان واجب ہوگا، اور اگر عضو مکمل تلف نہ ہوا بلکہ اس میں نقصان آ گیا تو موضع معتاد سے تجاوز کی وجہ سے جو نقصان ہوا اس کی بقدر ضمان آئے گا۔

ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

ولاضمان على حجام ولاختان ولامتطبب اذاعرف منهم حذق الصنعة ولم تجن ايديهم،وجملته:ان هؤلاء اذا فعلوا ماامروا به لم يضمنوا بشرطين، احدهما ان يكونوا ذوى حذق فى صناعتهم ولهم بها بصارة ومعرفة لانه اذا لم يكن كذلك لم يحل له مباشرة القطع واذا قطع مع هذا كان فعلا محرما فيضمن سرايته كالقطع ابتداءً الثانى،ان لاتجنى ايديهم فيتجاوزوامايبنغى ان يقطع فاذا وجدهذاالشرطان لم يضمنوا لانهم قطعواقطعاما ذونا فيه فلم يضمنواسرايته كقطع الامام يد السارق اوفعل فعلا مباحاما ذونافى فعله اشبه ما ذكرنا فامان كان حاذقاوجنت يده مثل ان تجاوز قطع الختان الى الحشفة او الى بعضها اوقطع فى غيرمحل

القطع اویقطع السلعة من الانسان فیتجاوزھا او یقطع بالة کالة یکثر المھا اوفی وقت لایصلح القطع فیه واشباہ ھذا ضمن فیه کله لانه اتلاف ولایختلف ضمانه بالعمد والخطاء فاشبه اتلاف المال ولان ھذا فعل محرم فیضمن سرایته کالقطع ابتداء وکذلك الحکم فی النزاع وا لقاطع فی القصاص وقاطع ید السارق وھذا مذھب الشافعی و اصحاب الرأی ولا نعلم فیه خلا۔(۱)

طبیب جاہل کا حکم

اس کے احکامات مندرجہ ذیل ہیں:

۱)......طبیب جاہل کے لئے طب کا پیشہ اختیار کرنا اور لوگوں کا علاج کرنا شرعاً، قانوناً اوراخلاقاً جائز نہیں ہے، ایسا طبیب ہرصورت قابل تعزیر ہے، اور حکومت وقت پر لازم ہے کہ اس پر پابندی لگائے، جاہل شخص کا علاج کرنا اللہ تعالیٰ کے ارشاد:﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ﴾ میں داخل ہے۔(۲)

"بل یمنع مفت ماجن یعلم الحیل الباطلة کتعلیم الردة لتبین من زوجھا او تسقط عنھاالزکوٰۃ وطبیب جاھل ومکارٍ مفلس"۔

" فی الشامیة(قوله بل یمنع) اشاربه الی انه لیس المراد به حقیقة الحجر و ھو منع الشرعی الذی یمنع نفوذ التصرف،لان المفتی لوافتی بعد الحجر و اصاب جاز وکذ الطبیب لو باع الادیة نفذ فدل ان المراد المنع الحسی کما فی الدرعن البدائع (قوله وطبیب جاھل)بان یسقیھم دواء مھلکا واذا قوی علیھم لایقدر علی ازالة ضررہ زیلعی۔(۳)

۲)......اگراس کے علاج سے کسی کا کوئی نقصان نہ ہوتو اس پرضمان نہیں ہے، اگرچہ اس کا

(۱) المغنی لابن قدامة(۳۲۱/۵)کتاب الاجارات

(۲) سورۃ الاسراء:۳٦

(۳) الدر المختار(۱٤۷/٦)کتاب الحجر،

عمل خلاف شروع وقانون تھا۔حدیث میں "فعاعنت فھو ضامن" کے الفاظ آئے ہیں، یعنی جب وہ مریض کو ضرر اور نقصان پہنچادے تو ضمان ہے، معلوم ہوا کہ اگر نقصان نہیں پہنچایا تو ضمان نہیں ہے۔

☆اگر مریض کو معلوم تھا کہ یہ جاہل ہے، اس کے باجود اس سے علاج کرایا اور نقصان ہوگیا تو ڈاکٹر پر ضمان نہیں ہے، ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب لکھتے ہیں۔

عطائی کے ہاتھوں کوئی مریض مرگیا یا اس کا کوئی عضو تلف ہوگیا تو ااگر مریض کو علم تھا کہ وہ جاہل ولاعلم ہے اور اسکے باوجود اس نے عطائی کو علاج کی اجازت دے دی تو عطائی پر ضمان نہیں ہوگا۔(۱)

اور اگر مریض نے اسے مستند ڈاکٹر سمجھ کر علاج کی اجازت دی اور وہ ہلاک ہوگیا یا نقصان ہوگیا تو اس پر ہر صورت ضمان واجب ہے خواہ اصول طب کے مطابق علاج کرے یا ان کے خلاف، اور خواہ مریض یا اس کے ولی کی اجازت سے علاج کرے یا بلا اجازت۔

ضمان کس صورت میں ہے؟

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوگیا کہ نقصان کی صورت میں جاہل طبیب پر اور علاج ومعالجہ میں کوتاہی کی وجہ سے سند یافتہ ڈاکٹر اور طبیب پر ضمان ہوتا ہے، اب یہ بحث رہ جاتی ہے کہ علاج کی کس صورت میں ضمان واجب ہے، اور کس صورت میں نہیں؟ علاج کی دو صورتیں ہیں:

۱)......وہ علاج جس میں بلا واسطہ ڈاکٹر کا ہاتھ استعمال ہوتا ہے، مثلاً آپریشن کیا یا انجکشن لگایا ہے یا اپنے ہاتھ سے دوا پلائی۔اسی طرح ختنہ کرنا، مریض کو داغنا، رگ کاٹنا، زخم چیرنا وغیرہ، بعض اوقات مریض کو اپنے ہاں داخل کردیا جاتا ہے، اور ڈاکٹر خود اس کو دوائی وغیرہ دیتا ہے، یا نرس یا کمپوڈر یا اپنے کسی آدمی کے ذریعے کھلاتا ہے یا ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق تیماردار کھلاتے ہیں، چونکہ یہ علاج ڈاکٹر کے زیر سایہ ہوتا ہے اس لئے اس کی نسبت بھی ڈاکٹر کی ہی طرف ہوگی۔

---

(۱) مریض و معالج کے اسلامی احکام (ص:۳۱۲)

۲)......جس میں ڈاکٹر کا ہاتھ براہ راست استعمال نہ ہو جس کی مندرجہ ذیل اقسام بنتی ہیں:

۱......ڈاکٹر نے زبانی دوا بتادی اور مریض خود جا کر دوا خریدے اور استعمال کرے۔

۲......ڈاکٹر نے پرچی پر دوا اور اس کا طریقہ استعمال لکھ دیا اور مریض نے جا کر اس کے مطابق دوا خرید کر استعمال کر لی۔

۳......ڈاکٹر نے کچھ دوا اپنی طرف سے دے دی اور کچھ بازار سے خریدنے کا حکم دے دیا۔

۴......طبیب نے ساری دوا از خود تیار کر کے مریض کو دی اور اس نے خود استعمال کی۔

۵......مذکورہ صورتوں میں مریض کے ولی وغیرہ نے مریض کو دوا پلا دی۔

شرعی حکم

پہلی صورت میں بالاتفاق ڈاکٹر پر ضمان واجب ہے البتہ دوسری صورت کے بارے میں اختلاف ہے اس بارے میں دو قول ہیں:

۱)......اس صورت میں بھی ڈاکٹر پر ضمان واجب ہے۔

۲)......ڈاکٹر پر ضمان نہیں ہے البتہ تعزیرًا سزا دی جا سکتی ہے۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اعلاء السنن (۲۳۸/۱۸) کتاب الجنایات اور مولانا مفتی رشید احمد نے احسن الفتاویٰ میں یہی موقف اختیار کیا ہے، مفتی رشید احمدؒ لکھتے ہیں:

''وجوب ضمان اس صورت میں ہے کہ علاج میں ڈاکٹر یا طبیب کا اپنا ہاتھ استعمال ہوا ہو مثلاً آپریشن کیا ہو یا انجکشن لگایا ہو یا اپنے ہاتھ سے دواء پلائی ہو، اگر دواء بنا کر یا لکھ کر مریض کو دے دی، مریض نے خود اپنے ہاتھ سے دواء پی تو ضمان واجب نہ ہوگا، البتہ تعزیر ہر صورت میں ہے، اس موقف کے قائل حضرات نے تین دلائل پیش کیے ہیں''۔(۱)

امام ابوداؤدؒ عمر بن عبدالعزیزؒ کے صاحبزادے عبدالعزیز کا قول نقل کرتے ہیں:

" قال عبد العزيز: اما انه ليس بالنعت ، انما هو قطع العروق والبط و

(۱) احسن الفتاوی (۵۱۸/۸)

الکی"۔(۱)

ڈاکٹر پر ضمان محض بتانے اور بیان کرنے سے نہیں آتا بلکہ رگوں کو کاٹنے، چیرنے اور داغنے سے آتا ہے۔

امام سہارنپوریؒ لکھتے ہیں:

"اما انه لیس بالنعت ای حکم الضمان لیس بالوصف باللسان وکذا حکم الکتابة فانه اذاوصف الدواء لانسان فعمل بالمریض فهلك لایضمن الطبیب الدیة انماهوای حکم الضمان قطع العروق والبط ای الشق والکی بالنار"۔ (۲)

ہومیو پیتھک ڈاکٹر کا بلا اجازت ایلو پیتھک پریکٹس کرنا

اس زمانے میں مختلف طرق علاج ہیں، حکمت، طب، ہومیو پیتھک، ایلو پیتھک وغیرہ، مذکورہ تفصیل کے مطابق ڈاکٹر نے جو طریقہ علاج باقاعدہ سیکھا ہے اور اس کا اجازت نامہ حاصل کیا ہے وہ صرف اس طریقہ علاج کو ذریعہ معاش بنا سکتا ہے اور صرف اس کی پریکٹس کر سکتا ہے، دوسرے طرق علاج میں وہ غیر سند یافتہ شمار ہوگا، مثلاً ایک شخص نے ہومیو پیتھک طریقہ علاج سیکھا ہے اور رجسٹرڈ ادارہ نے اس کو سند دی ہے تو اس کے لئے بلا اجازت ایلو پیتھک طریقہ علاج اختیار کرنا اور مذکورہ سند واجازت نامہ کو آڑ بنانا ناجائز ہے۔

ڈاکٹر کی غفلت پر ملنے والا ضمان وصول کرنا

ڈاکٹر کی شرعی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ مریض کی قوت تحمل و برداشت کے مطابق دوا دے، پہلے زود اثر اور بے ضرر یا کم ضرر دوا دے، اور بتدریج سخت دوا کی طرف جائے، نارمل ادویہ کے ہوتے ہوئے سخت دوا تجویز کرنا صحیح نہیں ہے، بعض اوقات مریض کو سخت دوا سے بطور ضمنی

---

(۱) سنن ابی داؤد (۲۸۵) کتاب الدیات

(۲) بذل المجهود۔(۱۸۷/۵)

اثر (Side effect) دوسرا خطرناک مرض بھی لاحق ہوسکتا ہے، اگر ڈاکٹر کی غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے مریض دوسرے مرض میں مبتلا ہو گیا تو ڈاکٹر سے اس کا تاوان اور ضمان وصول کرنا شرعا جائز ہے، اسی طرح اگر قانونًا عدالت کی طرف سے ڈاکٹر پر ضمان لاگو ہوتا ہو تو اس کا لینا بھی درست ہے۔

فتاویٰ رحیمیہ جدید میں ہے:

"اگر ڈاکٹر کا جرم ثابت ہوجائے اور اس کے جرم کی وجہ سے تاوان اور جرمانہ مل رہا ہے وہ آپ لے سکتے ہیں"۔(۱)

عطائی ڈاکٹر پر پابندی

جو شخص علاج معالجہ کا اہل نہ ہو، اس کے لئے مطب اور کلینک کھولنا اور طب وعلاج کا پیشہ اختیار کرنا شرعًا، اخلاقًا اور قانونًا جائز نہیں ہے۔ فقہاء کرامؒ نے کتاب الحجر میں تصریح فرمائی ہے کہ امام وقت کو تین قسم کے افراد پر پابندی لگانی چاہئے:

(۱) باطل حیلے بتانے والا مفتی (۲) جاہل طبیب (۳) دیوالیہ ٹھیکیدار۔

امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

" فالمفتي الماجن يفسد على الناس دينهم ، والمتطبب الجاهل يفسد ابدانهم ...... فيمتنعون من ذلك دفعا للضرر"۔(۲)

یعنی حیلہ باز مفتی لوگوں کا دین اور جاہل طبیب ان کا بدن خراب کرتا ہے لہذا لوگوں کو ضرر سے بچانے کے لئے ان پر پابندی لگانی چاہئے۔

☆ ہمارے ملک میں غیر مستند ڈاکٹر کو علاج ومعالجہ اور پریکٹس کی اجازت نہیں ہے، اور یہ جائز قانون ہے، اس پر عمل کرنا ضروری ہے جو غیر مستند ڈاکٹر علاج معالجہ کرتا ہے وہ حکومت کے جائز قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہر صورت گناہگار ہے، البتہ اس کی کمائی کے بارے میں

---

(۱) فتاویٰ رحیمیہ جدید (۱۰/۱۷۷) کتاب الحظر والاباحۃ

(۲) المبسوط (۲۷/۱۷۸) کتاب الحجر۔

یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ فی نفسہ علاج کا طریقہ جانتا اور اس کے مطابق علاج کرتا ہے تو اس کی آمدنی حلال ہے اور اگر وہ صحیح طور سے علاج کرنا ہی نہیں جانتا تو اس کی کمائی حلال نہیں ہے۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

سوال: میں تجربہ کی بنیاد پر مریضوں کا علاج کرتا ہوں 25 سال سے میرا یہی ذریعہ معاش ہے، میں دس افراد کا واحد کفیل ہوں اور میری عمر 48 سال ہے، پریشانی یہ ہے کہ بعض اوقات انجکشن لگانے سے مریض کی حالت بگڑ جاتی ہے، دست لگ جاتے ہیں، یا بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے، اور کبھی ایک دن کے بعد مریض انتقال کر جاتا ہے، کیا اس کی سزا مجھے ملے گی؟ میں یہ پیشہ ترک کر دوں؟

جواب: کسی ماہر فن سے علاج کی تعلیم حاصل کئے بغیر علاج کا پیشہ اختیار کرنا جائز نہیں نیز اس میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کا گناہ بھی ہے آپ قانون کے مطابق امتحان دے کر کمپوڈر یا ہومیو پیتھک کی سند حاصل کریں اس کے بعد یہ پیشہ اختیار کریں۔(۱)

فصاد پر ضمان کا حکم

فصاد (venese cition کرنے والے) نے اگر اجازت سے پچھنے لگائے اور معتاد جگہ سے تجاوز نہ کیا ہو تو اس پر تاوان وضمان نہیں آتا اور اگر اس نے تجاوز کیا ہو اور مریض بچ گیا تو اس پر نقصان کا ضمان ہے اور اگر مریض ہلاک ہو گیا تو نصف دیت واجب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہلاکت اجازت یافتہ عمل (مریض کی اجازت) اور غیر اجازت یافتہ عمل (موضع معتاد سے تجاوز) دونوں کی وجہ سے ہوئی ہے، لہٰذا آدھی دیت واجب ہوگی۔(۲)

---

(۱) احسن الفتاویٰ(۸/۹۵) کتاب الحظر والاباحۃ

(۲) ھدایہ، کتاب الاجارۃ(۳/۳۱۲)باب ضمان الاجیر۔

(۱۴)

علاج کی شرعی حیثیت جدید تناظر میں

(مدلل تحقیق)

(۱)...... علاج دریافت کرنے کی ترغیب

بعض بیماریاں ایسی بھی ہیں جن کا علاج دریافت نہیں ہوا اور دن بدن پیدا ہونیوالی نئی بیماریوں کا ابتداء یہی حال ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسی بیماریوں کا علاج واجب یا سنت نہیں ہو سکتا، محض مباح ہی ہوسکتا ہے جیسا کہ علاج کی شرعی حیثیت میں اس کا ذکر آرہا ہے، ایسی بیماریوں کے بارے میں شریعت مقدسہ ڈاکٹروں اور اطباء کو ترغیب دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ صلاحیتوں اور عقل کو بروئے کار لاتے ہوئے بیماریوں کی تحقیق کریں، ان کے اسباب معلوم کریں، ان پر غور وفکر کریں اور علاج دریافت کرنے کی کوشش کریں، کیونکہ حدیث شریف کی رو سے کوئی بھی ایسی بیماری نہیں ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے علاج نازل نہ کیا ہو، البتہ علاج دریافت کرنا اور تجربات کی روشنی میں اس کا مفید ہونا ظاہری اسباب کے تحت انسانی فکر کا کام ہے۔

عن عبداللہ بن مسعودؓ یبلغ به النبی ﷺ ما انزل الله داء الا قد انزل له شفاء علمه من علمه وجهله من جهله، وفی روایة اخری،ما انزل الله عز و جل داءً الا انزل له دواء ......الخ (۱)

(۱) مسند احمد بن حنبلؒ(۲/۱۲) رقم الحدیث(۳۵۷۸) رقم الحدیث(۳۹۲۲)وکذا فی مستدرك الحاکم (۵/۱۲۱) کتاب الطب رقم الحدیث (۷۵۸۳)اورده الذهبی فی التلخیص وسکت علیه۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں کی جس کا علاج اور اس کی شفاء نہ ہو، ہاں بعض لوگوں کو علاج کا علم ہو جاتا ہے، اور بعض کو نہیں۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں:

"لکل داء دواء ونحن نجد کثیرین من المرضی یداورن فلا یبرون فقال: انما ذلك لفقد العلم بحقیقة المداواة لا لفقد الدواء"۔(۱)

ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے مریض علاج کرتے ہیں لیکن شفایاب نہیں ہوتے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو علاج کا طریقہ نہیں آتا، یہ وجہ نہیں کہ مرض کا علاج موجود نہیں ہے۔

☆ کسی بیماری کا علاج دریافت کر کے بے شمار لوگوں کی جان بچائی جا سکتی ہے یہ بھی بڑی نیکی ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کے قول

﴿ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾(۲)

(جو ایک نفس کی زندگی کا سبب بنا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا) کے عموم میں داخل ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

قوله تعالیٰ: ﴿ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا أُحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾ المراد من احیاء النفس تخلیصها من المهلکات مثل الحرق والغرق والجوع المفرط والبرد والحر المفرطین۔(۳)

تفسیر خازن میں ہے:

ومن احیاها یعنی من غرق اوحرق اووقوع فی هلکة فکأنما احیا الناس جمیعًا یعنی ان له من الثواب مثل ثواب من احیا الناس جمیعًا...... فیکون المعنی ومن نجاها من الهلاك فکانما نجی جمیع الناس منه ـ(٤)

(۱) شرح المسلم(۲/۲۲۵) و کذا فی تکملة فتح الملهم(٤/۳۳٤)

(۲) المائده ٥:(۳۲)

(۳) التفسیر الکبیر(٤/۳٤٤) المسئلة السادسة:

(٤) تفسیر الخازن(۲/۳٦)

علامہ ابن قیم زاد المعاد میں فرماتے ہیں:

وفی قوله علیه السلام: لکل داء دواء تقوية لنفس المريض والطبيب وحث على طلب ذلك الدواء والتفتيش عليه فان المريض اذااستشعرت نفسه ان لدائه دواء يزيله تعلق قلبه بروح الرجاء......وكذلك الطبيب اذاعلم ان لهذا الداء دواء امكنه طلبه والتفتيش عليه ......الخ(١)

مزید فرماتے ہیں:

فماابتلاهم سبحانه بشئی الا اعطاهم مايستعينون به على ذلك البلاء و يدفعون به و يبقى التفاوت بينهم فی العلم بذلك و العلم بطريق حصوله والتوصل اليه ......اه(٢)

(۲)......علاج معالجہ کے اہداف اور اس کے مقاصد

علاج کا مقصد مریض کے مرض سے شفایاب ہونے میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے چار اہم مقاصد ہیں:

۱)......مریض کا مرض سے شفایاب ہونا۔

۲)......مرض کا ایک حد پر رک جانا اور مزید آگے نہ بڑھنا۔

۳)......مرض میں خفت اور کمی آ جانا۔

۴)......تکلیف والم سے آرام وراحت حاصل ہونا۔

ابن القیمؒ زاد المعاد میں لکھتے ہیں:

الخامس عشر: ان ينظر فی العلة هل هی مما يمكن علاجها ام لا؟ فان لم يمكن علاجها حفظ صناعته وحرمتة ولا يحمله الطمع على علاج لا يفيد شيئا و ان امكن علاجهانظر هل يمكن ازالتهاام لا؟فان علم انه لا يمكن

(١) زاد لمعاد:(٧٩/٤)

(٢) ايضًا(١٥٩/٤)

ازالتها نظرهل یمکن تخفیفها وتقلیلهاام لا؟ان لم یمکن تقلیلهاورأی ان غایة الامکان ایقافها وقطع زیادتهاقصد بالعلاج ذلك واعان القوة و اضعف المادة ......الخ(۱)

لہٰذا مذکورہ مقاصد میں سے کسی ایک مقصد کے حصول کے حاصل ہونے کی توقع ہو تو علاج جاری رکھنا درست ہوگا، اسے اسراف، تبذیر اور مکروہ شمار نہیں کیا جاسکے گا۔

علاج کی شرعی حیثیت اور مختلف درجات

شرعاً علاج کا حکم یہ ہے کہ ہر حالت میں یکساں نہیں ہے، بلکہ اس کا حکم بدلتا رہتا ہے، اور اس کے حکم کے بدلنے میں چار چیزوں کا عمل دخل ہے:

۱)......مرض کی نوعیت، کہ قابل علاج بھی ہے یا نہیں؟ یعنی اس کا علاج دریافت بھی ہوا یا نہیں؟

۲)......مرض کی کیفیت یعنی وہ مرض قابل برداشت وتحمل ہے یا نہیں؟

۳)......علاج کی نوعیت یعنی وہ علاج یقینی ہے یا ظنی اور موہوم؟

۴)......مریض یا ولی مریض کی مالی حیثیت یعنی وہ علاج کا خرچہ برداشت کرسکتا ہے یا نہیں؟

ان چار امور کے پیش نظر علاج کی شرعی حیثیت یہ ہے: (۱) واجب (۲) مسنون و مستحب (۳) مباح وجائز (۴) مکروہ۔

علاج واجب کی تفصیل

مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ علاج واجب ہوجاتا ہے:

۱)......مرض ناقابل تحمل ہے یعنی مریض سخت تکلیف میں ہے، یا اگر علاج نہ کرے تو ہلاک یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

---

(۱) زاد المعاد(٤/١٦٥)

۲)......مریض علاج کی استطاعت بھی رکھتا ہے۔

۳)......مرض قابل علاج ہے اور اس کا شفایاب ہو جانا بھی یقینی ہے یا اس کا غالب ظن ہے اور اگر شفایاب ہونے کا ظن غالب نہ ہو تو علاج سے مریض کی تکلیف میں تخفیف و آرام اور راحت کا ظن غالب ہو۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں وجوب علاج کی ایک صورت یہ لکھی ہے کہ مریض ایسے مرض میں مبتلا ہے کہ اس کا ضرر دوسروں کو منتقل ہو سکتا ہے، جیسا کہ متعدی امراض۔(۱)

لیکن یہ وجوب بھی مطلقاً نہیں ہے بلکہ اس میں مذکورہ شرائط کا لحاظ ضروری ہے، یعنی وہ مرض نا قابل تحمل ہو اور مریض علاج کی استطاعت بھی رکھتا ہو اور شفاء بھی یقینی یا غالب ہو، اگر وہ مرض ہی معمولی ہے یا مریض استطاعت نہیں رکھتا یا علاج کے نتیجہ میں شفاء حاصل ہونے کا گمان غالب نہ ہو تو ایسے مرض کا علاج واجب نہیں ہے، اگرچہ متعدی ہو، اہل خانہ اور متعلقین تعدیہ مرض سے بچنے کے لئے دوسرے طریقے اختیار کریں۔

(۲)......مسنون ومستحب علاج کی تفصیل

مرض قابل تحمل ہے اور علاج کی استطاعت بھی ہے اور اگر علاج نہیں کرتا تو ہلاک یا عضو کے تلف ہونے کا خطرہ نہیں ہے صرف کمزوری کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں علاج کرنا مسنون و مستحب ہے غرضیکہ شرائط وجوب میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو تو علاج مسنون و مستحب ہوگا، واجب نہ رہے گا۔

(۳)......مباح وجائز علاج کی تفصیل

اگر شرائط وجوب مفقود ہوں اور ترک علاج کی صورت میں ضعف بدن کا خطرہ بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں علاج کرنا محض مباح وجائز ہے لہٰذا مندرجہ ذیل صورتوں میں علاج مباح ہے:

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ (۵۲۰۴/۷)

۱)......مرض معمولی اور قابل تحمل ہے مثلاً عام سردرد یا پیٹ کا درد وغیرہ خواہ وہ استطاعت رکھتا ہو اور شفاء کا بھی یقین یا غالب گمان ہو۔

۲)......مرض نا قابل تحمل ہے اور نفس یا عضو کے ضیاع کا اندیشہ ہے لیکن اس کی استطاعت نہیں ہے یا علاج کے نتیجے میں شفاء کا یقین اور غالب گمان نہیں ہے۔

۳)......مرض نا قابل تحمل ہے، اور علاج کی استطاعت بھی ہے لیکن شفاء یاب ہونا یقینی ہے اور نہ اس کا غالب ظن بلکہ ظن محض ہے یعنی شفاء اور عدم شفاء دونوں مساوی ہیں۔

۴)......جن امراض کا علاج دریافت نہیں ہوا، ان کا تجرباتی طور پر علاج کرنا بھی کم ازکم مباح ہے۔

ان صورتوں میں علاج کے مباح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر علاج نہ کرے تو گناہ گار نہیں ہے اور اگر علاج کرتا ہے تو یہ اضاعت مال اور اسراف میں داخل نہیں ہے لہذا علاج کرنے پر گناہ نہ ہوگا۔

(۴)......مکروہ علاج کی تفصیل

اس کی صورت یہ ہے کہ ایسا طریقہ علاج اختیار کیا جائے کہ اس میں جس مرض سے نجات مقصود ہے اس علاج کے نتیجہ میں اس سے زیادہ سخت مرض یا امراض کے لاحق ہونے کا خوف پایا جاتا ہے جیسا کہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے، یہ مطلقاً مکروہ ہے خواہ اصل مرض ختم ہو یا نہ ہو بلکہ ایسی صورت میں ڈاکٹر کا بھی ایسے مرض کا علاج کرنا درست نہیں ہے، اسے علاج ترک کرنا ضروری ہے، حافظ ابن القیمؒ نے طبیب حاذق کے بس نشانیاں لکھی ہیں، تیرھویں نشانی کے تحت لکھتے ہیں:

الثالث عشر: ان لایکون کل قصده ازالة تلك العلة فقط بل ازالتها علی وجه لا یأمن معها حدوث علة اخریٰ اصعب منهافمتی کان ازالتهالایامن معها حدوث علة اخری اصعب منهاابقاها علی حالهاوتلطیفهاهوالواجب وهذا کمرض افواه العروق،فانه متی عولج بقطعه وحبسه خیف حدوث

ماهو اصعب منه۔(۱)

وضاحت: اگر کوئی مریض لاعلاج مرض میں مبتلا ہو جائے اور ڈاکٹر کہہ دیں کہ یہ ختم ہونے والا ہے، اب بچ نہیں سکتا تو اس کے علاج کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کا علاج جاری رکھنا اسراف اور اضاعت مال اور مکروہ ہے یا نہیں؟ ہندیہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے واضح ہے کہ اس صورت میں علاج چھوڑنا نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کی ترغیب دی گئی ہے۔

فی الجراحات المخوفة والقروح العظمية والحصاة الواقعة فی المثانة و نحوها ان قيل قدينجووقد لايموت اوينجوولايموت يعالج وان قيل لا ينجوااصلا لايداوی بل يترك كذا فی الظهيرية۔(۲)

لیکن کیا اس صورت میں علاج اضاعت مال ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے؟ بعض حضرات نے اسے مکروہ قرار دیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ قول اس نظریہ پر مبنی ہے کہ علاج کا مقصد صرف شفایاب ہونا ہے، حالانکہ علاج کے چار اہم مقاصد ہیں کما ذکرنا: (۱) مرض سے شفا یاب ہونا (۲) تکلیف سے آرام و راحت ہونا (۳) مرض میں خفت اور کمی آجانا (۴) مرض کا رک جانا، لہٰذا اس صورت کی مزید تین صورتیں ہیں جن کا حکم مختلف ہے:

۱)...... علاج سے وقتی آرام و راحت حاصل ہونے کی امید یا غالب گمان ہو یا آرام کا غالب گمان تو نہیں لیکن علاج کے نتیجہ میں مرض کے رک جانے اور آگے نہ بڑھنے کا غالب گمان ہے یا مرض میں خفت پیدا ہونے کا گمان ہے تو ایسی صورت میں علاج نہ صرف جائز ہے بلکہ بہتر و مستحسن ہے، کیونکہ علاج کا مقصد ہمیشہ موت سے بچاؤ نہیں ہوتا، مرض میں کمی پیدا کرنا اور وقتی راحت بھی علاج کا اہم مقصد ہے۔

العشرون: وهوملاك امرالطبيب: ان يجعل علاجه وتدبيره دائرًا علی ستة اركان، حفظ الصحة الموجودة وردالصحة المفقودة بحسب الامكان و ازالة العلة اوتقليلها بحسب الامكان۔(۳)

---

(۱) زادالمعاد(۱٦٤/٤)

(۲) الفتاوی الهندية (٤٤/٥) كتاب الكراهية، الباب الحادی والعشرون۔

(۳) زادالمعاد(١٦٥/٤)

۲)......علاج سے وقتی آرام کے حاصل ہونے یا نہ ہونے یا مرض کے مزید بڑھنے یا نہ بڑھنے یا خفت پیدا ہونے اور نہ ہونے کا برابر گمان ہو، تو اس صورت میں علاج کروانا جائز ہے، کیونکہ نفع اور آرام کا امکان تو بہر حال ہے۔

۳)......علاج سے وقتی آرام ملنے اور مرض کے رک جانے اور خفت کی بھی کوئی امید نہ ہو، بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں علاج کروانا مکروہ ہے، صحیح یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے اور دو مزید صورتیں ہیں:

۱......علاج جاری رکھنے سے مریض کو مزید تکلیف ہوتی ہو یا اس کے مرض میں اضافہ ہو تو اس صورت میں علاج کروانا مکروہ اور اضاعت مال میں داخل ہے۔

۲......مریض کو مزید تکلیف نہ ہوتی ہو تو اس صورت میں صحیح یہ ہے کہ علاج کروانا جائز ہے مکروہ نہیں ہے جس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

۱...... مال غیر مقصود اور نفس مقصود ہے، مال نفس ہی کی حفاظت کے لئے پیدا کیا گیا ہے، فھو وقایۃ للنفس لہذا نفس کو مال پر ترجیح حاصل ہے، اس صورت میں علاج جاری رکھا سکتا ہے۔

۲......مریض کے اعزہ واقارب کے پیش نظر دو چیزیں ہیں (۱) مال (۲) اپنے عزیز کی جان، اس حالت میں طبعی طور پر جان ہی کو ترجیح دی جاتی ہے، مال کو نہیں لہذا اس صورت میں مال خرچ کرنے کو اسراف یا اضاعت مال کہنا مشکل ہے۔

۳......ڈاکٹرز کا کسی کو لاعلاج قرار دینا حجت قطعیہ نہیں ہے۔

"لان المرجع فيه الاطباء وقولهم ليس بحجة"۔(۱)

بارہا ایسا ہوا ہے کہ ڈاکٹروں نے کسی کو لاعلاج قرار دے کر فارغ کر دیا لیکن بعد میں وہ شفایاب ہو گیا۔

فقہ المشکلات میں ہے:

ان بلوغ المرض حد اليأس واتيان الموت بعده امر ظنى وحياته الموجودة فى الحال امر يقينى فكم من مريض صرح الاطباء بعدم شفائهم منه و

(۱) الدر المختار (۱/ ۲۱۰)

لكنهم عادواالى الصحة وعاشواطويلا فلا يوثق بقول الاطباء فى قطع الاصل عن شفاء مريض معين۔(۱)

۴......حفظ نفس اور حفظ مال دونوں شریعت کے مقاصد خمسہ میں شامل ہیں لیکن جب حفظ نفس اور حفظ مال میں تعارض ہو تو حفظ نفس کو ترجیح حاصل ہے۔

اصول الفقہ الاسلامی میں ہے:

ويباح اتلاف مال الغيراذا اكره على اتلافه لان حفظ النفس اهم من حفظ المال وتترتب اهمية الضروريات اوالكليات الخمس على النحو التالى حفظ الدين ثم النفس ثم العقل ثم المال۔(۲)

گویا کہ مال آخری مقصد ہے۔

مندرجہ ذیل عبارات میں تصریح ہے کہ علاج کی شرعی حیثیت ہر حالت میں یکساں نہیں رہتی بلکہ اس کے مختلف درجات ہیں۔

(۱) وتختلف احكام التداوى باختلاف الاحوال والاشخاص۔ فيكون واجبًا على الشخص اذاكان تركه يفضى الى تلف نفسه اواحداعضائه او عجزه اوكان المرض ينتقل ضرورة الى غيره كالامراض المتعدية۔ و يكون مندوباًاذا كان تركه يؤذى الى ضعف البدن و لا يترتب عليه ما سبق فى الحالة الاولىٰ،ويكون مباحًا اذالم يندرج فى الحالتين السابقتين۔ و يكون مكروهًا اذاكان بفعل يخاف منه حدوث مضاعفات اشد من العلة المراد ازالتها۔(۳)

یہ اسلامی فقہ اکیڈمی کی متفقہ قرارداد ہے، ملاحظہ ہو۔ قراردادادور سفارشات (ص ۱۷۳)

(۲)فان الناس قد تنازعوا فى التداوى هل هومباح او مستحب اوواجب والتحقيق ان منه ماهو محرم ومنه ماهوواجب وهومايعلم انه يحصل به بقاء

(۱) فقة المشكلات(۱ ص۱٦٣)

(۲) اصول الفقه الاسلامى(۲/۱۰۳۸)

(۳) الفقه الاسلامى وادلته(۷/٥٣٠٤)

النفس لا بغيره كمايجب اكل الميتة عند الضرورة فانه واجب عند الائمة الا ربعة وجمهور العلماء۔(۱)

(۳) منتخبات نظام الفتاویٰ میں ہے:

''رہ گیا تداوی کا مسئلہ تو اس کے فی نفسہٖ مباح ہونے میں کلام نہیں، باقی ہر شخص پر ہر حال میں کلیۃً وجوب ہو، یہ صحیح نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مرض شدید وخطرناک یا مہلک ہو اور تداوی پر استطاعت وقدرت میسرہ بھی موجود ہو تو حسب حیثیت واستطاعت وقدرت میسرہ عالم اسباب ہونے کی وجہ سے شفاء کے حصول کا اعتقاد فقط اللہ جل مجدہ پر رکھتے ہوئے حکم خداوندی حکم شرع کے اندر اندر علاج کرنا واجب ہوجاتا ہے، لیکن اگر قدرت میسرہ موجود نہ ہو یا مرض شدید یا خطرناک ومہلک نہ ہو تو وجوب علاج کا حکم متوجہ نہیں ہوتا یا حکم مؤکدہ رہے یا مستحب وافضل رہے حسب حال مبتلیٰ بہ وقیود مذکورہ کے مطابق جو حکم ہو تو ہوسکتا ہے، مگر واجب نہ ہوگا''۔(۲)

مفتی انعام الحسن سیتامڑی نظام الفتاویٰ کی مذکورہ عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ اگر مرض اس قدر مہلک ہو کہ علاج وآپریشن نہ کرانے میں خطرہ یقینی یا اغلب ہو اور خود اس شخص کو علاج کرانے کی قدرت ہو تو پھر علاج کرانا ضروری ہوگا''۔(۳)

(٤) وخلاصة القول ان التداوی الذی هو مباح فی عامة الاحوال ليس من الضروری ان يبقیٰ هذاالحكم دائمابل يكون واجبا فی بعض الاحيان۔(٤)

(٥) فاذاحصل الظن الغالب ان الشفاء يحصل بالتداوی وفی تركه يكون خوف الموت يكون التدواى واجبًاوتركه معصية فيحمل قول العلماء

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ(۲/۲٦۹)

(۲) منتخبات نظام الفتاویٰ(۱/۳٥۰)

(۳) علاج ومعالجہ کے شرعی احکام: (ص۴۰)

(٤) فقه المشكلات(۱۸۳)

باباحة التداوی علی عامة الاحوال۔(۱)

(۵) فالتدویٰ مباح فی عامة الاحوال ولکن اذاتعرض الجسم للاذی الشدید بسبب المرض ویکون للمریض الظن الغالب مزوال المرض و الاذی بالتداوی بالادویة التی خلقهاالله اویکون الظن الغالب بکون ذلک المرض مهلکا فی الظاهرفی ضوء الدراسات والتجارب وکان قدتفضل علم الانسان الی الاسباب والادویة التی جعلهاالله شفاء لذلک المرض و یکون الظن غالباان هذاالمرض المهلک یزول باستعمال ذلک الدواء و یقدرالمریض علی استعمال تلک الادویة فی کلتا الصورتین فالامتناع عن التدوی فی تلک الاحوال والقاء النفس فی الخطراعتقاداً بکون العلاج مباحا محضاامرعظیم ومعارض لقول الله تبارک وتعالی"ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة۔(۲)

ایک شبہ اور اس کا جواب

مذکورہ تحقیق پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ عام کتب فقہ میں علاج کو اسباب کی اقسام ثلاثہ یعنی یقینی، مظنون اور موہوم میں سے دوسری قسم مظنون میں شامل کیا گیا ہے اور بہت سے نصوص فقہیہ میں اس کی شرعی حیثیت لابأس بہ، لا اثم علیہ، جائز وغیرہ الفاظ میں بیان کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علاج محض مباح ہے واجب اور ضروری نہیں ہے۔

(۱)اعلم ان الاسباب المزیلة للضررتنقسم الی مقطوع به کالماء المزیل لضررالعطش والخبز المزیل لضررالجوع والی مظنون کالفصدوالحجامة و شرب المسهل وسائرابواب الطب اعنی معالجة البرودة بالحرارة و معالجة الحرارة بالبرودة وهی الاسباب الظاهرة فی الطب والی موهوم کالکی والرقیة وهی اماالمقطوع به فلیس ترکه من التوکل بل ترکه حرام

(۱) فقه المشکلات(۱/۱۸۲)

(۲) فقه المشکلات(۱/۱۷۷)

عند خوف الموت اماالموهوم فشرط التوكل تركه اذ به وصف رسول الله ﷺ المتوكلين واما الدرجة التوسطة وهى المظنونة كالمدواة بالاسباب الظاهرة عندا لاطباء ففعله ليس مناقضاللتوكل بخلا ف الموهوم تركه ليس محظورًا بخلاف المقطوع به بل قديكون افضل من فعله في بعض الاحوال وفى حق بعض الاشخاص فهوعلى درجة بين الدرجتين كذافى الفصول العمادية فى الفصل الرابع و الثلثين ـ(١)

(٢) الاشتغال بالتداوى لا بأس به اذا اعتقد ان الشافي هوالله تعالى وانه جعل الدواء سببًاواما اذا اعتقد ان الشافى هو الداء فلا وكذا فى السراجية ـ(٢)

(٣) مرض اورمد فلم يعالج حتى مات لا ياثم كذا فى الملتقط والرجل اذا استطلق بطنه اورمدت عيناه فلم يعالجه حتى اضعفه ذلك واضناه ومات منه لا اثم عليه ـ(٣)

(٤)من امتنع من التداوى حتى مات فانه لاياثم لانه لا يقين ان هذاالدواء يشفيه ولعله يصح من غيرعلاج كمافى الاختيار ـ(٤)

(٥)ثم التداوى بالحلال جائزلاواجب فمن ترك المعاجة فمات لم يمت عاصيا لانه ليس فى ترك المعالجة اهلاك النفس اذ ربمايصح من غير معالجة وربمالا تنفعه المعالجة ـ(٥)

---

(١) الهندية(٥/٤٣٤)كتاب الكراهية الباب الثامن عشر ـ وكذا فى احياء علوم الدين للغزالى(٤/٣٧٨)كتاب التوحيد والتوكل

(٢) الهندية(٥/٤٣٤)كتاب الكراهية الباب الثامن عشر ـ انظر السراجية ص٧٦٥ كتاب الكراهية ـ

(٣) الهندية(٥/٤٣٤)كتاب الكراهية الباب الثامن عشر ـ وكذا فى السراجية ص٧٦ ـ

(٤) مجمع الانهر(٤/١٨)انظر كتاب الاختيارلتعليل المختار(٤/٢١٨)كتاب الكراهية وفى الدر المنتقى تحته:اذلايتقن انه يشفيه ـ

(٥) فتح باب العناية(٤/٥١)

(٦) قوله "یاعباداللہ تداووا" الا مر امر اباحۃ وتخییر ثم اعلم ان التوکل اقسام......وتوکل بترك ماغلب الظن بسببیتۃ کشرب الدواء للمرض وھو اعلی مراتب التوکل وعلیٰ ھذا فالاولیٰ ترك المعالجۃ بتوکیلہ اللہ سبحانہ۔ وبما قررناظھرلك ان تداویہ ﷺ لنفسہ اوامرہ لغیرہ بذك انما کان لبیان الجواز۔(١)

(٧) ولان رجلا ظھربہ داء فقال الطبیب قد غلب علیہ الدم اخرجہ فلم یفعل حتی مات لا یکون اثما لانہ لم یتقین ان شفائہ فیہ۔(٢)

(٨) قال الغزالی:ان المریض لوعلم بالقطع الشفاء ثم لم یداوبہ فھوعاص مثل الجائع الذی عندہ طعام ولوکان الشفاء مظنونافھوفی حد الجواز و لو کان موھومافترك ذلك الداوء احسن وھوتوکل۔(٣)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ علاج ظنی چیز ہےاورصرف جائز ہے،ضروری نہیں ہے۔

جواب اول

ان فقہی عبارات سے تداوی کا محض جواز ثابت کرنا درست نہیں ہے جس کی دو اہم وجوہ درج ذیل ہیں:

ا)......مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا بھی گزرا ہے کہ جو تداوی اور علاج ومعالجہ کو توکل کے خلاف سمجھتا تھا، فقہاء کرامؒ نے ایسے لوگوں کی تردید کے لئے لا بأس، جائز وغیرہ کی الفاظ تحریر فرمائے ہیں، لہذا اس سے وجوب کی مطلقاً نفی نہیں ہوگی اوراس کا ایک قرینہ یہ ہے کہ ہندیہ کی مذکورہ عبارت دراصل احیاء العلوم کی عبارت ہےاور امام غزالیؒ نے اسے کتاب التوحید و التوکل میں درج کیا ہے:

(ا) الاشتغال بالتداوی لابأس بہ اذااعتقدان الشافی ھواللہ تعالیٰ وانہ جعل

(١) الکوکب الدری(٢/٣٠)

(٢) الھندیۃ (٥/٢٥٥)

(٣) العرف الشذی علی جامع الترمذی(٣/٤٦٧)

الدواء سبباامااذااعتقدان الشافی هوا لدواء فلا کذا فی السراجیة۔(۱)
ذکر محمد فی السیرفی باب دواء الجراحة عن ابی امامة الباهلیؓ ان رسول اللہ ﷺ داوی وجهه بعظم بال،فی الحدیث دلیل علی انه لابأس بالتداوی وبه نقول،ومن الناس من کره ذلك ویروی آثارا تدل علی کراهته...... لکن ینبغی لمن یشتغل بالتداوی ان یری الشفاء من اللہ تعالیٰ لا من الدواء ویعتقدان الشافی هواللہ تعالیٰ دون الدواء ......الخ۔ (۲)

اس عبارت میں اس نظریہ کی تردید مقصود ہے جو یہ کہا جاتا تھا کہ علاج خلاف توکل ہے، تردید کا حاصل یہ ہے کہ اگر یہ اعتقاد ہو کہ شفا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے دوا کو شفاء کا سبب بنایا ہے تو ایسی صورت میں علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(!!)والاصل فی ذلك انه قدمراناس کانوا یعتقدون التداوی غیرمباح و منافیا للتوکل علی اللہ والرضاء بقضائهٗ لکن الفقهاء والمحققین قد ردوا علیهم وابطلواهذه النظریة الخاطئة واباحواالتداوی واثبتوامشروعیته بالاحادیث الصحیحة۔(۳)

وفیها(الاحادیث)ردعلی من انکر التداوی من غلاة الصوفیة وقال کل شئی بقضاء وقدرفلاحاجة۔(٤)

وفیهاردعلی من انکرالتداوی وقال ان کان الشفاء قد قدر فالتداوی لایفیدو ان لم یکن قدقدر فکذلك...... الخ(٥)

لیکن یہ وجہ کمزور ہے اوراس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

۱)......فقہی عبارات دو قسم کی ہیں بعض میں واقعی بعض لوگوں کی تردید کی گئی ہے لیکن بعض عبارات میں تداوی کا مباح ہونا ہی بیان کیا گیا ہے، ان میں تصریح موجود ہے کہ تداوی کے

(۱) الهندیه(٥/٤٢٥)
(۲) المحیط البرهانی۔(٨١/٨) کتاب الکراهیة۔
(۳) فقه المشکلات(ص١٧٥)
(٤) شرح المسلم للنووی(٢/٢٢٥)
(٥) زاد المعاد(٤/ ٧٨)

مباح ہونے کی وجہ اس کا ظنی ہونا ہے کہ شفاء کا حصول یقینی نہیں ہے۔

۲)...... بعض کتب میں وجوب علاج کی با قاعدہ نفی کی گئی ہے، جیسا کہ فتح باب العنایہ کی عبارت گزر چکی ہے ثم التداوی بالحلال جائز لا واجب۔

۳)...... تداوی کی اباحت کا مسئلہ صرف کتب فقہ میں نہیں لکھا بلکہ محدثین اور شارحین حدیث نے بھی امر بالتداوی کی احادیث اور نبی کریم ﷺ کے اپنے اور اپنے اہل وعیال کا علاج معالجہ کرنے کو بھی بیان جواز اور اباحت پر محمول کیا ہے۔

تداووا الظاهر ان الامر بالاباحة والرخصة...... و يفهم من كلام بعضهم ان الامر للندب وهو بعيد نعم قد تداوى رسول الله ﷺ بياناً للجواز فمن نوى موافقته ﷺ يوجر على ذلك كما في فتح الودود۔

قال الشيخ في حاشية البذل: وبه جزم الشيخ الجنجوهي في الكوكب الدري۔ (۱)

(۴) کئی صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ سے وسعت کے باوجود علاج نہ کرنا مروی ہے مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ، ابوالدرداءؓ، امام احمد بن حنبلؒ، ربیع بن خثیمؒ، حضرت سہل وغیرہ۔ اس کی توجیہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ یہ حضرات علاج کو ظنی اور مباح سمجھتے تھے۔

اعلم ان الذين تداووا من السلف لا يتحصرون ولكن قد ترك التداوي ايضا جماعة من الاكابر وقد روى عن ابي بكرؓ انه قيل له لو دعونا لك طبيبا؟ فقال: الطبيب قد نظر الي وقال اني فعال لما اريد، وقيل لابي الدرداءؓ في مرضه، ما تشتكي؟ قال ذنوبي، قيل فما تشتهي؟ قال مغفرة ربي قال الا ندعو لك طبيبا؟ قال الطبيب امرضني وقيل لابي ذرؓ وقد رمدت عيناه لو داويتها ؟ قال اني عنهما مشغول فقيل لو سألت الله تعالىٰ ان يعافيك فقال اسأله فيما هو اهم علي منهما وروى ان الربيع بن خيثم اصابه فالج فقيل له لو تداويت؟ فقال قد هممت ثم ذكرت عاداً وثمود و اصحاب الرأس

---

(۱) بذل المجهود (۵/۱) اول كتاب الطب،

قروناًبین ذلك کثیراًوکان فیهم الاطباء فهلك المداوی والمداوی و لم تغن الرقی شیئا۔(۱)

صحیح بات یہ ہے کہ بعض عبارات میں بعض غلاۃ صوفیہ کی تردید مقصود ہے،ان میں علاج کی شرعی حیثیت بیان کرنا مقصود نہیں ہے اور بعض عبارات میں شرعی حیثیت ہی بیان فرمائی ہے۔

۲)......صحیح وجہ یہ ہے کہ اگران تمام عبارات سے محض جواز ثابت کیا جائے توان عبارات کا نصوص شرعیہ اور فقہاء کرام کی دوسری عبارات اور فقہی مسائل سے تعارض لازم آئے گا جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا......اگر علاج محض مباح ہو تو تداوی بالمحرم کسی صورت میں جائز نہ ہونا چاہیئے ،جبکہ فقہاء کرام نے درجات خمسہ یعنی ضرورت، حاجت،منفعت، زینت،اور فضول میں سے دو درجوں یعنی ضرورت وحاجت میں تداوی بالمحرم کے جواز کی تصریح کی ہے۔

۲......فقہاء کرام نے تداوی بالمحرم کے جواز کی متعدد شروط لکھی ہیں،جن میں سے ایک یہ ہے کہ حرام دواء کے استعمال پر شفایاب ہونے کا یقین یا غالب گمان ہو۔

حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

’’تیسرے یہ ہے کہ اس حرام کے استعمال سے جان بچ جانا بھی کسی معتمد حکیم یا ڈاکٹر کی تجویز سے عادۃً یقینی ہو‘‘۔(۲)

نیز فرماتے ہیں:

’’اوراس حرام دواء کا اس بیماری کے ازالہ میں مؤثر ومفید ہونا بھی فنی طور پر یقینی ہو‘‘۔(۳)

اگر تداوی محض سبب ظنی ہے اوراس سے شفایاب ہونا بھی ظنی ہے تو تداوی بالمحرم کے جواز کی مذکورہ شرط بے معنی رہ جاتی ہے۔

یجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتة للتداوی اذااخبره طبیب مسلم ان شفائه فیه ولم یجد من المباح مایقوم مقامه وان قال الطبیب یتعجل

(۱) احیاء العلوم (۳۸۱/٤)

(۲) تنشیط الاذهان فی الترقیع باعضاء الانسان(ص۱۸)

(۳) تنشیط الاذهان فی الترقیع باعضاء الانسان(ص۳۲)۔ معارف القرآن(۱/البقرۃ:۱۷۳)

شفاء ففيه وجهان ......وهل يجوز شرب القليل من الخمرة للتداوى اذا لم يجدشيئا يقوم مقامه فيه وجهان......واكل ضررالحمام للداوء لا بأس۔(۱) و العجين اذا وضع على الجرح ان عرف ان فيه شفاء لا بأس به والتداوى بلبن الاتان لا بأس به ان اشار الطبيب۔(۲)

۳)......اگر علاج محض ظنی اور جائز ہے تو علاج ومعالجہ کے سلسلے میں طبیب اور ڈاکٹر کے سامنے کشف عورت کی اور مرد کے اجنبی عورت کا علاج کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ علاج ضرورت نہیں ہے، اور کشف عورت نیز مرد کا عورت کا چیک اپ کرنا ضرورت کے وقت جائز ہوتا ہے، جبکہ کتب فقہ میں تصریح موجود ہے کہ علاج کے لئے بوقت ضرورت کشف عورت اور مرد کا عورت کا علاج کرنا جائز ہے بلکہ بوقت شدید ضرورت اجنبی مرد عورت کے عورۃ غلیظہ کو بھی دیکھ سکتا ہے۔(۳)

واماحكم المسئلة فتجوزمداواة الاجانب عند الضرورة وتقدر بقدرها فيما يتعلق بالنظروالحس باليد وغيرذلك۔(٤)

۴)...... اگر علاج محض مباح ہو تو معتدہ کو اس کے لئے باہر جانے کی اجازت نہ ہونی چاہئے، جبکہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ڈاکٹر کو گھر بلانا متعذر ہو تو معتدہ باہر جاسکتی ہے بلکہ رات باہر بسر کرسکتی ہے۔

خیر الفتاویٰ میں ہے:

"صورت مسئلہ میں متوفی عنہا زوجہا کے لئے تپ دق کے علاج کی خاطر بقدر ضرورت گھر سے باہر جانا جائز ہے، اگرچہ رات بھی باہر بسر کرنی پڑے بشرطیکہ بغیر خروج علاج کرانا متعذر ہو، بلکہ ہسپتال میں داخل بھی کرائی جاسکتی ہے"۔(۵)

---

(۱) الهندية(٤٣٥/٥)، وكذافي الفتاوىٰ الكاملية ص٢٦٧۔

(۲) السراجيه ص٧٦

(۳) انظرالمبسوط(١٦٣/١)كتاب الاستحسان و الدرالمختار(٣٧٠/٦)كتاب الكرهية والهداية(٤٦١/٣)

(٤) فتح البارى(١٠ / ١٦٨) باب هل يداوى الرجل المرأة والمرأة الرجل؟

(٥) خير الفتاوىٰ (٢٨١/٥)

فتاویٰ رحیمیہ جدید میں ہے:

"بقدر ضرورت گھر سے باہر نکلنے اور ہسپتال میں داخل ہو کر علاج کرانے کی گنجائش ہے، ضرورت سے زیادہ نہ ہو"۔(۱)

بلکہ اگر ایک شہر میں معالجہ کافی نہ ہو تو دوسرے شہر بھی منتقل ہو سکتی ہے۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:

سوال: معتدہ مریضہ اگر شہر کے اطباء کے معالجہ سے صحت نہ پائے اور اطباء شہر کی تشخیص کے باعث کوئی معالجہ بھی کافی نہ ہو سکے تو بغرض علاج یا تشخیص مریض دوسرے شہر میں لے جانا یا معالجہ کے لئے چندروز دوسرے شہر میں قیام جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: معلوم ہو گیا کہ دوسری جگہ منتقل کرنا اور دوسرے شہر میں لے جانا درست ہے، ونحو ذلک کے عموم میں یقیناً یہ صورتیں داخل ہیں۔(۲)

جواب ثانی

اگر تسلیم کر لیا جائے کہ فقہاء کرامؒ نے علاج کو محض مباح اور ظنی لکھا ہے تو جواب یہ ہے کہ اس وقت علاج واقعۃً ظنی ہوتا تھا لیکن اب محض ظنی نہیں رہا ہے اب میدان طب میں بڑی ترقی ہو چکی ہے، ہسپتالوں کا مربوط نظام ہے، بلکہ امراض کے لئے الگ الگ ہسپتال بنے ہیں، اور ہر مرض کا الگ الگ سپیشلسٹ ڈاکٹر ہوتا ہے، اور ہر مرض کا ایک نہیں مختلف نوعیت کے علاج ہو رہے ہیں، یونانی، انگریزی ایلو پیتھک، ہومیو پیتھک وغیرہ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مرض کی مختلف قسم کی ادویات ایجاد ہوئی ہیں، مختلف لیبارٹریاں قائم ہو چکی ہیں، جن میں خون اور پیشاب تک کا ٹیسٹ ہوتا ہے، اور جدید طرق سے بیماریوں پر تحقیق و ریسرچ ہوتی ہے، اور طب اس وقت نجی معاملہ نہیں رہا باقاعدہ حکومتیں اس پر خرچہ کرتی ہیں، مرض اور مریض کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف وارڈ، شعبہ حادثات، آپریشن کی جدید سہولیات، ایکسرے وغیرہ اور دن بدن ایجاد ہونے

(۱) فتاویٰ رحیمیہ جدید(٦/٤٢٤)

(۲) امداد الفتاویٰ(٢/٤٨٦) احسن الفتاویٰ (٥/٤٤١)

والی جدید ترین مشینریاں آرہی ہیں، اوراس بارے میں مشاہدہ ہے کہ اکثر وبیشتر علاج ومعالجہ کے خاطر خواہ نتائج سامنے آتے ہیں، لہذا اب اکثری علاج محض ظنی نہیں رہا بلکہ غالب ظن کا درجہ اختیار کرلیا ہے اور غالب ظن عملاً یقین کے برابر ہے لہذا بعض صورتوں میں علاج واجب ہو سکتا ہے۔

واماقول الفقهاء بأن الادوية لايقطع بكونهاشفاء للامراض والاكل و الشرب من الاسباب الظاهرة اللازمة لابقاء الحيوة فلا شك انهم توصلوا الى هذه النتيجة فى عصرهم فى ضوء تجاربهم وان رايهم هذ امبنى على التحرى والاجتهادوالاستقراء على ماكان عليه الحال فى عصرهم ففى وقت دلت الآثاروالتجارب على ان استعمال الدواء الفلانى لازم لازالة المرض وحفظ النفس و توصل المبتلىٰ به اعنى المريض اوالطبيب فى ضوء تجار به وخبراته الطويلة الى ان الموت لازم فى الامتناع عن التداوى يكون التداوى واجبافى هذه الصورة وتركه معصية۔(۱)

فاذا احصل الظن الغالب ان الشفاء يحصل بالتداوى وفى تركه يكون خوف الهلاك يكون التداوى واجبًا و تركه معصية فيحتمل قول العلماء باباحة التداوى على عامة الأحوال واماالذين ذهبواالى وجوب التداوى و هو طائفة فى الشوافع والحنابلة فينبغى ان يحمل قولهم على الاحوال الخاصة التى ذكرناهاأنفا۔(۲)

وخلاصة القول ان التداوى الذى هومباح فى عامة الاحوال ليس فى الضرورى ان يبقىٰ هذاالحكم دائمابل يكون واجبًا فى بعض الاحيان۔(۳)

خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانے میں بعض معالجات سے شفاء حاصل ہونے کا غالب گمان ہوتا ہے اور غالب گمان یقین کے برابر ہوتا ہے۔

---

(۱) فقه المشكلات(ص۱۸۱)

(۲) فقه المشكلات(ص۱۸۲)

(۳) فيه ايضاً(۱۸۳)

لکن قدعلمت ان قول الاطباء لا یحصل به العلم والظاهران التجربة یحصل بهاالظن دو ن الیقین الا ان یریدوا بالعلم غلبة الظن وهوشائع فی کلامهم تأمل۔(۱)

وغالب الظن عندهم ملحق بالیقین وهو الذی یبتنی علیه الاحکام یعرف ذلك من تصفح کلامهم فی الابواب صرحوا فی نواقض الوضوء بان الغالب کالمتحقق وصرحوا فی الطلاق بانه اذ اظن الوقوع لم یقع و اذا غلب علی ظنه وقع۔(۲)

والشك لغة مطلق الترددوفی اصطلاح الاصول استواء طرفی الشئی و هو الوقوف بین الشیئین بحیث لا یمیل القلب الی احدهمافان ترجح احدهما و لم یطرح الآخرفهوظن فان طرحه فهوغالب الظن وهوبمنزلة الیقین وان لم یترجح فهووهم۔(۳)

هذا الاستثناء راجع الی قاعدة ثالثة وهی ماثبت بیقین لا یرتفع الا بیقین و المراد به غالب الظن۔(٤)

نیز اس بات کی دلیل یہ بھی ہے کہ مجمع الانہر، الدرالمنتقیٰ، الاختیار اور ہندیہ کی مذکورہ عبارات میں علاج کے واجب نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس سے شفاء یاب ہونا یقینی نہیں ہے۔ "مفاهیم کتب الفقه حجة" کے تحت اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی علاج سے شفاء یاب ہونے کا یقین یا غالب ظن پیدا ہو جائے تو وہ علاج محض جائز نہ رہے گا بلکہ گزشتہ شرائط کے ساتھ واجب ہو جائے گا۔

ایک اہم دلیل

فقہاء متقدمین نے تصریح فرمائی ہے کہ بیوی کے علاج و معالجہ کا خرچہ شوہر کے ذمہ واجب

---

(۱) ردالمحتار(۱/۲۱۰) (۲) الاشباہ والنظائر(۱/۲۲۳)

(۳) حاشیة الحموی(۱/۱۸۳) (٤) الاشباہ(۱/۱۹۳)

نہیں ہے اور یہ صرف فقہ حنفی کا مسئلہ نہیں بلکہ فقہ مالکی، شافعی اور حنبلی کا بھی یہی نکتہ نظر ہے۔(۱)
گویا اس پر اتفاق ہے البتہ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، مختلف وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

(۱)لان التداوی لحفظ اصل الجسم فلا تجب علی مستحق المنفعة کعمارة الدار المستاجرة تجب علی المالك لاعلی المستاجر وکمالا تجب الفاکهة بغیرادم۔(۲)

(۲)لانهاغیرمعلومة الوقوع۔

وان سافرفطعامه واماالدواء ففی ماله فی ظاهر الروایة وعن ابی حنیفة انه یدخل فی النفقة لانه لاصلاح بدنه ولایتمکن من الاستجارة الابه فصار کالنفقة وجه الظاهران الحاجة الی النفقة معلومة الوقوع علی الزوج و دوائها فی مالها۔(۳)

(ولهذا) اشاره به الی بیان الفرق بین النفقة والدواء(کانت نفقة المرأة علی الزوج)لانها معلومة الوقوع(ودوائها فی مالها)لانهاغیرمعلومة الوقوع قد یقع و قعد لایقع۔(٤)

(۳)علاج خود مباح ہے لہذا ایک مباح عمل کی اجرت شوہر کے ذمہ واجب نہیں ہوسکتی۔

مولانا مفتی عبدالواحد صاحب لکھتے ہیں:

''علاج ومعالجہ کا خرچ شوہر کے ذمہ نہیں کیونکہ علاج کرانا خود واجب نہیں تو ایک غیر واجب چیز کا خرچہ کسی دوسرے کے ذمہ کیسے لازم اور واجب کیا جاسکتا ہے''۔(۵)

اس وقت ہمارے پیش نظر آخری وجہ ہے یعنی پہلے علاج محض مباح تھا لہذا فقہاء کرامؒ نے یہی لکھا تھا کہ عورت کے علاج معالجہ کا خرچہ شوہر کے ذمہ واجب نہیں ہے، لیکن جید متاخرین

---

(۱) کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة(٤٢٨)والفقه الاسلامی(ص۷۳۸۱)

(۲) الفقه الاسلامی وادلته(۳۷۸۱/۱۰)

(۳) الهدایة(۲۷۲/۳)کتاب المضاربة،

(٤) النبایة(١٤٤/٩)

(۵) فقه اسلامی :ص(۷۵)

فقہاء کرام کی ایک بڑی تعداد اس بات کی قائل ہے کہ عورت کے علاج کا خرچہ شوہر پر واجب ہے، اور اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پہلے علاج محض مباح تھا لیکن اب محض مباح نہیں رہا۔

ویظهر لدی أن المداواة لم تکن فی الماضی حاجة أساسیة۔ فلا یحتاج الانسان غالبًا الی العلاج، لانه یلتزم قواعد الصحة والوقایة فاجتهاد الفقهاء مبنی علی عرف قائم فی عصرهم، أما الان فقداصبحت الحاجة الی العلاج کالحاجة الی الطعام والغذاء ابل اهم،لان المریض یفضل غالبًا مایتداوی به علی کل شئی وهل یمکنه تناول الطعام و هو یشکو و یتوجع من الآلام والأوجاع التی تبرح به وتجهده وتهدده بالموت؟لذافانی أری وجوب نفقة الدواء علی الزوج کغیرهامن النفقات الضروریة ومثل وجوب نفقة الدواء اللازم للولد علی الوالد بالاجماع وهل من حسن العشرة ان یستمتع الزوج بزوجته حال الصحة ثم یرد الی اهلها لمعالجتها حال المرض؟وأخذ القانون المصری(م۱۰۰) لسنة ۱۹۸۵ م برأی فی النفقة المالکی أن النفقة الواجبة للزوجة تشمل الغذاء والکسوة والمسکن و مصاریف العلاج وغیرذلك بما یقضی به الشرع وأخذت المحاکم بهذا ۔(۱)

(۲)وکذا لایلزمه دواء ولافاکهة ،واعترض بعضهم بأن الدواء من الامور الضروریة لحیاة الانسان والفاکهة قد تکون ضروریة لمن اعتادعلیهامن الموسرین۔

والجواب:ان الدواء والفاکهة لا تجبان فی حالة التنازع ورفع الامر للقاضی، فالواجب علی الزوج فی هذ ه الحالة هوالحاجیات التی تقوم علیهاالحیاة غالباً،أما فی حالة الرضافهومکلف بینه وبین الله بمعاملة زوجته أحسن معاملة هذا ماقرره الحنفیة،وقدیقال ان هذایکون

(۱) الفقه الاسلامی(۷۳۸۰/۱۰)

ظـاهـرًافيـمااذا كان غنيين اوفقيرين أو كانت الزوجة غنية والزوج فقيرًا فانهمااذا كاناغنيين،أوالزوجة غنية فانهايمكنها ان تعالج نفسهاوتتفكه بـدون ضـرروإذا كـانافقيرين فالامرظاهر،اذليس من المعقول أن يكلف الـفـقـيـر بـالـدواء اوالـفاكهة وهولايقدر على القوت الضرورى الا بجهد ومشقة امـااذا كـانـت الـزوجة فـقيـرـة والزوج غنياً فان قواعد الاسلام تـقـضـى بالزامه لمعالجتها فانه يجب على الأغنياء أن يغيثواالمكروب و يعينوا المريض، فالزوجة المريضة اذا لم يعالجها زوجهاو يدفع لها ثمن الـدواء الزامًا؟ وهذاالكلام تستريح له النفس ولكن فقهاء الحنفية أجمعوا عـلـى مـاذكـرنـاطـردًا لـلأحكام،لأن حق الزوجة على الزوج من حيث يـوجـب أن ينفق مابه قوام الحياة العامة وهى حياة الصحيحة! فلا تجب عـليـه الـداوء على اى حال بل ان بعض المذاهب يرى ان النفقة لاتجب الا فـى نـظيـر الاسـتـمتـاع والـزوجة لا تـصلح للاستمتاع فلا تجب لها نـفـقـةـولـكـن الـحـنفية قالوا:ان النفقة تجب فى نظيرحبس الزوجة فى منزل زوجهاولولم تكن صالحة للاستمتاع كماستعرفه فى الشروط واذا كـان الـدواء وأجـرـة الـطبيـب لايـجبان عليه فكذلك لايجب عليه ثمن الـدخان والقهوة والشائى و نحوها ولوتضررت من تركهاوقداختلف فى أجــرـة الـقــابـلة الـداية،فـقيـل عـليهــا ، وقيـل عـليــه،وقيل عـلـى من استـدعـاهـامنهما،واستظهر بعضهم أنها على الرجل لأن منفعتهاراجعة الى الولد ونفقته على والده وهوالمعقول۔(۱)

(۳)وفى الحديث دلالة على ان النفقة بكفاية المرأة مع التقيد بالمعروف، اى الـمـتـعـارف بين كل جهة باعتبارماهوالغالب على أهلهاوهذا يختلف بـاختـلاف الازمـنة والامـكـنة والاحـوال والاشخاص،وقد راى صاحب

(۱) كتاب الفقه على المذاهب الاربعة(٤/٤٢٩)

الروضة الندية ان الكفاية بالنسبة للطعام تعم جميع ماتحتاج اليه الزوجة فيدخل فيه الفاكهة، وماهومعتاد من التوسعة فى الاعيادوسائرالاشياء التى قدصارت بالاستمرار عليهامالوفة بحيث يحصل التضرر لمفارقتها أو الضجر او الكدر، قال: ويدخل فيه الأدوية ونحوها واليه يشيرقوله تعالىٰ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فان هذانص فى نوع من انواع النفقات: ان الواجب على من عليه النفقة رزق من عليه انفاقهٗ۔
والرزق يشمل ما ذكرناه ثم ذكر رأى بعض الفقهاء فى عدم وجوب ثمن الادوية وأجرة الطبيب، لانه يرادلحفظ: كمالايجب على المستأجراجرة اصلاح ما انهدم من الدار ورجح دخول العلاج فى النفقة وأنه واجب فقال: وقال فى الغيث: الحجة ان الدواء لحفظ الروح فاشبه النفقة۔(۱)

(۴) مولانا مجیب اللہ ندوی اسلامی فقہ میں لکھتے ہیں:

"اس طرح بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ دواعلاج کا خرچ شوہر کے اوپر واجب نہیں ہے بلکہ اس کے اوپر نان نفقہ واجب ہے، اگر وہ دواعلاج کرتا ہے تو یہ اس کا احسان ہے اس مسئلے میں بھی راقم کی رائے یہ ہے کہ دواعلاج خاص طور اس زمانے میں انسان کی اس سے کم بنیادی ضرورت نہیں ہے جیسی کہ تیل کھنگی اور صابن وغیرہ ہے، جب عورت کے جسم کی صحت وصفائی کے لئے ان چیزوں کے فراہم کرنے کو فقہاء نے واجب لکھا ہے تو پھر دواء علاج کیونکر نہ واجب ہو پھر فقہاء یہ بھی لکھتے ہیں کہ بالغ لڑکوں کا نفقہ باپ پر واجب نہیں ہے لیکن اگر کوئی بالغ لڑکا بیمار ہوجائے تو پھر اس کا نان ونفقہ باپ پر ضروری ہوجاتا ہے، اور پھر یہ تو لڑکا ہے فقہاء نے مضارب کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کو علاج کا خرچ بھی ملے گا کیونکہ بغیر اس کے مضاربت کا کام وہ نہیں کرسکتا تو عورت سے جو فوائد متعلق ہیں ان کا لحاظ کر کے اس کے دواعلاج کا خرچ مرد پر ضروری کیونکر نہ قرار دیا جائے اگر عورت اس کا بار خود شوہر پر نہ ڈالے تو یہ عورت کا احسان کیونکر

(۱) فقہ السنۃ (۲/۱۵۹، ۱۶۰)

نہ سمجھا جائے، اس کے علاوہ مرض کی اور اس کے دواء کے علاج کی جو اہمیت نبی ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوتی ہے اس کی روشنی میں بھی یہ عورت کا ایک ضروری حق قرار دیا جانا چاہئے، اسی طرح بچے جننے کے وقت دائی وغیرہ کی فیس کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کو برداشت کرے گا جو اس کو بلائے گا، یعنی اگر بیوی خود بلائے گی تو وہی برداشت کرے گی اور اگر شوہر بلائے گا تو وہ برداشت کرے گا، راقم کے خیال ناقص میں اس کی بھی ہر حال میں مرد ہی کی ذمہ داری ہونی چاہئے، کیونکہ جب بچہ اس کا ہے، جب اس پر دودھ پلانے کی اجرت اور اس کا نفقہ واجب تو پھر ولادت کے وقت کے تمام اخراجات اس پر کیوں نہ واجب ہوں جبکہ یہ ایسا نازک موقعہ ہوتا ہے کہ اس وقت ذرا سی بے احتیاطی سے زچہ و بچہ کی جان خطرے میں پڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، در مختار کے اس جزیہ پر ابن عابدین نے جو لکھا ہے اوپر لکھی گئی تمام صورتوں پر اس کا اطلاق کرنا چاہئے:

"وظهرلي ترجيح الاول لأن نفع القابلة معظمه يعود الى الولد فيكون على ابيه"۔(۱)

اسلئے کہ بیوی کے دواء علاج کا سارا فائدہ شوہر کو پہنچے گا، بلکہ پوری امت کو پہنچے گا، اگر درست رہے گی تو گھر کا نظم و انتظام بھی درست رکھے گی اور جو اولاد ہوگی تندرست ہوگی جس سے نہ صرف باپ بلکہ پورے معاشرے کو فائدہ پہنچے گا، اور پھر یہ کتنی تکلیف دہ بات ہوگی کہ ہم اس کی صحت کی حالت میں اس سے فائدہ اٹھائیں اور دواء علاج کے وقت اس کو بے سہارہ چھوڑ دیں، یا اس کے والدین کے سر ذمہ داری ڈال دیں، فقہاء نے جس زمانے میں یہ رائے دی تھی اس زمانے میں نہ تو اتنے پیچیدہ امراض پیدا ہوئے تھے اور نہ دواء علاج ضروریات زندگی میں داخل ہوا تھا، اس لئے اس شرعی مسئلہ کا تعلق عرف اور حالات سے ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت حالات بدل چکے ہیں"۔(۲)

(۱) رد المحتار (ج ۱ ص ۸۹۳) (۲) اسلامی فقہ (۲/۱۱۸، ۱۱۹)

(۵) فتاویٰ عثمانی میں ہے:

''ایک مرتبہ اس مسئلہ پر دوسرے فقہاء کی کتابوں کی بھی مراجعت کا اتفاق ہوا اور یہ عجیب بات نظر آئی کہ سب کے ہاں صورت حال یکساں ہی ہے، یعنی علاج کے خرچے کو نفقہ کا حصہ قرار نہیں دیا گیا، لیکن تلاش کے باوجود قرآن وسنت کی کوئی ایسی نص بھی نہیں ملی جس میں یہ صراحت ہو کہ علاج کا خرچہ شوہر پر واجب نہیں ہے، اس لئے احقر کو کچھ یہ خیال ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں نفقہ کے ساتھ ''بالمعروف'' کی قید لگائی گئی ہے، جس کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفقہ کا تعین عرف پر مبنی ہے، پچھلے دور میں چونکہ علاج کا خرچ کچھ زیادہ لمبا چوڑا نہیں ہوتا تھا، اس لئے شاید عرف یہ تھا کہ وہ نفقہ میں شامل نہیں، اگر یہ بات درست ہو تو عرف کی تبدیلی سے حکم بدل جانا چاہئے، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دور میں عرفاً علاج نفقہ کا حصہ ہے یوں بھی عقلاً یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر شوہر پر علاج کا خرچ واجب نہ ہو تو بیماری کی صورت میں عورت کیا کرے گی، جبکہ موجودہ دور میں علاج کا خرچہ اتنا ہوتا ہے کہ ایک ایسی بیوی جس کا کوئی ذریعہ روزگار نہ ہو اس کا تحمل نہیں کر سکتی''۔(۱)

(۶) مولانا سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

''انسان کی بقاء کے لئے کھانے پینے سے زیادہ بڑی ضرورت علاج ہے اس لئے علاج نفقہ میں داخل ہے اور شوہر پر واجب ہے کہ وہ اسے ادا کرے خاص کر جو اخراجات ولادت کے سلسلہ میں ہوتے ہیں''۔(۲)

(۷) قاموس الفقہ میں لکھتے ہیں:

''قرآن وحدیث اور شریعت کے مزاج ومذاق کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کے نفقہ میں اس کی تمام بنیادی ضروریات شامل ہیں جو اصل میں ہر زمانہ کے عرف اور حالات سے متعلق ہیں اور اس سلسلہ میں قطعی تحدید ویقین نہیں کیا جا سکتا''۔(۳)

(۱) فتاویٰ عثمانی(٢/٤٩١، ٤٩٢)

(۲) كتاب الفتاوىٰ (١٤٨/٥) كتاب الطلاق۔

(۳) قاموس الفقه (٢٠٦/٥)ماده نفقه ـ

۵)......رسول اللہ ﷺ اپنا علاج کراتے رہے ہیں اور اسی طرح آپ اہل بیت کا علاج بھی کراتے رہے اور صحابہ کرامؓ کا بھی علاج کروایا اور علاج کرنے کی ترغیب دی۔

(۱) قد روی البزار عن عروة قلت لعائشةؓ انی اجدك عالمة بالطب، فمن این ؟ فقالت: ان رسول الله ﷺ كثرت اسقامه فكانت اطباء العرب و العجم ينعتون له فتعلمت ذلك،قال السيوطی:والاحاديث المأثورة بعلمه ﷺ بالطب لا تحصی،وقد جمع منها دواوين۔(۱)

مسند بزار میں حضرت عروہ بن زبیر سے مروی وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہؓ سے کہا میں دیکھتا ہوں کہ آپ کو طب کا علم بھی ہے، یہ آپ نے کہاں سے سیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کثرت سے بیمار ہو کرتے تھے اور عرب وعجم کے اطباء آپ کا علاج کرتے اور آپ کے سامنے طبی تجربات بیان کرتے۔ میں نے یہاں سے علم طب سیکھا ہے امام سیوطی کہتے ہیں کہ علم طب کے بارے میں نبی ﷺ سے بے شمار احادیث مروی ہیں اور ان سے کئی کتب اور دیوان لکھے گئے ہیں۔

(۲) حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں:

كان من هديه ﷺ فعل التدوای فی نفسه والامر به لمن اصابه مرض من اهله و اصحابه۔(۲)

نبی ﷺ کی سنت یہ تھی کہ آپ خود اپنا علاج بھی کراتے تھے اور اپنے اہل وعیال اور صحابہ کرامؓ میں سے جو بیمار ہوتا اسے بھی علاج کرانے کا حکم صادر فرماتے تھے۔

(۳) عن هلال بن يساف قال:دخل رسول الله ﷺ علی مريض يعوده فقال: ارسلوا الی طبيب فقال قائل:وانت تقول ذلك يارسول الله قال نعم ان الله عز وجل لم ينزل داء الا انزل له دواء۔(۳)

نبی ﷺ ایک بیمار کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے پھر آپ ﷺ نے مریض کے

---

(۱) اوجز المسالك(۳۸۸/۱٤)باب تعالج المريض۔

(۲) زاد لمعاد(٤/٧٤)

(۳) زاد المعاد(٤/١٥٧)

اہل خانہ سے فرمایا کہ طبیب کو پیغام بھیجو وہ آکر اس کا علاج کرے، ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول آپ بھی علاج کا کہتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں کی جس کی دواء پیدا نہ فرمائی ہو۔

(٤)عن هشام بن عروة عن ابيه قال: قلت لعائشةؓ :قداخذت السنن عن رسول الله ﷺ والشعروالعربية عن العرب،فمن من اخذت الطب؟ قالت:ان رسول الله ﷺ كان رجلا مسقاما،وكان اطباء العرب يأتونه فاتعلم منهم۔(١)

حضرت عروہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آپ نے شرعی مسائل و احکام نبی ﷺ سے اور شعر و عربیت اہل عرب سے سیکھی ہے، تو طب کا علم کس سے حاصل کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی ﷺ بہت کثرت سے بیمار ہوتے تھے اور عرب کے اطباء آپ کے علاج کیلئے آتے تھے میں نے علم طب ان سے سیکھا ہے۔

(٥)عن جابرؓ قال:مرض ابی بن کعبؓ فبعث النبی ﷺ اليه طبيبا فقطع منه عرقاثم كواه عليه۔ (٢)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں حضرت ابی بن کعبؓ بیمار ہوئے تو نبی ﷺ نے ان کے پاس طبیب بھیجا طبیب نے آپ کو داغا۔

(٦)عن سعدبن ابی وقاصؓ قال:مرضت مرضااتانی رسول الله ﷺ یعودنی فوضع يده بين ثدى حتى وجدت بردهافی فؤادى فقال انك رجل مفؤدائت الحارث بن كلدة اخاثقيف فانه رجل يتطبب فليأخذه سبع تمرات من عجوة المدينة فليجاء هن بنواهن ثم ليلدك بهن۔(٣)

(١) مستدرك الحاكم(١٢٢،١٢١/٥)كتاب الطب رقم الحديث٧٥٨٥ وقال الحاكم هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه وقال الذهبى فى التلخيص: على شرط البخارى ومسلم، عند الحاكم صحيح الاسناد۔

(٢) مستدرك الحاكم (١٣٩/٥) رقم الحديث ٧٦٥٥ كتاب الطب

(٣) ابوداؤد(١٨٥/٢)كتاب الطب، الباب اثنا عشر فى تمرة العجوة

سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں کچھ بیمار ہوا تو نبی ﷺ میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے اور آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینوں کے درمیان رکھا حتی کہ میں نے دل میں آپ کے ہاتھوں کی ٹھنڈک محسوس کی، پھر آپ نے فرمایا کہ آپ کے دل کو تکلیف ہے لہذا آپ حارث بن کلدۃ ثقفی کے پاس جائیں کیونکہ وہ اچھے طبیب ہیں، علاج کرتے ہیں وہ مدینہ کی سات عجوہ کھجوریں لے کر گھٹلیوں سمیت پیس دیں گے پھر آپ کو پلا دیں گے۔

قال الحافظ فی الاصابة (القسم الاول من الاصابة) قال ابن ابی حاتم: لایصح اسلامه وهذاالحديث يدل على جوازالاستعانة باهل الذمة فی الطب ۔(۱)

(۷) عن زيد بن اسلم ان رجلا فی زمان رسول الله ﷺ اصابه جرح فاحتقن الجرح الدم وان الرجل دعارجلين من بنی انمارفنظر اليه فزعماان رسول الله ﷺ قال لهما ايكمااطب فقالاأوفی الطب خيريارسول الله؟فزعم زيدان رسول الله ﷺ قال:انزل الدواء الذی انزل الدواء۔(۲)

زید بن اسلمؒ کہتے ہیں نبی ﷺ کے زمانے میں ایک شخص زخمی ہوا اور زخم سے خون نکلنے لگا، اس آدمی نے بنو انمار سے تعلق رکھنے والے دو طبیبوں کو بلایا انہوں نے اس کو دیکھنا شروع کیا تو نبی ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم میں سے زیادہ اچھا طبیب کون ہے؟ (تا کہ وہ علاج کرے) انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا طب میں بھی کوئی خیر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس اللہ نے بیماریوں کو پیدا کیا ہے اس نے علاج بھی پیدا کیا ہے۔

حافظ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں اس عنوان سے فصل قائم کر کے مذکورہ حدیث نقل کی ہے "فصل فی هديه فی الإرشاد إلى معالجة أحذق الطبيبين" یعنی دو طبیبوں میں سے زیادہ ماہر طبیب سے علاج کرانے کی طرف راہنمائی کرنا بھی آپ کی سیرت اور سنت ہے۔

(۱) بذل المجهود(٥/٥) وكذا فی تكمله فتح الملهم(٢٩٢/٤) اول كتاب الطب۔

(۲) موطاالامام مالك(٣٧٥) باب تعالج المريض۔

''رسول اللہ ﷺ نے اپنا علاج بار بار کرایا اور اتنا زیادہ کرایا کہ عرب وعجم کے اطباء آئے اور ان کے تجربات سے حضرت عائشہؓ نے علم طب سیکھا اور آپ نے اہل بیت کا بھی متعدد بار علاج کرایا اور کئی صحابہ کرام کو علاج کے لئے بھیجا حتی کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو حارث بن کلدہ کے پاس علاج کے لئے بھیجا جو مسلمان بھی نہ تھا، مباح کام کا اتنا اہتمام اور تاکید نہیں ہوسکتی، معلوم ہوا کہ علاج محض مباح نہیں ہے''۔(۱)

(۱) زاد المعاد(٤/١٥٧)

(۱۴)

القنية فی احکام الحِمية

پرہیز کی شرعی حیثیت

پرہیز کی اہمیت کے بارے میں نصوص

(١)قال الله تعالی: ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى اَوْعَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَاءَ اَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ اَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ﴾(١)

اوراگرتم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی ایک قضاءِ حاجت سے فارغ ہوکرآئے یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرلیا کرو۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تیمّم کے جواز کی مختلف صورتیں بیان فرمائی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مریض تیمّم کرسکتا ہے، فقہاءِ عظام اور مفسرین ومحدثین فرماتے ہیں کہ یہ آیت پرہیز کے سلسلہ میں اصلِ کلی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مریض کو پانی کے استعمال سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ پانی مریض کیلئے مضر اور نقصان دہ ہے۔(۲)

مولانا سہارنپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فاباح للمريض العدول عن الماء الى التراب حمية له ان يصيبه ما يؤذيه"۔(٣)

(١) النساء:٤٣۔ المائدة:٦١

(٢) زادالمعاد (١٣٨/٤)

(٣) بذل المجهود(د/١)

یعنی اللہ تعالی نے مریض کو پانی سے مٹی کی طرف عدول کی اجازت اسلئے دی ہے کہ شاید پانی اسے تکلیف اور اذیت پہنچادے، اس سے بچاؤ اور پرہیز کیلئے اجازت دی ہے۔

(۲) عن ام المنذر بنت قیس الانصاریۃؓ قالت: دخل علی رسول اللہ ﷺ و معه علیؓ ناقه ولنادوالی معلقة فقام رسول اللہ ﷺ یأکل منهاوقام علیؓ لیأکل فطفق رسول اللہ ﷺ یقول لعلیؓ: مه انك ناقه حتی کف علیؓ قالت: وصنعت شعیرا وسلیقافجئت به فقال رسول اللہ ﷺ: یاعلیؓ اصب من هذا فهوانفع لك۔(۱)

حضرت ام منذر بنت قیس انصاریہ کہتی ہیں نبی ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی تھے جو کہ ابھی مرض سے تازہ تازہ صحت یاب ہوئے تھے اور ہمارے گھر میں کھجوروں کے کچھ گچھے لٹکے ہوئے تھے تو نبی ﷺ کھڑے ہو کر ان سے کھانے لگے اور حضرت علیؓ بھی کھانے کیلئے اٹھے تو نبی علیہ السلام ان کو کہنے لگے کہ تم نہ کھاؤ کیونکہ تم ابھی تازہ صحت یاب ہوئے ہو یہاں تک کہ حضرت علیؓ رک گئے، ام منذرؓ فرماتی ہیں کہ پھر میں نے چقندر اور جو سے کھانا تیار کیا اور ان کے پاس لائی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا اے علیؓ یہ کھاؤ کیونکہ یہ تمہارے لئے نفع بخش ہے۔ مستدرک حاکم کی ایک روایت میں ہے کہ ام المنذرؓ نبی علیہ السلام کی خالہ تھیں۔

حضرت سہارنپوریؒ لکھتے ہیں:

وفی الحدیث دلیل علی فضل الطب وان الطبیب یقبل قوله ویرجع الیه فی ترك المضر وتناول النافع۔(۲)

اس حدیث میں تین باتوں کی طرف رہنمائی کی گئی ہے (۱) علم طب کی فضیلت (۲) طبیب کی بات ماننی چاہئے (۳) پرہیز کے بارے میں طبیب اور ڈاکٹر کا قول معتبر

(۱) سنن ابوداؤد(۲/۱۸۳)اول کتاب الطب،باب فی الحمیة واللفظ له وسنن ابن ماجة (صفحه ۲٤٥) ابواب الطب،باب الحمیة۔وجامع الترمذی(۲/٤٦٧)ابواب الطب،باب ما جاء فی الحمیة ومستدرك الحاکم (٥/١٢٩)رقم الحدیث ۷٦١١

(۲) بذل المجهود(٥/٢٠١)

ہے اور اس بارے میں اسی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

☆ نبی علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھجوریں کھانے سے منع کیا اور بعد میں جو اور چقندر سے مخلوط کھانے کی اجازت دی، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیماری سے تازہ شفایاب ہوئے تھے ابھی تک بیماری کے آثار موجود تھے طبعیت میں ثقیل کھانا ہضم کرنے کی قوت موجود نہ تھی، اس حالت میں طبیعت اور قوتِ ہاضمہ بیماری کے بقیہ آثار کو ختم کرنے میں مصروف ہوتی ہے، اگر کھجوروں جیسی ثقیل چیز کھائی جائے تو سخت مضر ہے البتہ جو ٹھنڈی چیز ہے اور اس میں غذا کا مادہ موجود ہوتا ہے خاص طور پر جب اس کو چقندر کے ساتھ ملا لیا جائے تو یہ ضعیف معدہ کیلئے موافق غذا ہے اس لئے نبی علیہ السلام نے اس کے کھانے کا حکم دیا۔(۱)

(۳)عن قتادة بن النعمانؓ ان رسو ل الله ﷺ قال: اذااحب الله عبدا حماه الدنيا كمايظل احدكم يحمى سقيمه الماء۔(۲)

قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا جب اللہ تعالی بندے سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالی اسے دنیا کے مال ومتاع سے اس طرح پرہیز کی توفیق دے دیتے ہیں کہ جیسے تم میں سے ایک اپنے مریض کو پانی سے پرہیز کرواتا ہے

(٤)عن ابى سعيد الخدریؓ ان النبى ﷺ قال ان الله ليحمى عبده المؤمن وهويحبه كما تحمون مريضكم الطعام والشراب تخافون عليه۔(۳)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اللہ تعالی اپنے محبوب مومن بندے کو ایسے بچائے رکھتا ہے جیسے تم لوگ اپنے مریض کو کھانے پینے کی مضر اشیاء سے پرہیز کرواتے ہو تمہیں مریض کو نقصان پہنچنے کا خوف رہتا ہے۔

(٥)من ولد صهيب عن ابيه عن جده صهيبؓ قال: قدمت على النبى ﷺ وبين يديه خبز وتمر فقال النبى ﷺ: ادن فكل فاخذت اكل من التمر فقال

(۱) زاد المعاد (١٣٩/٤)

(۲) جامع الترمذى(٤٦٧/٢) ابواب الطب، باب ما جاء فى الحمية، ومستدرك الحاكم (١٣٢/٥) كتاب الطب، رقم الحديث ٧٦٢٣ وقال الذهبى: صحيح۔

(۳) مستدرك الحاكم (١٣٢/٥) رقم الحديث ٧٦٢٥

النبی ﷺ: تاکل تمرا وبك رمد قال: فقلت: انی امضغ من ناحیة اخری فتبسم رسول الله ﷺ۔(۱)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نبی علیہ السلام کے پاس گیا اس حال میں کہ ان کے سامنے روٹی اور کھجوریں موجود تھیں، تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ قریب ہو جاؤ اور کھاؤ تو میں کھجوروں سے کھانے لگا، تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کی آنکھیں دکھ رہی ہیں اور کھجوریں بھی کھاتے ہو؟ پرہیز کیوں نہیں کرتے؟ صہیبؓ کہتے ہیں میں نے کہا کہ میں دوسرے حصے سے چباتا ہوں، اس پر نبی علیہ السلام مسکرائے۔(۲)

(٦)عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ: المعدة حوض البدن و العروق اليها واردة فاذاصحت المعدة صدرت العروق بالصحة واذافسدت المعدة صدرت العروق بالسقم۔(۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ معدہ

(۱) ابن ماجة (صفحه ٢٤٦) ابواب الطب، باب الحمية۔

(۲) مستدرك الحاكم (٣٢٧/٥) رقم الحديث ٨٤٣٤ وقال هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه، وافقه الذهبی فی التخليص: صحيح۔

(۳) مشكوة المصابيح (٣٩٠/١) كتاب الطب والرقی وقال: رواه البيهقی فی شعب الايمان و جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد (٣٠٦/٣) رقم الحديث (٧٤٧٩) كتاب الطب ومايقرب منه وفی اعذب المواردتحته: وفيه يحيىٰ بن عبد الله البابلتی وهوضعيف كذا فی مجمع الزوائد (٨٦/٥) وكذا فی زاد المعاد فی هدی خير العباد (١٣٩/٤) وقال مصطفى عبد القادرعطا فی تخريجه: اورده العقيلی فی الضعفاء الكبير (٥١/١) وقال: باطل لا اصل له، وكذا فی مجمع البحرين فی زوائد المعجمين (٤٩/٤) كتاب الطب، الباب الثانی فی المعدة رقم الحديث (٤١٣٨) وقال: لم يروه عن الزهری الا زيدتفرد به ابراهيم بن جريج الرهاوی قال محمد حسن محمد حسن اسماعيل الشافعی: اسناده واهٍ فيه، أ۔ يحيىٰ بن عبد الله البابلتی: ضعيف، ب۔ ابراهيم بن جريج الرهاوی، متروك، و الحديث اخرجه الطبرانی فی الاوسط (٣٢٩/٤)۔ (٤٣٤٣) والعقيلی (٥١/١) وضعفه الحافظ الهيثمی بيحيىٰ فقط۔ انظر مجمع الزوائد (٨٩/٥) وقال الحافظ ابن حجر عن الحديث انه باطل۔ انظرلسان الميزان (٤٣/١) وكذا فی كنزالعمال (١٦/١٠) كتاب الطب رقم الحديث (٢٨٢٤٤)

بدن کا حوض ہے اور رگیں اس کی طرف وارد ہونے والی نہریں ہیں پس جب معدہ درست ہوتا ہے تو رگیں صحت مندی صادر کرتی ہیں اور جب معدہ خراب ہوتا ہے تو رگیں بیماری صادر کرتی ہیں۔

(۷)عن جعفر عن ابیه قال:اهدی للنبی ﷺ قناع من تمر وعلیؓ محموم قال: فنبذ الیه تمرة ثم اخری حتی ناوله سبعًا ثم کف یده وقال: حسبك۔

حضرت جعفر صادق اپنے والد محمد باقر رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو کچھ کھجوریں ہدیہ کی گئیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بخار تھا تو نبی علیہ السلام ان کو ایک ایک کھجور دیتے رہے حتی کہ سات کھجوریں دیدیں پھر ان کا ہاتھ روک لیا اور فرمایا کہ یہی کافی ہیں۔

(۸)ومن هذا مایروی عن علیؓ انه دخل علی رسول الله ﷺ و هو ارمد و بین یدی النبی ﷺ تمر یأکله،فقال: یاعلی اتشتهیه؟ورمی الیه بتمرة،ثم باخری حتی رمی الیه سبعًا ثم قال:حسبك یاعلی۔(۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کے پاس آئے اس حال میں کہ آپ کی آنکھیں دکھی ہوئی تھیں، اور نبی علیہ السلام کے سامنے کھجوریں تھیں جنھیں وہ کھا رہے تھے نبی علیہ السلام نے پوچھا اے علی کھجوروں کی چاہت ہے؟ پھر ان کو ایک ایک کر کے سات کھجوریں دیں پھر کہا اے علی یہی تمہارے لئے کافی ہیں۔

(۹)ذکر ابونعیم فی کتاب "الطب النبوی" انه ﷺ کان اذا رمدت عین امرأة من نسائه لم یأتها حتی تبرأ عینها۔(۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی علیہ السلام کا معمول یہ تھا کہ جب آپ کی

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبة (۱۳۱/۱۲) کتاب الطب۔باب فی الحمیة للمریض رقم الحدیث ۲٤۱۳٤ قال محمد عوامة :هذا مرسل ورجال اسناده ثقات۔

(۲) زاد المعاد(۱٤۰/٤)

(۳) زاد المعاد (۱٤۰/٤)قال المحقق:اورده السیوطی فی الجامع الصغیر(۱٤۱/۰) وعزاه لابی نعیم فی الطب النبوی عن ام سلمةؓ۔

ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کی آنکھ دکھ جاتی تو آپ اس کے قریب نہ جاتے یہاں تک کہ اس کی آنکھ درست ہو جاتی۔

(۱۰)زید بن اسلم عن ابیه قال:مرضت فی زمن عمر بن الخطابؓ مرضا شدیدا فدعا لی عمر طبیبا فحمانی حتی کنت امص النواة من شدة الحمیة۔(۱)

زید بن اسلم اپنے والد اسلم سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سخت بیمار ہوا تو حضرت عمرؓ نے میرے لئے طبیب (ڈاکٹر) بلایا تو ڈاکٹر نے مجھے سخت پرہیز بتلائی حتی کہ میں سخت پرہیز کی وجہ سے کھجور کی گھٹلی چوستا تھا۔(کیونکہ کھانے پینے کی باقی اشیاء چھوڑ دی تھیں)۔

وقال زید بن اسلم :حمی عمر رضی الله عنه مریضاله،حتی انه من شدة ماحماه کان یمص النوی۔(۲)

زید بن اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ایک مریض کو پرہیز پر پابند کر دیا تھا یہاں تک کہ سخت پرہیز کی وجہ سے کھجور کی گھٹلیاں چوستے تھے۔

(۱۱) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال رسول الله ﷺ:لا عدویٰ ولا طیرة ولا هامة ولاصفر وفر من المجذوم کماتفر من الاسد۔(۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجذوم (مرضِ جذام میں مبتلا شخص) سے ایسے دور بھاگو جیسے شیر سے دور بھاگتے ہو۔

(۱۲)عن ابی هریرة رضی الله عنه قال رسول الله ﷺ:لا یورد ممرض علی مصحح۔(٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بیمار

(۱) مستدرك الحاكم (١٣٢/٥) كتاب الطب، رقم الحديث (٧٦٢٤)

(۲) زادالمعاد (١٣٩/٤)

(۳) صحيح البخارى (٨٥٠/٢) كتاب الطب، باب الجذام۔

(٤) صحيح المسلم (٢٣٠/٢) باب الطب، كتاب السلام۔

اونٹوں کا مالک اپنے اونٹ تندرست اونٹوں والے شخص کے اونٹوں میں نہ چھوڑے (اس سے پرہیز کرے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ تندرست اونٹ بیمار اونٹوں کے ملنے سے بیمار ہو جائیں)۔

(۱۳)عن اسامة بن زيدؓ قال:قال رسول الله ﷺ:الطاعون رجزارسل على بنى اسرائيل اوعلى من كان قبلكم فاذاسمعتم به بارض فلا تقدموا عليه واذاوقع بارض وانتم بهافلا تخرجوا فرارا منه۔(۱)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل پر نازل کیا گیا یا فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں پر بھیجا گیا تھا پس جب تم سنو کہ کسی علاقے میں طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ اور جہاں تم ہو اس علاقے میں طاعون پھیل جائے، تو وہاں سے مت بھاگو (کہیں ایسا نہ ہو کہ طاعون تمہارے ساتھ دوسرے علاقے میں منتقل ہو جائے)۔

(۱٤)عن ابى نجيح قال:سأل عمر بن الخطابؓ الحارث بن كلدة و هو طبيب العرب ما الدواء؟قال:الأزم يعنى الحمية (رواه ابو عبيد فى الغريب و ابن السنى وابو نعيم،هب)(۲)

ابو نجیح کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرب کے طبیب حارث بن کلدہ سے پوچھا کہ اصل دواء کیا ہے انہوں نے کہا کہ الازم یعنی پرہیز کرنا اصل دواء ہے۔

(۱۵)اسی طبیب عرب حارث بن کلدہ طائفی ثقفی کا مشہور قول ہے:

"الحمية رأس الدواء،والمعدة بيت الداء وعودوا كل جسم مااعتاده"۔(۳)

یعنی پرہیز کرنا علاج ودواء کا سردار ہے اور معدہ بیماری کا گھر ہے اور تم ہر جسم کو اسی چیز کا عادی بنائے رکھو جس کی اسے عادت ہے۔

(۱) صحيح المسلم (۲/۲۲۸) كتاب السلام،باب الطاعون الخ

(۲) تكمله فتح الملهم (٤/٣٦١)

(۳) كنزالعمال(۱۰/۳۵) اول كتاب الطب،باب الحمية ،رقم الحديث (۲۸٤٦۲)

بعض حضرات نے اس قول کو نبی علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، حافظ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

واما الحديث الدائر على السنة كثير من الناس "الحمية رأس الدواء الخ فهذا الحديث انماهو من كلام الحارث بن كلدة طبيب العرب، ولا يصح رفعه الى النبى ﷺ قاله غير واحد من ائمة الحديث۔(۱)

یعنی بہت سے لوگوں کی زبانوں پر جو حدیث بیان ہوتی ہے الحمية رأس الدواء ...... الخ یہ حارث بن کلدۃ کا قول ہے، اسے نبی علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی صحت ثابت نہیں ہے اور یہ بات ایک سے زیادہ محدثین نے فرمائی ہے۔

(۱۶) اسی حارث بن کلدہ کا دوسرا قول ہے: رأس الطب الحمية یعنی پوری طب کا سردار پرہیز و احتیاط ہے۔(۲)

حارث بن کلدہ مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن نبی علیہ السلام نے ان کی طب پر اعتماد کیا تھا اور محدثین مؤرخین اور فقہاء کرام نے ان کے یہ اقوال اپنی کتب میں تائید کیلئے نقل فرمائے ہیں

(۱۷) حافظ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وبالجملة فالحمية من انفع الادوية قبل الداء فتمنع حصوله واذاحصل فتمنع تزايده وانتشاره۔(۳)

خلاصہ یہ کہ پرہیز نافع ترین ادویات میں سے ہے، اگر بیماری لگنے سے پہلے پرہیز کیا جائے تو یہ بیماری کے حصول سے مانع ہے اور اگر بیمار ہونے کے بعد کیا جائے تو بیماری کے زیادہ ہونے اور اس کے پھیلنے سے مانع ہے۔

(۱۸) مزید لکھتے ہیں:

ولما كانت الصحة والعافية من اجل نعم الله على عبده واجزل عطاياه و اوفر منحه بل العافية المطلقة اجل النعم على الاطلاق، فحقيق لمن رزق

(۱) زاد المعاد (۱۳۹/٤)

(۲) زاد المعاد (۱۳۹/٤)

(۳) زاد المعاد (۱۳۹/٤)

حظا من التوفیق مراعاتھا وحفظھا وحمایتھا عما یضادھا۔(۱)

اور جب صحت وعافیت اللہ تعالی کی اپنے بندے پر جلیل القدر نعمتوں، عظیم عطاؤں اور اکمل عطیات میں سے ہے بلکہ عافیت مطلقہ تمام نعمتوں سے مطلقاً بڑی اور عظیم نعمت ہے تو جس کو بھی توفیق کا کچھ حصہ ملا ہے اس پر لازم ہے کہ صحت کا خیال رکھے، اس کی حفاظت کرے اور ان تمام چیزوں سے بچے اور پرہیز کرے جو صحت کے منافی ہیں۔

(۱۹) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ومدار ذلك على ثلاثة اشياء: حفظ الصحة والاحتماء عن الموذی و استفراغ المادة الفاسدة وقد اشير الی الثلاثة فی القرآن :فالاول من قوله تعالی "فمن كان مريضا اوعلی سفر فعدة من ايام اخر" وذلك ان السفر مظنة النصب وهو من مغيرات الصحة فاذا وقع فيه الصيام ازداد فابيح الفطر ابقاء على الجسد وكذا القول فی المرض، الثانی وهو الحمية من قوله تعالی ، "ولا تقتلوا انفسكم "فانه استنبط منه جواز التيمم عند خوف استعمال الماء البارد، والثالث من قوله تعالی: "اوبه اذی من رأسه ففدية" فانه اشير بذلك الی جواز حلق الرأس الذی نهی منه المحرم لاستفراغ الاذی الحاصل من البخار المحتقن فی الرأس۔(۲)

علم طب کا مدار تین چیزوں پر ہے (۱) صحت کی حفاظت (۲) ہر نقصان دہ چیز سے پرہیز (۳) فاسد مادہ کا اخراج اور ان تینوں کی طرف قرآن کریم میں اشارہ موجود ہے اللہ تعالی کے قول ﴿فَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا ......﴾ میں دو چیزوں کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے (۱) سفر (۲) مرض، اور یہ اجازت اسلئے دی گئی ہے کہ ان دونوں حالتوں میں روزہ رکھنے سے صحت خراب ہوتی ہے، حالت مرض میں روزہ رکھنے سے مرض میں اضافہ ہوسکتا ہے اور سفر میں تکلیف ومشقت ہوتی ہے لہذا سفر خود مغیراتِ صحت میں سے ہے، اگر اس میں روزہ بھی رکھا جائے تو صحت بگڑنے کا زیادہ اندیشہ

(۱) زاد المعاد (۴/۲۱۰)

(۲) فتح الباری (۱۰/۱۶۶) اول کتاب الطب۔

ہے(۲) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ﴾ یعنی ٹھنڈا پانی استعمال کر کے اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، تیمّم کرلیا کرو، ہلاکت کے خوف سے تیمّم کی اجازت دینا پرہیز ہی ہے۔(۳) ﴿اَوْبِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ﴾ شرعاً محرم شخص کے لئے سر کے بال منڈانا منع ہے لیکن اگر سر میں جوئیں پڑ جائیں اور سخت تکلیف ہو تو مذکورہ آیت میں سر منڈانے کی اجازت دی ہے تاکہ فاسد مادہ کا اخراج ہو سکے۔

(۲۰)عن عائشة رضى الله عنهاقالت: كان رسول الله ﷺ اذا اخذاهله الوعك امربالحساء فصنع ثم امرهم فحسوامنه وكان يقول: انه ليرتوفؤاد الحزين وليسروعن فؤاد السقيم كماتسرواحديكن الوسخ بالماء عن وجهها۔(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کو بخار ہوا تو آپ نے حساء (تلبینہ یعنی پانی اور آٹے سے بنائے جانے والی نرم خوراک) بنانے کا حکم دیا اور جب تیار ہوا تو آپ نے گھر والوں کو کھانے کا امر فرمایا چنانچہ انہوں نے کھایا اور آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ حساء غمگین آدمی کے دل کو قوت بخشتی ہے اور بیمار کے دل سے بیماری کو ایسے زائل کر دیتی ہے جیسے تم میں سے کوئی ایک پانی کے ذریعہ اپنے چہرے سے میل کچیل دور کرتی ہے۔(۲)

(۲۱)عن عائشة رضى الله عنهاعن النبى ﷺ قال: عليكم بالبغيض النافع، التلبينة، فوالذى نفس محمد بيده انها لتغسل بطن احدكم مايغسل الوسخ عن وجهه الماء قالت وكان النبى ﷺ اذا اشتكى احد من اهله لم تزل البرمة على النار حتى يأتى على احدطرفيه اماموت اوحياة۔(۳)

---

(۱) جامع الترمذی(۲۶۸/۲) ابواب الطب،باب ما جاء مایطعم المریض ومستدرك الحاكم (۱۲۹/۵) رقم الحدیث ٦٧١٣

(۲) وكذافى سنن ابن ماجة(صفحه ۲٤٦) ابواب الطب،باب التلبينة۔

(۳) مستدرك الحاكم (٣٢٣/٥) كتاب الطب الثانى،رقم الحديث ٨٤١٥۔وقال الحاكم: هذا حديث على شرط البخارى ولم يخرجاه،ووافقه الذهبى فى التلخيص: على شرط البخارى۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تلبینہ ایک نافع خوراک ہے اسے لازم پکڑ لو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے وہ تم میں سے ایک کے پیٹ کو اس طرح صاف کر دیتا ہے جیسے پانی چہرے سے میل کچیل صاف کر دیتا ہے حضرت عائشہ کہتی ہیں آپ کے اہل وعیال میں سے کوئی ایک بیمار ہوتا تو ہانڈی ہمیشہ آگ پر رہتی یہاں تک کہ دو کاموں میں سے ایک ہو جاتا یا وہ صحت مند ہو جاتا یا فوت ہو جاتا۔

(۲۲) امام حمویؒ نے غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر میں حدیث نقل فرمائی ہے:

"المعدة بيت الداء والحمية راس الدواء واصل كل داء البردة"۔(۱)

پرہیز کی اقسام

پرہیز کو عربی میں "الحمیۃ" کہا جاتا ہے، شرعاً پرہیز کی بنیادی تین صورتیں ہیں:

۱)......مرض لاحق ہونے سے قبل حالتِ صحت میں پرہیز، یہ پرہیز مرض لاحق ہونے سے مانع ہوتا ہے اسے حمیۃ الاصحاء یعنی تندرستوں کا پرہیز کہا جاتا ہے۔

۲)......مرض لاحق ہونے کے بعد پرہیز، یہ پرہیز مرض کو کنٹرول کرتا، ختم کرتا اور مزید پھیلاؤ سے روکتا ہے اسے حمیۃ المرضیٰ کہا جاتا ہے۔

۳)......مریض نے علاج شروع کیا ہے اور ڈاکٹر نے اسے دوائی دی ہے، بعض اوقات ڈاکٹر مریض کو پرہیز کا حکم دیتا ہے، اس پرہیز پر علاج کا مفید ہونا اور دوائی کا مؤثر ہونا موقوف ہوتا ہے، اگر پرہیز نہ کیا جائے تو دواء کا استعمال بے کار بلکہ بعض اوقات دوائی کا ری ایکشن (RE-ACTION) ہوتا ہے اور مزید ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ پہلی دو صورتوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

والحمية :حميتان: حمية عمايجلب المرض وحمية عمايزيده، فيقف على حاله، فالاول: حمية الاصحاء والثانية :حمية المرضىٰ، فان المريض اذا

(۱) غمز عيون البصائر شرح الاشباه والنظائر (۱/ ۱۱۰) الفن الاول القاعدة الثانية ۔

احتمى وقف مرضه عن التزايد واخذت القوى في دفعه۔(۱)

تیسری صورت کی تصریح فقہاء کرام سے نہ مل سکی اور اس کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں (۱) پہلے زمانہ میں علاج کی اہمیت اتنی زیادہ نہ تھی جواب ہے، اسی طرح اس زمانے میں طب نے اتنی ترقی نہ کی تھی جواب کی ہے۔ (۲) پہلے یونانی اور دیسی علاج ہوتا تھا اور حکمت و یونانی علاج کی خاصیت یہ ہے کہ اس کی کوئی بھی دوائی ردعمل ظاہر نہیں کرتی، اور اب انگیریزی طریقہ علاج زیادہ ہے اور انگریزی ادویات استعمال کرتے وقت پرہیز نہ کیا جائے تو ان کا ردعمل ظاہر ہوتا ہے اور فائدہ کی بجائے ضرر اور نقصان کا خطرہ ہے بلکہ مشاہدہ ہے۔

پرہیز کی شرعی حیثیت

شرعاً پرہیز کا حکم یہ ہے۔

(۱) واجب:

مندرجہ ذیل صورتوں میں پرہیز کرنا واجب اور بد پرہیزی ناجائز اور حرام ہے:

۱)......بد پرہیزی سے نفس و جان کی ہلاکت کا یقین یا غلبہ ظن ہو۔

۲)......کسی عضو کے ضائع، تلف اور بے کار ہونے کا یقین یا غلبہ ظن ہو۔

۳)......سخت نا قابل برداشت تکلیف و ضرر پہنچنے کا یقین یا غلبہ ظن ہو۔

۴)......بد پرہیزی کی وجہ سے ڈاکٹر کی مجوزہ ادویات کے ردعمل کی وجہ سے جان کی ہلاکت یا عضو کے تلف ہونے یا نا قابل برداشت تکلیف پہنچنے کا یقین یا غلبہ ظن ہو۔

۵)......ری ایکشن سے مذکورہ خطرہ تو نہ ہو لیکن یقین یا ظن غالب ہو کہ بد پرہیزی کی وجہ سے مجوزہ قیمتی ادویات کی افادیت ختم ہو جائے گی اور مریض مرض سے صحت یاب نہ ہو سکے گا، ایسی صورت میں پرہیز واجب اور بد پرہیزی ناجائز اس لئے ہے کہ یہ قیمتی ادویہ کو ضائع

---

(۱) زاد المعاد (۱۳۸/٤)

کرنے کے مترادف ہے جو کہ اسراف اور اضاعتِ مال ہے، ہاں اگر ادویات معمولی قیمت کی ہوں تو اسے اسراف شمار نہیں کیا جائے گا۔

قال الله تعالی: ﴿ وَلَاتُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ﴾(۱)

اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

(۲) سنت ومستحب

اگر بد پرہیزی سے نفس کی ہلاکت یا عضو کے ضیاع یا سخت تکلیف پہنچنے کا محض ظن ہے یا معمولی ضرر ونقصان کا یقین یا غلبہ ظن ہے تو پرہیز مسنون ومستحب ہے۔

(۳) مباح وجائز

واجب اور سنت کی مذکورہ صورتوں کے علاوہ عام حالات میں پرہیز کرنا اور احتیاط برتنا جائز اور مباح ہے مثلاً ایک چیز کے استعمال سے ضرر پہنچنے کا خطرہ نہیں ہے لیکن کوئی شخص پھر بھی احتیاطاً اس سے بچنا چاہے تو یہ جائز ہے، یہ نہیں کہا جائیگا کہ وہ اللہ تعالی کی مباح کردہ نعمت سے گریزاں ہے اس لئے گنہگار ہے۔

رخصت واجازت

جن صورتوں میں پرہیز واجب ہے وہاں پرہیز چھوڑنے کی کسی صورت اجازت نہیں ہے اور جس صورت میں پرہیز مباح ہے وہاں ویسے بھی ترک پرہیز کی اجازت ہے، البتہ جس صورت میں پرہیز مسنون ومستحب ہے اس میں بعض اوقات وقتی مصلحت کے پیش نظر ترکِ پرہیز بھی جائز ہے، مثلاً ایک چیز سے پرہیز کرنا چاہئے لیکن کبھی مریض کی رغبت اس چیز کی طرف بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی طرف طبیعت کا سخت میلان ہوتا ہے، ایسی صورت میں وہ

---

(۱) البقرة (۲:۱۹۵)

چیز مریض کو کھلانا جائز ہے بشرطیکہ:

۱)......مریض صدقِ دل سے اس کی خواہش رکھتا ہو۔

۲)......اس سے پرہیز واجب کے درجہ میں نہ ہو۔

۳)......طبیب کہہ دے کہ یہ اس کے لئے مضر نہیں ہے یعنی طبیب بھی اجازت دیدے۔

۴)...... وہ چیز بقدر ضرورت کم مقدار میں کھائی جائے کہ طبیعت اور قوت ہاضمہ اس کو برداشت کر سکے۔ان شرائط کے ساتھ اگر وہ چیز کھائی جائے تو وہ چیز صرف یہ نہیں کہ مضر نہ ہوگی بلکہ بعض اوقات فائدہ مند ہوتی ہے، کیونکہ کبھی مریض پرہیزی کھانا کھا کھا کر اُکتا جاتا ہے، اس طرف طبیعت بالکل مائل نہیں ہوتی۔ جب کہ دوسری اشیاء کی طرف بہت میلان ہوتا ہے اور قوتِ ہاضمہ اور طبیعت اسے بہت جلد قبول کرتی ہے لہذا اس کا فائدہ ہوتا ہے۔ایسی صورت میں دوسری چیز استعمال کرنے کی اجازت نبی علیہ السلام سے ثابت ہے۔ملاحظہ ہو حدیث نمبر ۵، حدیث نمبر ۷، حدیث نمبر ۸۔

مزید روایات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)عن ابن عباس رضی الله عنهما ان النبی ﷺ عادرجلا فقال له:ما تشتهی ؟ قال:اشتهی خبزبرفقال النبی ﷺ:من كان عنده خبز بر فليبعث الى اخيه ثم قال النبی ﷺ اذااشتهی مریض احدكم شيئافليطعمه۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے ایک شخص کی عیادت کی تو اس سے پوچھا تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا گندم کی روٹی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے پاس گندم کی روٹی ہو وہ اپنے بھائی کو بھیجدے پھر آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا مریض کسی چیز کی خواہش کرے تو اسے وہ کھلا دے۔

(۲) عن انس بن مالك رضی الله عنه قال:دخل النبی ﷺ علی مريض يعوده قال اتشتهی شيئااتشتهی كوكا قال نعم فطلبوا له ۔(۲)

---

(۱) سنن ابن ماجة(صفحه ۲٤٥) كتاب الطب، باب المريض يشتهی الشئی۔

(۲) سنن ابن ماجة(صفحه ۲٤٥) كتاب الطب،باب المريض يشتهی الشئی۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں نبی علیہ السلام ایک مریض کے پاس عیادت کے لئے آئے اور فرمایا کہ تو کیک کھانا چاہتا ہے اس نے کہا ہاں، تو انہوں نے اس کے لئے کیک منگوایا۔

(۳) عن عائشة رضی الله عنها قالت: مرضت فحمانی علی کل شئی حتی الماء فعطشت لیلة ولیس عندی احد، فدنوت من قربة معلقة فشربت منها شربة وقمت وانا صحیحة فجعلت اعرف صحة تلك الشربة فی جسدی قال و كانت عائشة تقول: لا تحموا المریض شیئا۔(۱)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں میں بیمار ہوئی تو گھر والوں نے مجھے ہر چیز حتی کہ پانی سے بھی پرہیز کرایا تو ایک رات مجھے پیاس لگی اور میرے پاس کوئی نہ تھا تو میں وہاں لٹکے ہوئے مشکیزہ کے قریب گئی اور اس سے کچھ پانی پیا اور میں تندرست کھڑی ہوگئی، میں اپنے جسم میں اس پانی کی صحت محسوس کرنے لگی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ مریض کو اس طرح سخت پرہیز بالکل نہ کرایا کرو۔

---

(۱) مستدرك الحاكم: هذا الحديث صحيح الاسناد و لم يخرجاه، وافقه الذهبی فی التلخيص: صحيح۔

(۱۴)

انتقال خون کے مسائل واحکام

بدن انسان کے لئے خون اس قدر ضروری ہے جس قدر پانی، بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ جسمانی قوت اور بدنی طاقت کی بنیاد خون اور بدن میں اس کی گردش کرنے پر ہے، اور جسم کے ہر حصے کو اپنی توانائی اور عمل کے تمام ضروریات خون سے حاصل ہوتی ہیں، جب خون ہی ٹھیک سے دورہ نہ کرر ہا ہو یا خون کم ہو جائے تو اعضاء کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔

چونکہ زندگی کے لئے جسم میں خون کی گردش ضروری ہے اور بعض اوقات حادثہ، ایکسیڈنٹ، گولی لگنے، آپریشن کرانے یا کسی اور وجہ سے انسان کے جسم سے کافی مقدار میں خون بہہ جاتا ہے اور فوری طور پر مزید خون تیار نہیں ہوسکتا جس کی وجہ سے موت کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے جدید میڈیکل میں اس کا نیا طریقہ علاج یہ ایجاد کیا گیا ہے کہ دوسرے صحت مند بندہ سے انجکشن کے ذریعہ خون نکال کر مریض اور ضرورت مند کے جسم میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ اس بارے میں یہاں حتی الامکان سارے مسائل کو درج کرنا مقصود ہے۔

انتقال خون کی شرعی حیثیت

ایک انسان کا خون دوسرے انسان کو منتقل کرنے کا اصل حکم یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، اور اس کی دو بڑی وجوہ ہیں:

۱)......خون نجاست غلیظہ ہے اور نجاست کا خارجی استعمال بھی ناجائز ہے اور داخلی بھی۔

۲)...... انسانی خون انسان کا ایک جزء اور اس کے بدن کا حصہ ہے، اور انسانی جزء کا استعمال جائز نہیں ہے، مطلقاً حرام ہے کیونکہ یہ انسان کی شرافت وتکریم کے منافی ہے، اور اس

میں انسان کی توہین وتذلیل ہے۔

اور اگر خون چڑھانے کو استعمالِ داخلی مان لیا جائے تو عدم جواز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خون حرام اجزاء میں شامل ہے اور عام حالات میں تداوی بالحرام جائز نہیں ہے۔

البتہ دوسری حرام چیزوں کی طرح چند شرائط کے ساتھ انتقال خون کی اجازت ہے وہ چند شرائط یہ ہیں:

۱)......خون صرف حالت ضرورت یا حالت حاجت میں منتقل کیا جائے، حالت ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ مریض کو خون کی اس قدر ضرورت ہے کہ اگر اسی وقت خون نہ دیا جائے تو یقین یا غالب گمان یہ ہے کہ وہ مر جائے گا یا مرنے کے قریب وہ جائے گا یا اس کا کوئی عضو ضائع ہو جائے گا یا ناقابل برداشت تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا اور حاجت یہ ہے کہ اگر خون نہ دیا جائے تو سخت مشقت اور شدید تکلیف لاحق ہو سکتی ہے۔

۲)...... ماہر دیندار ڈاکٹر کہے کہ اگر خون نہ دیا جائے تو مریض ہلاک ہو جائے گا یا شدید تکلیف لاحق ہوگی۔

۳)...... مذکورہ ضرورت وحاجت صرف انتقال خون سے مرتفع ہوتی ہو اور اس کا کوئی دوسرا متبادل موجود نہ ہو۔

۴)......کم از کم ایک ماہر دیندار ڈاکٹر خون چڑھانے کی تجویز دے۔

۵)......خون لگانے سے جان بچ جانے یا افاقہ مل جانے کا غالب گمان ہو۔

۶)......خون بقدر ضرورت منتقل کیا جائے۔

۷)......خون دینے والے کی جان یا صحت کو خطرہ پیش نہ آئے۔

۸)......اس سے انسانی خون کی ارزانی اور خرید وفروخت کا اندیشہ نہ ہو۔

قال الله تعالیٰ:

﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ (۱)

(۱) البقرہ ۱۷۳

اس آیت اور اس جیسی دوسری آیات میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، (۱) مردار (۲) خون (۳) خنزیر کا گوشت (۴) غیر اللہ کے نام پر ذبح شدہ جانور۔ لیکن فَمَنِ اضْطُرَّ سے تین شرائط کے ساتھ استعمال کرنے کی اجازت دے دی:

۱)...... بوقت ضرورت ہو۔

۲)...... دفع ضرورت کے لئے ہو، محض لذت یا طاقت حاصل کرنا مقصود نہ ہو، غَیْرَ بَاغٍ

۳)...... بقدر ضرورت استعمال کرے، ضرورت سے زائد نہیں وَّ لَا عَادٍ

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

''انسانی خون کا استعمال داخلی و خارجی ہر طرح حرام ہے، چاہے وہ شوہر کا ہو یا کسی اور کا، لہذا جب تک اضطرار کا درجہ نہ ہو جائے اس کی ہرگز اجازت نہیں مثلاً کسی کے پاس کھانے کو کچھ نہیں وہ مرنے کے بالکل قریب ہے صرف سور کی دو بوٹی موجود ہیں جس کو کھا لے تو جان بچ جائے تو وہ ایسی حال میں مضطر ہے، اس کے لئے حالت اضطرار میں سور کی بوٹی کھانے کی اجازت ہے''۔(۱)

کفایت المفتی (۹/۱۵۶) میں ہے:

''ایک انسان کا خون دوسرے کے بدن میں داخل کرنا ناجائز ہے کیونکہ اس میں انتفاع بجزء الانسان اور انتفاع بالنجس دونوں علتیں ہیں اور دونوں ناجائز ہیں...... لیکن اگر کسی مریض کی جان کا خوف ہو اور کوئی طبیب مسلم حاذق کہہ دے کہ اس کے بدن میں خون پہنچانا اس کی جان بچانے کا ذریعہ ہو سکتا ہے تو اس وقت یہ مباح ہوگا''۔(۲)

☆ فقہاء کرام نے مسلم حاذق دیندار اور عادل ڈاکٹر کی رپورٹ کو معتبر قرار دیا ہے، اطباء اور ہومیوڈاکٹرز میں دیندار اور عادل مل جاتے ہیں لیکن انگریزی ڈاکٹروں میں اس کی بہت کمی ہے جبکہ ان سے واسطہ بہت پڑتا ہے، ایسی صورت میں دیانتدار، ماہر و حاذق غیر عادل ڈاکٹر کی

---

(۱) فتاویٰ محمودیہ(۱۸/۳۳۰)

(۲) کفایت المفتی(۹/۱۵۶) نیز ملاحظہ ہو جدید فقہی مسائل(۲۱۶) آلات جدیدہ اور ان کے شرعی احکام(۱/۱۲۹) فتاوی بینات(۴/۳۳۸) فتاویٰ حقانیہ (۲/۴۰۰) مریض و معالج کے اسلامی احکام(۳۸۴)

رپورٹ پر عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے اور اس پر اس دور میں بلانکیر عمل ہو رہا ہے۔

☆ نیز غیر مسلم ممالک میں مسلمان ڈاکٹر دستیاب نہیں ہوتے اگر غیر مسلم ڈاکٹر دیانتدار اور ماہر ہو تو اس کی رپورٹ بھی معتبر ہے، مقصود یہ ہے کہ ڈاکٹر غلط بیانی نہ کرے، غیر مسلم ڈاکٹر بھی اپنے شعبہ کی حد تک دیانتداری کا پاس کرتے ہیں اگرچہ ان کا مقصود اپنی شہرت نیک نامی اور لوگوں کے ہاں مقبولیت حاصل کرنا ہوتا ہے۔

☆ اگر بلا ضرورت و حاجت خون چڑھایا جائے تو یہ جائز نہیں ہے مثلاً جسمانی اور بدنی قوت حاصل کرنا مقصود ہو یا جسمانی حسن و جمال میں اضافہ کرنا مقصود ہو کیونکہ یہ چیزیں ضرورت میں داخل نہیں لہذا اس مقصد کیلئے حرام کا ارتکاب ناجائز ہے۔(۱)

شبہات اور ان کے جوابات

انتقال خون کے عدم جواز کی تین وجوہ آئی ہیں، پہلی اور تیسری وجہ کے پیش نظر تو شبہ اور اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کا تعلق تداوی بالنجس والحرام سے ہے اور تداوی بالحرام گزشتہ شرائط کے ساتھ جائز ہے البتہ دوسری وجہ کے پیش نظر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں:

(۱) پہلا شبہ اور اس کا جواب

انتقال خون میں انسانی اجزاء سے انتفاع لازم آتا ہے اور یہ انسانی تکریم اور تعظیم کے خلاف ہے، گویا کہ خون انسان کے عام اجزاء دل، گردہ وغیرہ کی طرح ہے جس طرح عام اجزاء کی پیوندکاری جائز نہیں تو انتقال خون بھی جائز نہیں ہونا چاہئے۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ضرورت شدیدہ میں اعضاء کی پیوندکاری کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ اس بارے میں مستقل مقالہ میں ہم لکھ چکے ہیں، دوسرے خون اور تمام اجزاء انسانیہ میں کئی اعتبار سے فرق ہے۔

(۱) جدید فقھی مسائل (۱/۲۱۸) زمزم پبلشرز۔

۱)......عام اجزاء کا انتقال اس لئے صحیح نہیں ہوسکتا کہ ان کو باقاعدہ عمل جراحی کے ذریعہ کاٹا اور علیحدہ کیا جاتا ہے، اس میں واقعی انسان کی توہین وتذلیل ہے جبکہ خون نکالنے کے لئے کانٹ چھانٹ کی بالکل ضرورت نہیں پڑتی، اس اعتبار سے خون عام اجزاء کی بجائے انسانی دودھ کے مشابہ ہے اور بچوں کو دودھ منتقل کرنا جائز ہے ہی، ضرورت کے وقت بڑوں کو بھی بغرض علاج انسانی دودھ پلانا جائز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ولا بأس بان يسعط الرجل بلبن المرأة ويشربه للدواء"۔(۱)

کفایت المفتی میں ہے:

"یہ شبہ کہ انسان کے اجزاء کا استعمال ناجائز ہے اس لئے وارد نہ ہونا چاہئے کہ استعمال کی جو صورت کہ مستلزم اہانت ہو وہ ناجائز ہے اور جس میں اہانت نہ ہو تو بضرورت وہ استعمال ناجائز نہیں جیسے رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک کو پانی میں دھوکر وہ پانی مریض پر چھڑکا یا یا پلایا جاتا تھا"۔(۲)

۲)......اعضاء انسانی دو طرح کے ہیں:

۱......وہ اعضاء کہ جن کو کاٹ کر علیحدہ کیا جائے تو وہ دوبارہ پیدا ہوجاتے ہیں جیسے بال، ناخن وغیرہ

۲......وہ اعضاء کہ جن کو اگر کاٹ کر علیحدہ کیا جائے تو وہ دوبارہ پیدا نہیں ہوتے جیسے دل، گردہ، آنکھ، ہاتھ وغیرہ، ان میں پہلی قسم کے اعضاء کا معاملہ دوسری قسم سے اہون اور آسان ہے اور خون پہلی قسم میں داخل ہے لہٰذا دوسری وجہ فرق یہ ہے کہ انتقال خون کی صورت میں جسم میں مزید خون پیدا ہوجاتا ہے لیکن عام اعضاء منتقل کرنے کی صورت میں متبادل دوسرے اعضاء پیدا نہیں ہوتے۔

مولانا برہان الدین سنبھلی لکھتے ہیں:

(۱) فتاویٰ عالمگیری(۵/ ۳۵۵)

(۲) کفایت المفتی(۹/ ۱۵٤)

''دوسری وجہ یہ ہے کہ خون تو جسم میں پھر دوبارہ پیدا ہو جاتا ہے لیکن عضو کبھی نہیں آتا''۔(۱)

۳)......خون منتقل کرنے میں معمولی تکلیف اور کمزوری ہوتی ہے جبکہ عضو کاٹنے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

''مذکورہ تصریح میں ایک ایسے عضو کا ذکر ہے جس کے قطع کرنے سے اس انسان کو نہایت سخت تکلیف پہنچے گی، جس سے بعض اوقات اس کی جان کا بھی خطرہ ہوسکتا ہے، اور خون لینے کا جو طریقہ رائج ہے اس سے انسان کو کوئی ایسی تکلیف لاحق نہیں ہوتی ،معمولی کمزوری ہوتی ہے جو چند روز کے علاج سے دفع ہو جاتی ہے، اس فرق کی بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ بطور علاج و دواء ایسے حالات میں جبکہ کسی ڈاکٹر یا طبیب کے کہنے کے مطابق اور کوئی دوا کارگر نہ ہو اور خون دینے سے جان بچنے کی قوی امید ہو تو صرف ایسے حالات میں خون دے کر علاج کیا جاسکتا ہے''۔(۲)

۴)......عضو کاٹنے کے بعد انسان عیب دار بلکہ بعض صورتوں میں مثلہ بن جاتا ہے اور خون نکالنے سے انسان میں کوئی ظاہری عیب اور نقص پیدا نہیں ہوتا۔

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

''اگرچہ خون انسانی جسم کا جزء ہے مگر چونکہ اس کا نکالنا مثلہ نہیں ہے اور نہ خون نکالنے سے بدن میں کوئی ظاہری عیب پیدا ہوتا ہے اس لئے بقدر ضرورت اس شرط کے ساتھ خون دینا جائز ہے کہ اپنی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو''۔(۳)

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

انسان اپنے اجزاء کا خود مختار و مالک نہیں ہے، انسان کا پورا جسم اس کے پاس محض امانت

(۱) جدید مسائل کا حل ص ۲۳۰۔

(۲) آلات جدیدہ ص ۱۸۱)

(۳) فتاوی رحیمیہ (۱۰/۱۷۳)

ہے، اس پر ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے جب دوسرے اعضاء کی طرح خون کا مالک ہی نہیں تو دوسرے کو عطیہ کیسے کر سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حالت اضطرار وحاجت میں ملک غیر میں تصرف بھی مباح ہو جاتا ہے، پھر اگر اس کی تلافی اور ضمان ممکن ہو تو مالک کو ضمان دینا ضروری ہے۔

"ورخص له اتلاف مال مسلم اوذمی بقتل اوقطع...... و ضمن رب الما المکره بالکسر"۔(۱)

لہٰذا حالت اضطرار وحاجت میں دوسرے کو خون دینا جائز ہے اور اس کے ضمان کی بھی کوئی صورت نہیں۔

ایک تسامح

کفایت المفتی میں چند شرائط کے ساتھ انتقال خون کا جواز تحریر کرنے کے بعد لکھا ہے:

"یہ واضح ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ کسی انسان کا بدن سے نکلا ہوا خون دستیاب ہو جائے اور وہ اسے کام میں لایا جا سکتا ہو لیکن کسی مریض کے لئے کسی انسان کے بدن سے خون نکالنا بغیر اس کے کہ خود اس کے بدن کی اصلاح کے لئے نکالا جائے درست نہیں"۔(۲)

لیکن یہ حضرات کا تسامح ہے، گزشتہ تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے کہ مذکورہ شرائط کے ساتھ دوسرے مریض کی اصلاح کے لئے بھی انسان کا خون نکالنا جائز ہے۔

دودھ پر قیاس یا نظیر؟

بعض حضرات نے یہ شبہ پیش کیا ہے کہ خون کو دودھ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ قیاس میں مقیس اور مقیس علیہ میں بعض وجوہ سے اتحاد ضروری ہے جبکہ دودھ اور خون میں کئی اعتبار

---

(۱) الدر المختار (۶/ ۱۳۵) کتاب الاکراہ،

(۲) کفایت المفتی (۹/ ۱۵۵)

سے فرق موجود ہے، مثلاً:

۱)......دودھ حلال ہے جبکہ خون حرام ہے۔

۲)......دودھ غذا ہے اور خون غذا نہیں ہے کیونکہ حرام چیز قطعاً غذا نہیں بن سکتی۔

۳)......دودھ کو اللہ تعالیٰ نے عورت کے بدن میں اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ وہ بچے کی خوراک بنے، یہ اس کا مقصد ہے جبکہ کسی بدن میں خون پیدا کرنے کا مقصد اس بدن کی تقویت ہوتا ہے، دوسرے کی طرف منتقل کرنا نہیں۔

۴)......اگر دودھ کا اخراج کر کے بچے کو نہ پلایا جائے بلکہ یونہی رہنے دیا جائے تو اس سے ضرر کا اندیشہ ہے لہذا اس کا نکالنا ہی مفید صحت اور نافع بدن ہے جبکہ خون کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

۵)......اگر خون کو دودھ پر قیاس کرنا درست ہے تو جس طرح دودھ سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے تو خون کے انتقال سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہونی چاہئے۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ انتقال خون کو دودھ پر قیاس نہیں کیا گیا بلکہ دودھ کو اس کے جواز کی نظر بنایا گیا ہے۔ یعنی صحیح یہ ہے کہ خون کو نہ عام اعضاء پر قیاس کر سکتے ہیں اور نہ دودھ پر البتہ خون عام اعضاء کی بنسبت دودھ کے زیادہ قریب اور مشابہ ہے۔

احتراز بہتر ہے اور اس کی وجوہ

گزشتہ شرائط و کوائف اور فقہاء کرام کی تصریحات سے واضح ہو گیا کہ انتقال خون فی نفسہ جائز ہے لیکن اس سے بچنا بہتر اور احوط ہے اور اس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

۱)......انتقال خون کا عام رواج ہو جانے کی وجہ سے اس کی شناعت وقباحت دلوں سے نکل سکتی ہے، بلکہ نکل چکی ہے۔

۲)......انتقال خون میں مذکورہ شرائط کی رعایت کم ہی کی جاتی ہے۔

۳)......انتقال خون کی وجہ سے انتقال امراض کا شائبہ رد نہیں کیا جا سکتا۔

۴)......انتقال خون کے ساتھ اثرات بد بھی منتقل ہو سکتے ہیں، جس کا دوسرے انسان کے

اخلاق وعادات، طور واطوار پر اثر انداز ہونا محتمل ضرور ہے۔

۵)......مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب آلات جدیدہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''اب ایک مفسدہ اس میں یہ بھی پیش آنے لگا ہے کہ بے رحم کمپوڈر اور نرسیں ناواقف اور سیدھے سادے مریضوں کو یہ کہہ کر انجکشن لگاتے ہیں کہ اس کا خون لیتے ہیں پھر اس کو فروخت کر دیتے ہیں''۔(۱)

۶)......اس کا مشاہدہ بندہ نے خود کیا ہے کہ سرکاری ہسپتالوں میں احتیاط کے نام سے مریض کے اعزہ سے پہلے خون نکال لیا جاتا ہے لیکن مریض کو منتقل کرنے کی نوبت نہیں آتی۔

انتقال خون اور حرمت رضاعت ونسب

مذکورہ شرائط کے مطابق اگر ایک انسان کا دوسرے انسان کو خون منتقل کر دیا گیا تو اس سے ان کے درمیان کسی قسم کی حرمت ثابت نہ ہوگی، کیونکہ دو انسانوں کے درمیان حرمت نکاح کے اسباب صرف سات ہیں: (۱) قرابت (۲) مصاہرت (۳) رضاع (۴۰) جمع بین المحارم (۵) ملک (۶) کفر وشرک (۷) ادخال امۃ علی حرۃ۔(۲)

اور ظاہر ہے کہ ان اسباب حرمت میں قیاس نہیں چلتا کہ دوسری چیزوں کو ان پر قیاس کیا جا سکے، نیز انتقال خون کو ان اسباب کے ساتھ کوئی مشابہت بھی نہیں ہے، رضاعت کے ساتھ کچھ مشابہت ہے لیکن من کل وجہ نہیں اور دودھ سے بھی ہر مدت میں حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی بلکہ ضروری ہے کہ جس کو دودھ پلایا جائے اسکی عمر دو یا اڑھائی سال ہو، دو یا اڑھائی سال میں دودھ سے حرمت رضاعت ثابت ہونے اور اس کے بعد ثابت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دو یا اڑھائی سال کی عمر میں دودھ بچے کے بدن کا جزء بن جاتا ہے کیونکہ بچے کی نشو نما اس دودھ پر موقوف ہوتی ہے، دوسری خوراک کھاتا ہی نہیں یا بہت کم کھاتا ہے جبکہ بڑی عمر میں انسان کی نشو نما عام خوراک پر ہوتی ہے صرف دودھ پر نہیں لہذا پہلی صورت میں دودھ پلانے والی

---

(۱) کفایت المفتی (۹/ ۱۵۵)

(۲) الدر المختار (۳/ ۲۸)

اور بچے کے درمیان جزئیت قائم ہوتی ہے اور دوسری صورت میں نہیں۔ اسی طرح بڑی عمر میں خون دینے سے بھی جزئیت ثابت نہ ہوگی کیونکہ اس پر نشو نما موقوف نہیں ہے، اور دو سال کی عمر میں خون جزءِ بدن بن سکتا ہے لیکن خون حرمت کے مذکورہ اسباب میں داخل نہیں ہے۔

خاتون کا خون دو یا اڑھائی سال کے بچے کو منتقل کیا تو حکم رضاعت

مذکورہ اصول کے مطابق اگر کسی خاتون کا خون دو یا اڑھائی سال سے کم عمر بچے کو منتقل کیا گیا تو اس خاتون اور اس بچے کے درمیان حرمت رضاعت اور رضاعت کے دیگر احکام جاری نہ ہوں گے۔

مکہ مکرمہ کی اسلامک فقہ اکیڈمی کے ایک فیصلہ میں ہے:

اس موضوع پر غور وخوض اور مناقشہ کے بعد اجلاس نے متفقہ رائے کے ساتھ طے کیا کہ دو سال سے کم عمر بچہ میں کسی عورت کا خون منتقل کرنے سے اس عورت کے ساتھ رضاعت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ رضاعت صرف دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے۔(۱)

حرمت مصاہرت کا حکم

انتقال خون سے جس طرح حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی حرمت مصاہرت بھی ثابت نہیں ہوتی۔

کفایت المفتی میں ہے:

سوال: کوئی عورت اگر کسی مرد کا خون اپنے جسم میں داخل کرے تو اس صورت میں ایک شبہ حرمت مصاہرت کا پیدا ہوتا ہے کیونکہ مصاہرت کا مدار علاقہ جزئیت پر ہے اور ایک قوی اور تنومند تندرست نوجوان کا خون جیسا کچھ اس عورت کا جزءِ بدن بن سکتا ہے، اظہر من الشّمس ہے، سو ایسی صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل (۲۲۲/۲۲۳)

جواب: اس خون کے پہنچانے سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی جیسے کوئی شخص کسی عورت کا دودھ پی لے تو باوجود اس کے فعل حرام ہونے کے ان کے درمیان حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی حالانکہ وہ دودھ جزء بدن بنے گا۔(۱)

ساس یا سسر کا خون داماد میں منتقل ہو تو؟

گزشتہ اصول کے مطابق اگر ساس یا سسر کا خون داماد کے بدن میں منتقل ہو گیا یا اس کے برعکس تو اس سے داماد کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

کفایت المفتی میں ہے:

سوال: اگر ساس کا خون داماد میں یا شوہر کا زوجہ کے بدن میں داخل کیا گیا تو حرمت نکاح ثابت ہوگی یا نہیں؟

جواب: اگر زوج کے بدن میں بیوی کا خون یا ساس کا خون داخل کر دیا جائے تو اس سے حرمت زوجہ کا شبہ کرنا درست نہیں کیونکہ حرمت رضاعت بھی دودھ کے مدت متعینہ میں پینے سے پیدا ہوتی ہے، اگر زوج بڑی عمر میں اپنی بیوی یا ساس کا دودھ بھی پی لے تو یہ فعل تو اس کا حرام ہوگا لیکن بیوی اس پر حرام نہیں ہو جائے گی پس اس علاج کا اثر نکاح پر کسی صورت میں نہیں پڑے گا۔(۲)

زوجین کا ایک دوسرے کو خون دینے کا حکم

جس طرح انتقال خون سے ابتداء حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی، انتہاء بھی ثابت نہیں ہوتی، لہذا اگر میاں بیوی میں سے کسی ایک نے دوسرے کو خون دے دیا تو اس سے ان کے نکاح پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

---

(۱) کفایت المفتی(۹/۱۵۶)

(۲) کفایت المفتی(۹/۱۵٤)

''جب میاں بیوی میں سے ایک کا خون دوسرے کے بدن میں ایسے وقت میں پہنچایا گیا جبکہ اس کے بدن کا نشونما اس خون پر موقوف نہیں بلکہ وقتی طور پر سہارا دینے کے لئے دیا گیا ہے، تو اس خون کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کے لئے جزئیت کا رشتہ قائم نہیں ہوگا، اس لئے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا''۔(۱)

کافر وفاسق کا خون منتقل کرنے کا حکم

مسلمان کے بدن میں کافر کا خون، اسی طرح صالح و عادل کے بدن میں فاسق و فاجر کا خون منتقل کرنا بھی فی نفسہ جائز ہے، عدم جواز کی کوئی وجہ موجود نہیں لیکن حتی الامکان اس سے بچنا بہتر اور احوط ہے کیونکہ ایسے خون کا اثر بھی منتقل ہوسکتا ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

''نفس جواز میں کوئی فرق نہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ کافر یا فاسق فاجر انسان کے خون میں جو اثرات خبیثہ ہیں ان کے منتقل ہونے اور اخلاق پر اثر انداز ہونے کا قوی خطرہ ہے اس لئے صلحاء امت نے فاسق فاجر عورت کا دودھ پلوانا بھی پسند نہیں کیا، بناء علیہ کافر اور فاسق فاجر انسان کے خون سے تا بمقدور اجتناب بہتر ہے''۔(۲)

کافر کا خون منتقل کرنے سے دل اور بچے کافر ہو جاتے ہیں

''بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ کافر کا خون مسلمان کے جسم میں منتقل کرنے سے خود وہ مسلمان یا اس کا دل کافر ہو جاتا ہے، اور بعض سمجھتے ہیں کہ بچے کافر پیدا ہوتے ہیں یا ان میں کافر کے خون کا اثر ہوتا ہے، شرعاً یہ باتیں درست نہیں ہیں، اس سے کوئی کافر نہیں ہوتا البتہ کافر کا خون لگانا بہتر نہیں ہے''۔

(۱) آلات جدیدہ (ص۱۸۲) نیز ملاحظہ ہو فتاویٰ محمودیہ (۱۸/ ۳۳۰) اعضاء کی پیوند کاری (ص۲۸) فتاویٰ رحیمیہ (۱۰/۱۷۶) آپ کے مسائل اور ان کا حل (۵/۱۱۱)

(۲) اعضاء کی پیوند کاری (ص۲۸)

فتاویٰ محمودیہ میں اسی طرح کے جواب میں ہے:

''اس کی وجہ سے مسلمان بیمار کافر نہیں ہوا نہ اس کا دل کافر ہوا نہ اولاد پر اس کی وجہ سے کفر آئے گا''۔(۱)

خون انسانی کی خرید وفروخت اور تجارت

کسی مسلمان کا اپنا خون کسی شخص یا ادارہ پر فروخت کرنا جائز نہیں ہے، یہ فعل ناجائز ہے اور اسکے عوض جو ثمن اور قیمت وصول ہوگی وہ حرام ہوگی، اسی طرح خون خریدنا بھی جائز نہیں ہے۔

بعض اداروں نے جو خون کی خرید وفروخت کو ذریعہ کسب بنایا ہوا ہے اور خون کی باقاعدہ تجارت کرتے ہیں یعنی لوگوں سے خون خرید کر بیماروں پر مہنگے داموں فروخت کرتے ہیں، شرعاً ایسی تجارت حرام ہے اور اس کے ذریعہ حاصل شدہ مال بھی حرام ہے۔

"عن عون بن ابی جحیفة عن ابیه عن النبی ﷺ نهی عن ثمن الدم وثمن الکلب وکسب البغی ......الخ"۔(۲)

حضرت ابو جحیفہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خون کی قیمت اور کتے کے ثمن اور زانیہ کی کمائی سے منع فرمایا ہے۔

وکان سیدی الشیخ محمد الحامدؒ یحض علی التبرع بالدم للمریض المحتاج الیه ویمنع اخذ المتبرع عوضا مالیا علی تبرعه وقد قال فی ذلك: الا فلیبادر شبابنا الاقویاء الدمویون الی التبرع بدمائهم ماجورین مبرورین غیر خاذلین لاخوانهم فان النبی ﷺ قالی فی الصحیح: المسلم اخو المسلم لایخذله ولایظلمه ولایسلمه ای فلا یقبض یداً عن استبقائه دون ماخذ لان اوظلم اوترکه فریسة للعدوالمحتال، لایخشی هولاء المتبرعون ضیما فان التخفیف فی الامتلاء الدموی من اسباب الصحة۔(۳)

---

(۱) فتاویٰ محمودیه (۱۸/۳۳۲)

(۲) صحیح البخاری(۲/۸۸۱) کتاب اللباس باب من لعن المصور،

(۳) الفقه الحنفی فی ثوبه الجدید(٤/٥٦)

ہمارے استاد شیخ محمد حامدؒ ضرورت مند مریض کو مفت خون دینے کی بڑی ترغیب دیتے تھے اور خون کے بدلے مالی معاوضہ لینے سے منع کرتے تھے، اس بارے وہ فرماتے ہیں: ہمارے صحت مند خون رکھنے والے نوجوانوں کو اجر وثواب کی نیت سے مفت خون دینے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہئے...... خون دینے والوں کو کمزوری سے نہیں ڈرنا چاہئے کیونکہ خون میں کمی کرنا صحت کے اسباب میں سے ہے۔

فرض عین اور فرض کفایہ

اگر کسی مریض کی زندگی خون پر موقوف ہے اور اس کے بغیر اس کا مرنا یقینی یا غالب ظن کی درجہ میں ہے اور ایک شخص کا خون بھی اس سے ملتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی شخص موجود نہیں ہے یا موجود ہے مگر اس کا خون مریض کے خون سے ملتا ہی نہیں اور وہاں کسی کے خون سے تبادلہ کی بھی کوئی صورت نہیں ہے تو ایسی صورت میں شخص مذکور پر مریض کو خون دینا فرض عین ہے، اگر وہ نہیں دیتا تو سخت گناہ گار ہوگا، ایسی صورت میں حاکم وقت اسے خون دینے پر مجبور بھی کرسکتا ہے لیکن اگر اس کے علاوہ بھی خون کا بندوبست ہوسکتا ہے تو پھر اس پر خون دینا ضروری نہیں ہے، اس صورت میں خون دینا فرض کفایہ ہے، کوئی ایک شخص بھی دے دے تو سب گناہ سے بچ جائیں گے اور اگر کوئی بھی نہ دے تو سب گناہ گار ہوں گے۔

ولا یبعد القول باثم من یتخلف عن الاغاثة بدمه عند الضرورة لانقاذ الحیوٰة وتوافق الدمین، ولا یوجد غیره ممن یوافق دمه دم المریض لیکون فرض کفایة یسقط الاثم بفعل بعض الناس عن الآخرین وان ابی اجبره الحاکم عند التعین کماقلنافان لم یجبره وابی الا اخذ المال وخیف الموت علی المریض فالاثم علی هذا الممتنع الشحیح بالخیر۔(۱)

بلڈ بینک (Blood Bank) قائم کرنے کی شرعی حیثیت

جدید میڈیکل سائنس نے جو ترقی کی ہے اس کا ایک مقتضی یہ ہے کہ خون پہلے سے نکالا ہوا

(۱) فیه ایضاً (۵/۵۷)

تیار موجود و محفوظ ہو، کیونکہ بعض اوقات انسان اچانک کسی مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کو فی الفور خون کی سخت ضرورت ہوتی ہے، خاص طور پر جنگ و جدال، حادثات اور ایکسیڈنٹ کے نتیجہ میں متعدد افراد زخمی ہو جاتے ہیں اور انہیں بہت جلد خون لگانے کی ضرورت پیش آتی ہے، ایسے افراتفری کے عالم میں اول تو رضا کارانہ طور پر خون دینے والے میسر نہیں ہوتے اور اگر کوئی مل جائے تو ضروری نہیں کہ اسکے خون کا گروپ مریض کے خون کے گروپ سے ملتا ہو۔

اس ضرورت کے پیش نظر اب ادارے اور بلڈ بینک وجود میں آچکے ہیں جو پہلے سے ہی خون حاصل کر کے الگ الگ گروپ میں سنبھال لیتے ہیں، جونہی ضرورت پڑتی ہے مریض کو منتقل کر دیتے ہیں، چونک بلڈ بینک کا قیام ایک طبی ضرورت بن چکا ہے لہذا شرعا یہ جائز ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

''ایسے بینک ایک طبی ضرورت کے بن گئے ہیں اور " الضرورات تبیح المحظورات" کے تحت اس کی اجازت دی جانی چاہئے''۔(۱)

ایک موقف اور اس کی وضاحت

فتاویٰ رحیمیہ میں بلڈ بینک اور خونی کیمپ کے بارے میں سوال کے جواب میں ہے:

''اور جب ضرورت نہ ہو تو چونکہ انسان اپنے بدن یا کسی عضو کا مالک نہیں ہے تو اس کو یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ اپنا خون نکلوا کر بلڈ بینک میں جمع کرادے، لہذا سوال میں جو تحریر کیا گیا ہے کہ کیمپ لگوا کر نوجوان اپنا خون جمع کروائیں شرعا اس کی اجازت نہیں ہے، البتہ سوال میں جو پریشانی لکھی گئی ہے اس کا ایک حل یہ ہو سکتا ہے کہ جو نوجوان اپنا خون دینا چاہتے ہیں ان کا نام اور کس گروپ کا خون ہے وہ لکھ لیا جائے، اور آئندہ جب کسی مریض کو ضرورت ہو اس وقت ان نوجوانوں میں سے جس مریض سے رشتے داری یا خصوصی تعلق ہو مندرجہ بالا شرائط کو پیش نظر رکھتے ہوئے بقدر ضرورت اپنا خون دے دے''۔(۲)

---

(۱) جدید فقهی مسائل (۳۲۶/۱) (۲) فتاویٰ رحیمیه (۱۷۳/۱۰)

کفایت المفتی میں ہے:

''یہ واضح ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ کسی انسان کے بدن سے نکلا ہوا خون دستیاب ہو جائے اور وہ اس کام میں لایا جا سکتا ہو لیکن کسی مریض کے لئے کسی انسان کے بدن سے خون نکالنا بغیر اس کے کہ خود اس کے بدن کی اصلاح کیلئے نکالا جائے درست نہیں ہے''۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بلڈ بینک قائم کرنا بطریق اولیٰ درست نہیں ہے۔

☆ صحیح یہ ہے کہ امکانی ضرورت کے پیش نظر بھی خون نکال کر محفوظ رکھنا اور اس مقصد کے لئے بلڈ بینک قائم کرنا جائز ہے۔ یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں:

۱)......انسانی جسم سے خون نکالنا۔

۲)......انسان کا خون دوسرے انسان کو منتقل کرنا۔

پہلے عدم جواز کی جو وجوہ ذکر کی گئی ہیں یعنی تداوی بالنجس ہونا، انتفاع بجزء الانسان لازم آنا وغیرہ، یہ وجوہ انتقال خون میں پائی جاتی ہیں، محض اخراج خون میں نہیں پائی جاتیں، یہی وجہ ہے کہ شرعاً پچھنے لگا کر خون نکالنا جائز اور شرعی طریقہ علاج ہے اور پچھنے لگانا مرض شدید پر بھی موقوف نہیں، معمولی مرض اور تقویت بدن کے لئے بھی پچھنے لگانا جائز ہے، لہذا اپنے بدن سے خون نکال کر کسی بینک میں جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ اس کی شدید ضرورت بھی پیش آتی ہے، ہاں بینک سے بلا ضرورت خون لینا اور جسم میں لگانا درست نہیں ہے۔ اور فتاویٰ رحیمیہ میں مشکل کا جو ایک حل لکھا گیا ہے وہ تسلی بخش نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات فی الفور خون کی ضرورت ہوتی ہے، رابطہ کرنے میں کئی رکاوٹیں ہوتی ہیں، اور خون بروقت نہیں مل پاتا۔

تجارتی ورفاہی بینک کا فرق

سابقہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ بلڈ بینک قائم کرنا جائز ہے اور اس سے پہلے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو چکا کہ خون فروخت کرنا اور اس کی تجارت جائز نہیں لہذا ایسا بینک قائم کرنا جو مفت میں خون

(۱) کفایت المفتی (۹/۱۵۵)

لے کر رضا کارانہ طور پر ضرورت مندوں کو دے جائز ہے، لیکن تجارت کے نقطہ نظر سے بینک قائم کرنا جائز نہیں ہے، ایسی تجارت اور نفع حرام ہے۔

واقعی خرچہ وصول کرنا

ظاہر ہے کہ رفاہی بینک جب خون حاصل کر کے کسی کو دیتے ہیں تو اس پر بھی اخراجات آتے ہیں لیکن چونکہ اس کی بنیاد ہی تبرع احسان اور رفاہیت پر ہے لہذا بینک ایسے اخراجات بھی تبرعاً کر سکتا ہے، اس لئے اخراجات بھی مریض سے نہ وصول کرے، تاکہ اس کے بہانے خون کی خرید وفروخت کا دروازہ نہ کھلے، تاہم اگر واقعی اخراجات لئے جائیں تو جائز ہے۔

بعض اخراجات ایسے ہیں کہ ان کو تجارت کیلئے آڑ نہیں بنایا جا سکتا، مثلاً بوتل کی شیشی وغیرہ، اگر بینک کسی کو کہے کہ اپنی شیشی لاؤ یا بینک اپنی طرف سے شیشی دے کر اس کی قیمت وصول کرے تو جائز ہے۔

مجبوری میں خون خریدنے کا حکم

خون کی تجارت اور بیع تو جائز نہیں ہے اور اصلاً خریدنا بھی جائز نہیں لیکن بعض اوقات مریض کو خون کی شدید ضرورت ہوتی ہے اور مفت میں خون نہیں ملتا ایسی صورت میں کسی شخص یا ادارے سے خون خریدنے کی اجازت ہے، بیچنے والے کیلئے قیمت ہر حال میں حرام ہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

”مگر اضطراری کیفیت ہو کہ بغیر انسانی خون کے جان بچنے کی کوئی صورت نہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں اس کی گنجائش ہے لیکن خون کی خرید وفروخت کا کاروبار جائز نہیں“۔(۱)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

(۱) فتاوی محمودیه(۶۸/۳۲۸)

''مریض کو اگر مفت خون نہ مل سکے تو اس کے لئے مجبوراً خون خریدنا جائز ہے، مگر خون دینے والے کے لئے قیمت لینا درست نہیں''۔(۱)

حوصلہ افزائی کے طور پر تحفہ یا انعام درست ہے

اگر کسی نے محض رضا کارانہ طور پر خون دے دیا پھر مریض یا اس کے ورثاء ولواحقین نے اس کی حوصلہ افزائی کیلئے کچھ دے دیا تو یہ جائز ہے، یہ عوض نہیں بلکہ تحفہ اور ہدایہ ہے بشرطیکہ اس کا عرف نہ ہو۔

عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل میں ہے:

''اگر طبی مسائل کے حالات درپیش ہوں اور رضا کارانہ خون دستیاب نہ ہو تو ایسی حالت کا حکم مستثنٰی ہے، ضرورت کی حالت میں ممنوع کی اباحت بقدر ضرورت ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں خون خریدنے والا اس کا معاوضہ دے سکتا ہے، اور اس کا گناہ قیمت لینے والے پر ہوگا، لیکن اس نیک انسانی عمل پر آمادگی کے لئے بطور ہمت افزائی ہدیہ یا انعام کچھ دیا جا سکتا ہے اس کا تعلق معاوضات کے باب سے نہیں بلکہ تبرعات کے باب سے ہے''۔(۲)

جوس یا دودھ کا حکم

خون دینے کے بعد موسم گرما میں جوس اور موسم سرما میں نیم گرم دودھ کا استعمال مفید ہوتا ہے، اور عموماً جو شخص رضا کارانہ طور پر خون دیتا ہے مریض کے ورثاء اس کو جوس یا دودھ پلا دیتے ہیں۔ یہ اجرت اور عوض نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ خون کی قیمت کے مقابلہ میں یہ رقم معمولی ہوتی ہے لہذا یہ مہمان نوازی یا ہدیہ وغیرہ میں داخل ہے اور اس کا لینا جائز ہے۔

---

(۱) فتاویٰ رحیمیہ (۱۰/۱۷۵) مریض و معالج کے اسلامی احکام (ص ۳۸٤ ص ۳۸۵) عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل (ص ۳۲۲)

(۲) عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل (ص ۲۲۲)

انسان کا خون دوا میں استعمال کرنا

انسان کا خون جس طرح عام حالات میں دوسرے انسان کو منتقل کرنا جائز نہیں اسی طرح دوا میں بھی شامل کرنا جائز نہیں۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

''انسان کے خون کو دوا میں استعمال کرنا جائز نہیں''۔(۱)

خون دینے کے بارے میں چند جدید طبی معلومات

کیا خون نکالنا باعث ضعف ہے؟

بعض لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ خون نکالنے سے انسان کمزوری کا شکار ہو جاتا ہے اس لئے وہ خون دینے سے گریز کرتے ہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، پچھنے اور سینگیاں لگا کر خون نکالنا سنت طریقہ ہے اور یہ صحت کے لئے مفید ہے اور جدید میڈیکل سائنس بھی یہی کہتی ہے۔

۱)...... ہر معتدل انسان میں تقریباً بارہ پونڈ (Pound) خون ہوتا ہے۔

۲)...... اس میں سے باقی خون انسان کی ضرورت میں شامل ہوتا ہے جبکہ آدھا لیٹر خون اللہ تعالیٰ نے ہر انسانی بدن میں ریزرو (Reserve) یعنی اضافی اور زائد از ضرورت رکھا ہوتا ہے جو کہ جان بچانے کے لئے دیا جا سکتا ہے۔

۳)...... بوقت ضرورت ہر آدمی سے عموماً آدھے لیٹر سے بھی کم خون نکالا جاتا ہے، اس طرح خون نکالنے کے باجود اضافی خون انسانی جسم میں ہر وقت رہتا ہے۔

۴)...... ایک ہی وقت میں تمام اضافی خون دینے سے احتراز کرنا چاہئے۔

۵)...... انسان جو خون عطیہ کرتا ہے اسکی کمی تقریباً تین ماہ میں پوری ہو جاتی ہے۔

۶)...... خون کے بعض اجزاء ایسے بھی ہوتے ہیں جو انتقال خون کے بعد 24 سے 48

(۱) فتاویٰ محمودیہ (۳۲۸/۱۸)

گھنٹوں میں پورے ہوجاتے ہیں۔

۷)......۵،۶ سے ثابت ہوا کہ ہر آدمی بغیر کسی تکلیف وضرر کے ہر تین ماہ بعد خون عطیہ کر سکتا ہے۔

۸)......خون مختلف اجزاء کا حامل ہوتا ہے، بعض اجزاء کی زندگی بہت قلیل ہوتی ہے، ایسے اجزاء تمام عمر جسم میں بنتے اور ختم ہوتے رہتے ہیں، انتقال خون کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۹)......مذکورہ حقائق کے مطابق خون کے انتقال کی وجہ سے خون دینے کے چند منٹ بعد بھی کسی قسم کی کمزوری نہیں رہتی۔

۱۰)......۱۸ سال سے ۶۵ سال تک ہر صحت مند انسان خون کا عطیہ دے سکتا ہے۔

۱۱)......مذکورہ عمر کے دوران تین ماہ کا وقفہ سے متعدد بار خون دیا جاسکتا ہے، اسکی کوئی تحدید نہیں، راقم کا ایک بار خون دیتے ہوئے بلڈ بینک کے ایک ایسے ملازم سے ملاقات ہوئی جس نے بتایا کہ وہ خود ۲۹ بار خون کا عطیہ دے چکا ہے۔

۱۲)......خواتین بھی خون کا عطیہ دے سکتی ہیں۔

۱۳)......خون دینے کے بعد موسم گرم میں جوس اور موسم سرما میں نیم گرم دودھ کا استعمال مفید ہے۔

استعمال خون کے بارے میں طبی معلومات

۱)......جس کو خون لگایا جارہا ہے اس کا اور خون عطیہ کرنے والے کا خون گروپ (Blood Group) ایک ہونا ضروری ہے۔

خون میں اینٹی جن (R.H.Factar) پائے جانے یا نہ پائے جانے کے اعتبار سے انسان کی دو اقسام ہیں (۱) اکثر انسانوں یعنی تقریباً 85% میں اینٹی جن پایا جاتا ہے (۲) 15% انسانوں میں اینٹی جن نہیں پایا جاتا۔ (-R.H) والوں کو (+- RH) والا خون نہیں منتقل کرنا چاہئے۔

خون کے چار گروپ ہوتے ہیں (۱) اے گروپ (۲) بی گروپ (۳) اے بی گروپ

(۴) اوگروپ۔ ان میں سے اوگروپ والا خون ہر شخص کو منتقل کیا جاسکتا ہے اور اے بی گروپ اور اوگروپ والے کو ہر گروپ کا خون منتقل کیا جاسکتا ہے۔

اے گروپ والے کا خون اگر ساتھ (+RH) بھی ہو تو اسے صرف اسی شخص کا خون دیا جاسکتا ہے جو اے گروپ کے ساتھ (+RH) ہو۔

۲)...... خون گروپ ایک ہونے کیساتھ دونوں میں موافقت (Match) بھی ضروری ہے

۳)...... بلڈ بینک میں جمع شدہ خون اگر احتیاطی تدابیر اور اصولوں کے مطابق محفوظ کیا گیا ہو تو تقریباً پانچ ماہ تک کارآمد ہوسکتا ہے، اس سے پرانا خون استعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

۴)...... خون ہمیشہ لیبارٹری سے ٹیسٹ اور (Blood Exem) کے بعد استعمال کرنا چاہئے۔ کیونکہ لیبارٹری ٹیسٹ کے بغیر انتقال خون سے بڑا نقصان پیدا ہوسکتا ہے۔ مثلاً اگر (-.RH) بلڈ گروپ والی خاتون کو آپریشن کے دوران (+.RH) خون لگا دیا گیا تو اس کے خون میں اینٹی باڈیز پیدا ہوجاتی ہیں، اگر بعد میں اس عورت کو پھر غلطی سے (+.RH) خون دیا جائے تو اس کا سخت ری ایکشن ہوتا ہے جو کہ بعض اوقات جان لیوا بھی ہوسکتا ہے۔

۵)...... نشہ کے عادی اور مختلف امراض میں مبتلا لوگوں کا خون لینے سے احتراز کرنا چاہئے، کیونکہ ان کے اثرات بد اور امراض کے منتقل ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

خون کی حقیقت

خون ایک سیال مادہ ہے جو ہر وقت بدن میں گردش کرتا رہتا ہے، اور اس کے پیچھے دل کارفرما ہوتا ہے، دل ایک پمپ ہے جو خون کو پورے جسم تک پہنچاتا ہے۔

☆ خون دو بڑی اشیاء پر مشتمل ہوتا ہے:

۱)...... پلازما: خون میں ۵۵% پلازما ہوتا ہے جو زرد رنگ کا پانی ہوتا ہے پھر پلازما میں ۹۰ فیصد خالص پانی اور ۱۰ فیصد غذائی مواد ہوتا ہے۔

۲)...... پلازما کے علاوہ اجزاء، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱)......سرخ ذرات R.B.C (۲) سفید ذرات W.B.C (۳) خون کو بہاؤ سے روکنے والے اجزاء بلڈ پلیٹلٹس B.P

☆سرخ ذرات R.B.C شکل میں گول، درمیان میں پتلے اور کناروں سے موٹے ہوتے ہیں، ان کی عمر ۱۲۰ دن ہوتی ہے، خون کے ایک قطرے میں ۵۵ لاکھ ذرات ہوتے ہیں۔

جس طرح گاڑی کو پیٹرول کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح جسمانی اعضاء کو اپنا اپنا فعل سرانجام دینے کیلئے توانائی اور حرارت کی ضرورت پیش آتی ہے، سرخ ذرات کا کام یہ ہے کہ ان میں موجود ہیموگلوب پھیپھڑوں میں آئی ہوئی تازہ ہوا سے آکسیجن گیس حاصل کر لیتی ہے پھر یہ گیس ہضم شدہ غذائی مواد کے ساتھ مل کر جسم کو حرارت اور توانائی دیتی ہے۔

سفید ذرات (W.B.C) خون کے ایک قطرے میں تقریباً ۷۰۰۰ تک ہوتے ہیں، طبی عمر تقریباً ایک ہفتہ ہوتی ہے، نئے ذرات ہڈیوں کے گودے میں بنتے ہیں، ذرات جسم کا دفاع کرتے ہیں، جب بھی باہر سے جراثیم کا زہریلا مواد جسم میں داخل ہوتے ہیں یہ ان کو تباہ کرتے ہیں۔

☆بلڈ پلیٹلٹس (Blood Platlets) یہ ذرات خون کے ایک قطرے میں تقریباً چالیس ہزار ہوتے ہیں ان کی شکل گول ہوتی ہے، طبعی عمر چار دن ہوتی ہے، ان کا کام یہ ہے کہ جب انسان کو چوٹ لگتی ہے اور خون نکلنا شروع ہوتا ہے تو یہ ذرات اندر کے زخم کی مرہم پٹی شروع کر دیتے ہیں، اس طرح چھوٹے زخموں میں خون بہنا خود بخود بند ہو جاتا ہے۔

☆انتقال خون میں بعض اوقات تو کل خون کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن بعض اوقات کل خون کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ مذکورہ ذرات میں سے کسی ایک کی ضرورت ہوتی ہے، ایسے موقع پر انسان کا خون نکال کر اس سے شیشوں کے ذریعے وہی ذرات الگ کر کے مریض کو منتقل کر دیئے جاتے ہیں، مثلاً ڈینگی وائرس کے مریضوں کو سفید ذرات کی سخت ضرورت پیش آتی ہے۔

انسانی جسم میں خون کے مجموعی افعال

۱)......خون اپنے سفید ذرات اور خلیوں کے ذریعہ جسم میں بیماریوں کے خلاف قوت

مدافعت پیدا کرتا ہے۔

۲)......خون کے سفید ذرات باہر سے آنے والے جراثیموں اور فاسد وزہریلے مواد کو تباہ کرتے ہیں۔

۳)......خون میں شامل چھوٹی چھوٹی رکابی نما ساختیں/پلیٹلٹس (PLatelets) خون کو جمنے (Clotting) میں مدد دیتے ہیں، اس طرح چوٹ یا زخم کی صورت میں خون ضائع نہیں ہوتا اور انسان موت سے بھی بچ جاتا ہے۔

۴)......خون جسم میں درجہ حرارت کو ایک جیسا رکھنے میں مدد دیتا ہے، یہ جسم کی حرارت کو کسی ایک مقام پر جمنے نہیں دیتا۔

۵)......انسان کے پیٹ میں غذا ہضم کرنے کے لئے ایک لمبی نالی ہوتی ہے، جسے ایلی منٹری کینال (Alementry Canal) کہا جاتا ہے، یہ غذا ہضم ہو کر خون میں جذب ہو جاتی ہے، پھر خون اسے جسم کے مختلف حصوں میں پہنچاتا ہے۔

۶)......خون پھیپھڑوں سے آکسیجن لے کر جسم کے مختلف حصوں میں پہنچاتا ہے۔

۷)......خون جسم کے مختلف حصوں سے بے کار اجزاء (کاربن ڈائی آکسائیڈ) اور زہریلے نائٹروجن مواد اکٹھا کر لیتا ہے پھر اسے جدا جدا راستوں سے جسم سے باہر پھینکتا ہے۔

۸)......خون جسم کے تمام حصوں کو تازہ اور مرطوب رکھتا ہے۔

۹)......خون جسم سے مختلف جراثیمی بیماریوں کو دفع کرتا ہے۔

۱۰)......خون جسم کا درجہ حرارت برقرار رکھتا ہے۔

۱۱)......خون مختلف غدود کی رطوبت بنانے میں مدد دیتا ہے اور ضرورت کی تمام جگہوں کو پہنچاتا ہے۔

دنیا بھر میں 74 افراد کے لئے عطیہ کردہ خون کا ایک بیگ دستیاب

خون عطیہ کرنے والوں کا عالمی دن: پاکستان میں یومیہ 8 ہزار خون ک بیگز کی ضرورت، دنیا بھر میں سالانہ 23 کروڑ سے زائد آپریشن ہوتے ہیں۔

لاہور (رپورٹ۔شاہین حسن) اچانک حادثاتی چوٹوں، کینسر اور حمل کی پیچیدگیوں سمیت دیگر وجوہات کے باعث دنیا میں سالانہ 23 کروڑ 40 لاکھ (روزانہ 6 لاکھ 41 ہزار) بڑے آپریشنز کئے جاتے ہیں، جن کے لئے خون کی اشد ضرورت پڑتی ہے، جبکہ دنیا میں سالانہ 3 لاکھ نوزائیدہ بچے تھیلسیمیا (Sickle Cell) مرض کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں، جن کو عمر بھر مسلسل خون کی فراہمی ضروری ہے، آج ساری دنیا میں خون کا عطیہ کرنے والوں کا عالمی دن (More Blood More life) کے عنوان سے منایا جارہا ہے، تو دنیا میں اوسطاً 74 افراد کے عطیہ کردہ خون کا ایک بیگ دستیاب ہے، پاکستان ریڈ کریسنٹ سوسائٹی کے اعداد وشمار کے مطابق ملک میں 20% پروفیشنل خون بیچنے والوں سے حاصل کیا جاتا ہے، ملک میں اوسطاً 118 افراد کے عطیہ کردہ خون کا ایک بیگ دستیاب ہے، سالانہ 15 لاکھ (اوسطاً روزانہ 4100) خون کے بیگز عطیہ کئے جاتے ہیں، جبکہ خون کی ضرورت اس سے کئی گنا زیادہ ہے، فاطمید فاؤنڈیشن کے اعداد وشمار کے مطابق ملک میں اوسطاً روزانہ 8 ہزار سے زائد خون کے عطیہ کردہ بیگز کی ضرورت ہے۔(۱)

---

(۱) روزنامہ جنگ راولپنڈی 14 جون 2011ء ۱۱/۷/۱۴۳۲ھ

(۱۵)

اعضاء کی پیوند کاری

(transplantation of Organs)

اعضاء کی پیوند کاری کی بنیادی طور پر تین صورتیں بنتی ہیں:

۱)......مصنوعی اعضاء سے پیوند کاری۔

۲)......حیوانی اعضاء سے پیوند کاری۔

۳)......انسانی اعضاء سے پیوند کاری۔

پھر انسانی اعضاء سے پیوند کاری کی بھی دو اقسام ہیں:

۱)......ایک ہی انسان کے کسی عضو کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا اسے آٹو ٹرانسپلانٹیشن (Auto Transplantation) کہا جاتا ہے۔

۲)......ایک انسان کا کوئی عضو دوسرے انسان کی طرف منتقل کرنا۔ اسے ہوموٹرانسپلانٹیشن (HomoTransplantation) کہا جاتا ہے۔

پھر انسان کے اعضاء تین قسم کے ہو سکتے ہیں:

۱)......وہ اعضاء جن پر انسانی زندگی کا مدار ہے اگر وہ عضو تلف یا ناکارہ ہو جائے تو انسان موت کا شکار ہو جائے جیسے دل۔

۲)......وہ اعضاء جن پر زندگی کا مدار تو نہیں ہے ان کے بغیر بھی آدمی زندہ رہ سکتا ہے لیکن وہ انسان کے لئے بنیادی اور ضروری اعضاء ہیں ان کے بغیر انسان کی منفعت معطل ہو جاتی ہے یا انسان سخت مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہو سکتا ہے جیسے ہاتھ، پاؤ، آنکھ وغیرہ۔

۳)......وہ اعضاء جن پر نہ زندگی موقوف ہے اور نہ ان کے فوت ہونے سے منفعت مقصودہ

فوت ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان سخت مشقت میں مبتلا ہو بلکہ وہ اعضاء حسن وجمال کا ذریعہ ہیں ان کے ضائع ہونے سے انسانی حسن وجمال بالکل ختم یا کم ہو جاتا ہے جیسے سر اور پلکوں کے بال، ناک اور کان وغیرہ، اگر ناک اور کان نہ ہوں لیکن ان کے مسام موجود ہوں تو وہ سننے ،سانس لینے اور سونگھنے کے عمل کے لئے کافی ہیں۔

(۱)......مصنوعی اعضاء کی پیوندکاری کی شرعی حیثیت

آج کل عام طور پر پلاسٹک، ڈیکران سلیکون، ربڑ، مختلف دھاتوں اور کیمیائی مرکبات سے مصنوعی اعضاء تیار کئے جاتے ہیں، جن میں مصنوعی دانت، آلہ سماعت، مصنوعی شریانیں اور آنتیں، سانس کی نالیاں، دل کے صمام یعنی والو وغیرہ شامل ہیں۔ اگر اس بارے میں توجہ دی جائے تو مزید ترقی بھی ہو سکتی ہے۔

شرعاً مصنوعی اعضاء کی پیوندکاری مطلقاً جائز ہے اور اسکے جواز پر اتفاق ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے چاندی اور سونے کی ناک بنانے کی اجازت دی ہے۔

عن عبدالرحمن بن طرفة ان جده عرفجة بن سعد قطع انفه يوم الكلاب فاتخذه انفا من ورق فانتن عليه فامره النبي ﷺ فاتخذ انفامن ذهب۔(۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن طرفہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا حضرت عرفجہ بن سعدؓ کی ناک کلاب کے دن کٹ گئی تو انہوں نے چاندی کی ناک بنالی اس میں بدبو پیدا ہو گئی تو نبی علیہ السلام نے سونے کی ناک بنانے کا حکم دیا، چنانچہ انہوں نے سونے کی ناک بنالی۔

اسی طرح کئی صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کے سونا چاندی وغیرہ کے اعضاء استعمال کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔(۲)

عہد نبوی اور بعد کے زمانے میں سونا، چاندی کا استعمال عام تھا، دوسری دھات کم تھیں، ان احادیث وآثار سے اصول معلوم ہوا کہ تمام نباتات، جمادات اور ہر قسم کی دھات سے اعضاء

---

(۱) سنن ابی داود(۲/۲۳۹) کتاب الخاتم، باب ما جاء فی ربط الاسنان بالذهب،

(۲) تفصیل کے لئے اعلاء السنن (۱۷/۲۹۶) ملاحظہ ہو۔

بنانا اور ان کا استعمال جائز ہے۔

(۲)......حیوانی اعضاء سے پیوندکاری

حیوانی اعضاء کے ذریعہ پیوندکاری کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کسی کی آنتیں اور انتڑیاں خراب ہو جائیں تو کسی حیوان کی انتڑیاں لگادی جائیں یا انسان کی جلد جل جائے تو اس کے بھراؤ میں جانور کی جلد استعمال کرلی جائے۔

شرعاً حیوانی اعضاء سے پیوندکاری کرنا مطلقاً درست ہے، خواہ ایسے اعضاء کی پیوندکاری ہو جس پر زندگی موقوف ہے یا انسان کے لئے ضروری ہیں یا زیب وزینت اور حسن وجمال کے اعضاء ہوں اور چونکہ پیوندکاری کے بعد وہ اعضاء انسان کا جز بن جاتے ہیں لہذا حرام اور مردار جانوروں کے اعضاء سے پیوندکاری کرنا درست ہے، انسان کا گوشت خود حرام ہے اگرچہ اس کی حرمت تعظیم وتکریم کی وجہ سے ہے، حرام جانور کی حرمت استخباث کی وجہ سے ہے، علت میں فرق کے باوجود حرمت میں دونوں برابر ہیں، لہٰذا حرام جانور کے اعضاء بھی لگائے جاسکتے ہیں تاہم حرام، مردار غیر مذبوحہ جانوروں سے انسان کو طبعاً نفرت ہوتی ہے لہذا ان کے اعضاء لگانے سے احتراز افضل ہے۔

حیوانی اعضاء سے پیوندکاری درست ہے اس کے متعدد دلائل ہیں مثلاً:

۱)......حیوانات کی تخلیق انسان کی خدمت کے لئے ہے، انسان حیوان سے ہر قسم کا فائدہ اٹھا سکتا ہے، سواری، باربرداری، دودھ، اون حتی کہ ذبح کر کے اس کا گوشت کھا سکتا ہے، لہذا اس کا کوئی عضو انسان کے جسم کا حصہ بھی بن سکتا ہے۔

۲)......امام ابوداؤدؒ نے سنن ابی داؤد، کتاب الترجل میں باب باندھا ہے، باب ماجاء فی الانتفاع بالعاج یعنی اونٹ کے دانت سے فائدہ اٹھانے کا باب، اس باب میں حضرت ثوبانؓ کی ایک حدیث نقل فرمائی ہے، اس کے آخر میں ہے:

"یاثوبان اشتر لفاطمة قلادة من عصب وسوار من عاج"۔(۱)

(۱) سنن ابی داؤد(۲/۲۲۵٦)

اے ثوبانؓ حضرت فاطمہؓ کے لئے جانوروں کی آنتوں اور پٹھوں کا بنا ہوا ہار اور اونٹ کے دانت کے کنگن خرید لاؤ۔

عصب اور عاج کے اور بھی مختلف معنی کئے گئے ہیں اور سب کا تعلق حیوانات کے اعضاء سے ہے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے لئے حیوانی اعضاء سے انتفاع جائز ہے خواہ کوئی چیز بنا کر نفع اٹھائے یا اپنے جسم کا جزء بنائے۔

(۳) امام بخاریؒ نے صحیح البخاری کتاب الوضوء باب مایقع من النجاسات فی السمن والماء میں مختلف صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور سلف صالحینؒ سے جانوروں کے اعضاء سے انتفاع کا جواز نقل کیا ہے:

قال حماد: لا بأس بریش المیتة، حماد بن سلیمان فرماتے ہیں کہ مردار کے بالوں میں کوئی حرج نہیں ہے

،وقال الزهری فی عظام الموتی نحو الفیل وغیره: ادرکت ناساً من سلف العلماء یمتشطون بها ویدهنون فیها لا یرون به بأساً۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سلف کے بہت سے علماء کو مردہ جانوروں اونٹ وغیرہ کی ہڈیوں سے کنگھا کرتے اور ان کا تیل استعمال کرتے دیکھا وہ حضرات اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

وقال ابن سیرین و ابراهیم: ولا بأس بتجارة العاج ابن سیرینؒ اور ابراہیم فرماتے ہیں کہ اونٹ کے دانت کی تجارت جائز ہے۔(۲)

امام بخاریؒ نے ان آثار سے حیوانی اجزاء کی طہارت ثابت کی ہے، لیکن ان آثار سے طہارت کے ساتھ ان اجزاء کے استعمال کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔

البتہ خنزیر کے اعضاء کے ذریعہ پیوند کاری حالت اضطرار کے بغیر جائز نہیں ہے کیونکہ خنزیر نجس العین ہے اس کے اجزاء سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں ہے۔

---

(۱) دیکھئے بذل المجهود (۸۲/۵)

(۲) صحیح البخاری (۳۷/۱)

(۴)......انسانی اعضاء سے پیوندکاری

انسانی اعضاء سے پیوندکاری کی دوصورتیں ہیں:

۱)......انسان کا کوئی عضواس کے جسم میں دوسری جگہ لگادیا جائے، مثلاً ایک جگہ کے بال اتار کر دوسری جگہ لگالینا یا جسم میں گہرا زخم ہوا ہے اس کی بھرائی دوسرے حصہ سے گوشت حاصل کر کے کی جائے، یہ صورت جائز ہے۔(۱)

۲)......ایک انسان کے اعضاء دوسرے انسان کو لگائے جائیں اس کی بھی دوصورتیں ہیں:

(۱) مائع اعضاء کا انتقال جیسے خون اور دودھ

(۲) غیر مائع اعضاء کا انتقال جیسے دل گردہ وغیرہ۔

خون اور ہر مائع عضو کا انتقال چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، جس کی تفصیل انتقال خون کی بحث میں آچکی ہے۔

اور غیر مائع اعضاء کے انتقال میں اصل عدم جواز اور حرمت ہے، مائع اور غیر مائع اعضاء کے حکم میں فرق کی دو بڑی وجوہات ہیں:

۱)......مائع اعضاء کو منتقل کردیا جائے تو بھی ان کی تلافی ہوسکتی ہے، کیونکہ وہ دوبارہ پیدا ہو جاتے ہیں، جبکہ دوسرے اعضاء کی تلافی نہیں ہوسکتی۔

۲)......مائع اعضاء کے انتقال میں انسان کی اہانت نہیں ہے، کیونکہ ان کو علیحدہ کرنے کے لئے انسانی جسم میں قطع وبرید اور کانٹ چھانٹ کی ضرورت نہیں پڑتی تھی دوسرے اعضاء میں انسان کی توہین وتذلیل ہوتی ہے، جسم کی قطع وبرید کی جاتی ہے۔

عدم جواز کے دلائل

غیر مائع اعضاء کا انتقال جائز نہیں ہے اس کی وجوہ یہ ہیں:

---

(۱) الفقه الاسلامی وادلته(۵۱۲٤/۷)

۱)......انسان اشرف المخلوقات اور لائق تعظیم وتکریم ہے، لہذا انسانی اعضاء کی پیوند کاری اس کی تعظیم کے منافی ہے۔

۲)......انسان مخدوم اور کائنات کی تمام اشیاء اس کی خادم ہیں، انسان اشیاء کائنات کو جس طرح چاہے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے، خواہ ان کی قطع برید کی ضرورت پیش آئے، لیکن انسان دوسرے انسان کو یوں استعمال میں لائے اور اس کی صفت مخدومیت کو خادمیت میں تبدیل کردے یہ جائز نہیں ہے۔

۳)......انسان خود اپنے اجزاء واعضاء کا مالک نہیں ہے اعضاء اس کے پاس امانت ہیں، ان کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے لہذا کوئی انسان اپنا عضو کسی کو عطیہ نہیں کرسکتا۔

۴)......انسانی اعضاء کی پیوند کاری میں مثلہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، مثلہ یہ ہے کہ انسان کے اعضاء کاٹ دیئے جائیں اور اس کی صورت بدل دی جائے۔

جواز اور شرائط جواز

دوسرے انسان کے اعضاء سے پیوند کاری کرنا جائز نہیں ہے اصل حکم یہی ہے البتہ اگر کسی کی زندگی ہی یقینی طور پر دوسرے انسان کے کسی عضو کے لگانے پر موقوف ہو، اس کے بغیر اس کی موت یقینی ہو تو چند شرائط کے ساتھ دوسرے کا عضو اسے لگانا جائز ہے، وہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں

۱)......مریض واقعۃً اضطراری حالت میں ہو، اور مستند متدین ڈاکٹر کا پینل کہہ دے کہ اس کی زندگی عضو کی پیوند کاری پر موقوف ہے۔

۲)......عضو عطیہ کرنے والا اپنی خوشی سے بغیر جبر واکراہ کے عطیہ کرے، اور اگر مردہ شخص کا عضو لیا جارہا ہے تو اس نے اپنی زندگی میں اس کی اجازت دی ہو۔

۳)......عطیہ کرنے والا عاقل اور بالغ ہو، کیونکہ بچے اور مجنون کا عطیہ درست نہیں۔

۴)......عطیہ کرنے والا اگر زندہ ہے تو عضو دینے کی وجہ سے خود اس کی زندگی کو خطرہ لاحق نہ ہو، اگر خود اس کی جان کو خطرہ ہے تو انتقال عضو جائز نہیں ہے کیونکہ شریعت میں دوسرے کی جان بچانے کے لئے اپنی جان کھونا صحیح نہیں ہے۔

۵)......حیوانی یا مصنوعی عضو سے کام نہ چلتا ہو انسانی عضو کی پیوند کاری ہی ضروری ہو۔

انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے بارے صحیح اور آخری قول یہی ہے کہ یہ مذکورہ شرائط کے ساتھ جائز ہے، قدرے قدیم فتاویٰ میں عدم جواز کا قول ہی ملتا ہے۔(۱)

ابتداء میں اس بارے میں علماء کرام کے ہاں سختی کی جاتی تھی لیکن اب اس کا شیوع زیادہ ہو چکا ہے، اور عموم بلویٰ بھی ہے لہذا اب علماء کی اکثریت ان مذکورہ شرائط کے ساتھ جواز کی قائل ہے۔

اہم فقہی فیصلے میں ہے:

''اگر کوئی مریض ایسی حالت میں پہنچ جائے کہ اس کا کوئی عضو اس طرح بے کار ہو کر رہ جائے کہ اگر اس عضو کی جگہ کسی دوسرے انسان کا عضو اس کے جسم میں پیوند نہ کیا جائے تو قوی خطرہ ہے کہ اس کی جان چلی جائے گی اور سوائے انسانی عضو کے کوئی دوسرا متبادل اس کی کو پورا نہیں کر سکتا اور ماہر قابل اعتماد اطباء کو یقین ہے کہ سوائے عضو انسانی کی پیوند کاری کی صورت میں ماہر اطباء کو ظن غالب ہے کہ اس کی جان بچ جائے گی اور متبادل عضو انسانی اس مریض کے لئے فراہم ہے تو ایسی صورت میں مجبوری اور بے کسی کے عالم میں عضو انسانی کی پیوند کاری کرا کر اپنی جان بچانے کی تدبیر کرنا مریض کے لئے مباح ہوگا۔

☆ اگر کوئی تندرست شخص ماہر اطباء کی رائے کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اگر اس کے دو گردوں میں سے ایک گردہ نکال دیا جائے تو بظاہر اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور وہ اپنے رشتہ دار مریض کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ اس کا خراب گردہ اگر نہیں بدلا گیا تو بظاہر حال اس کی موت یقینی ہے، اور اس کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے تو ایسی حالت میں اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ بلا قیمت اپنا ایک گردہ اس مریض کو دے کر اس کی جان بچالے۔

ویظهر لنا علی ضوء ماتقدم جواز الاستفادة من اعضاء الانسان المیت فی

(۱) احسن الفتاویٰ (۸/۲٦۹) فتاویٰ رحیمیه (۱۰/۱٦۹) فتاویٰ محمودیه (۱۸/۳۳۵) فتاویٰ بینات (٤/۳۳۸)۔

مداولة المرضی المحتاجین الیهااذاتعینت طریقالذلك ولایوجد دواء یقوم مقامها۔(۱)

حکومت کی ذمہ داری

مذکورہ شرائط کے ساتھ انسانی اعضاء کی پیوندکاری کی اجازت ہے،لیکن انسانی اعضاء کی خرید وفروخت ہرگز جائز نہیں ہے،لہذا حکومت وقت کا فرض ہے کہ اعضاء کے خرید وفروخت پر قانانی پابندی لگائے۔

اسلام آباد میں انسانی گردوں کی خرید وفروخت کا انکشاف

دس لاکھ میں سودا کر کے گردہ دینے والے کوصرف ایک لاکھ روپے دیئے گئے:

''اسلام آباد(خصوصی نامہ نگار) وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں وفاقی پولیس کے ملازمین کے ایک گروپ کی طرف سے ''گردوں کی خرید وفروخت'' کے دھندے کا انکشاف ہوا ہے،10 لاکھ روپے میں گردے کا سودہ کر کے گردہ فروخت کرنے والے کوصرف ایک لاکھ دیئے گئے ہیں، جبکہ تھانہ بھارہ کہو کے اسسٹنٹ سب انسپکٹر شکیل بٹ نے اس سے 90 ہزار روپے چھین لئے اور گردہ فروخت کرنے والے لاہور کے رہائشی رانا عثمان کو ڈکیتی ومنشیات کے مقدمات میں گرفتار کرنے کی دھمکیاں دیں، ایڈیشنل ایس پی ناصر نے واقعہ کی اطلاع ملتے ہی تھانہ بھارہ کہو کو مقدمہ درج کرنے اور گردوں کی خرید وفروخت میں ملوث گروہ کی گرفتاری کا حکم دے دیا، بھارہ کہو پولیس نے ہارٹ انٹرنیشنل کے ڈاکٹر ذوالفقار اس کے پی اے سلیم اللہ، اے ایس آئی شکیل بٹ اور گردہ خریدنے والے شوکت کو گرفتار کر کے ڈیوٹی مجسٹریٹ سے ان کا پانچ روزہ

(۱) الفقه الحنفی فی ثوبه الجدید(٤/٥٧) ، اهم فقهی فیصلے(ص۱۳) نیز ملاحظه هو نظام الفتاویٰ(۱/۳٥۱)، عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل(ص۱٥۷) فتاویٰ رحیمیه (۲/۳۹۷) مریض و معالج کے اسلامی احکام(ص۳۸۱) الفقه الاسلامی و ادلته (۷/٥۱۲۱و ۷/٥۲٦۲)

بصارت کارآمد ہو جاتی ہے۔ لہذا مصنوعی ناک اور ڈھیلا میں کوئی فرق نہ رہا۔(۱)

مصنوعی دانت لگوانے کا حکم

ہڈی، لوہے، پیتل، تانبے اور پتھر وغیرہ سے تیار کردہ مصنوعی دانت لگانا شرعاً بلا کراہت جائز ہے۔

پھر اگر دانت کو مسوڑھے میں مستقل پختہ پیوست کر دیا گیا ہے جو بغیر آپریشن کے نہیں نکل سکتا تو وضو اور غسل میں اس کا حکم اصل دانت والا ہے لہذا اسے اتارنا ضروری نہیں بلکہ اس کے اوپر پانی پہنچا دینا کافی ہے، اور اگر اسے مستقل پیوست نہیں کیا گیا بلکہ عارضی اور وقتی لگایا گیا ہے اس کو آسانی سے اتارا جا سکتا ہے تو غسل میں اس کے اندر پانی پہنچانا ضروری ہے، اگر وہ پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ بن رہا ہو تو اسے اتارنا ضروری ہے۔

اور چاندی کا دانت لگانا بھی جائز ہے، کیونکہ اس میں بہت کم چاندی لگ سکتی ہے۔ البتہ اگر زیادہ دانت چاندی کے لگائے جائیں تو سب کا وزن پانچ ماشہ=۸۶۔۴ گرام سے کم ہونا ضروری ہے۔ اور سونے کے دانت لگانے میں اختلاف ہے، لہذا اس سے احتراز افضل ہے۔ تاہم اگر سونے کے علاوہ کوئی دھات دستیاب نہ ہو اور شدید ضرورت ہو تو سونے کے دانت بھی لگائے جا سکتے ہیں۔ والدليل عليه حديث عرفجه بن سعد۔(۲)

وعلى هذا الاختلاف اذا اجدع انفه اواذنه اوسقط سنه فاراد ان يتخذ سنا أخر فعند الامام يتخذ ذلك من الفضة فقط وعند محمد من الذهب ايضًا۔(۳)

سونے کا خول

دانتوں کی حفاظت کے لئے بعض اوقات ان کے اردگرد خول لگایا جاتا ہے، سونے کے علاوہ

(۱) آلات جدیدہ کے شرعی احکام ص۱۹۶)

(۲) ابی داود(۲/۲۲۹)

(۳) رد المحتار(۶/ ۳۶۳) كتاب الحظر والاباحة، فصل فى اللبس

ہر دھات کا خول لگانا درست ہے، اور سونے کے خول میں اختلاف ہے، امام صاحبؒ کے ہاں درست نہیں اور صاحبینؒ کے ہاں درست ہے لہذا اس سے بچنا بہتر ہے، تاہم بوقت ضرورت اس کی گنجائش ہے، پھر اگر خول کو بآسانی الگ نہ کیا جاسکتا ہو تو اس کے ساتھ غسل اور وضو درست ہے اور اگر الگ کیا جاسکتا ہو تو اسے الگ کر کے وضو اور غسل کیا جائے۔(۱)

دانتوں کو سونا اور چاندی کی تاروں سے باندھنے کا حکم

اگر دانت ہل رہے ہیں، تو سونا اور چاندی کے تاروں سے دانتوں کا باندھنا شرعاً جائز ہے۔(۲)

انسان کو جانور کی آنکھ لگانا

جس طرح انسان کو دوسرے انسان کو آنکھ لگ جاتی ہے اسی طرح جانور کی آنکھ بھی انسان کو لگ سکتی ہے اور شرعاً انسان کو جانور کی آنکھ لگانا جائز ہے۔(۳)

خنزیر کے اعضاء سے پیوندکاری

آج کل خنزیر کے بعض اعضاء مثلاً دل، گردہ، جگر وغیرہ انسانوں کو لگائے جاتے ہیں اور بعض لوگ اس کا جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ حالت اضطرار میں خنزیر کا گوشت کھانا جائز ہے لہذا خنزیر کے اعضاء بھی انسانوں کو لگائے جاسکتے ہیں۔

شرعاً خنزیر نجس العین ہے اور اس کے کسی بھی عضو سے انتفاع جائز نہیں ہے لہذا اس کے اعضاء سے انسان کی پیوندکاری بھی صحیح نہیں ہے۔

جہاں تک خنزیر کے اعضاء کو اس کے گوشت پر قیاس کرنے کا تعلق ہے تو یہ قیاس مع الفارق

(۱) امداد الاحکام (٤/٣٥٠)

(۲) امداد الاحکام (٤/٤٥٠) و نظام الفتاویٰ (١/٤٠١)

(۳) احسن الفتاوی (٨/٢٣٦)

ہے اول تو خنزیر کا گوشت حالت اضطرار میں کھانا جائز ہے عام حالات میں نہیں، جبکہ اعضاء کی پیوند کاری کے بارے میں حالت اضطرار کا تحقق ہی نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے متبادل بہت سے اعضاء موجود ہیں، مصنوعی اعضاء دوسرے حلال وحرام حیوانات کے اعضاء، انسانی اعضاء ،دوسرے اس لئے بھی کہ خنزیر کے اعضاء کی پیوند کاری اور اس کا گوشت کھانے میں بھی فرق موجود ہے، مثلاً:

۱)......کھانے سے شبع اور حیاۃ متیقن ہے جبکہ اعضاء کی پیوند کاری سے حیاۃ کا تیقن نہیں ہو سکتا۔

۲)......گوشت کھائے جانے کے بعد ہضم ہو کر معدوم اور ختم ہو جاتا ہے یا انسان کے گوشت اور خون میں بدل کر اپنی حقیقت و ماہیت کھو دیتا ہے، اور خنزیر کا عضو لگانے کی صورت میں عضو بعینہ قائم ودائم رہتا ہے اور خنزیر کا عضو حرام ہونے کے ساتھ نجس العین بھی ہوتا ہے، گویا حرام اور نجس العین عضو ہمیشہ کے لئے انسان کا جزء بن جاتا ہے اور اس کی موجودگی میں کبھی طہارت حاصل نہ ہوگی، اسی طرح اس کی نماز بھی غارت ہوگی۔(۱)

عضو مخصوص کی پیوند کاری

کسی آدمی کو دوسرے آدمی کا عضو تناسل لگانا کسی صورت میں جائز نہیں ہے کیونکہ انسانی اعضاء سے پیوند کاری کی بہت سے شرائط ہیں ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ انسانی عضو لگائے بغیر موت یقینی ہو یا اس کا غالب گمان ہو، اور عضو تناسل میں ایسا نہیں ہے، اس کے بغیر بھی زندہ رہنا ممکن بلکہ مشاہدہ ہے، خواہ مریض شخص شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ اگر شادی شدہ سے بیوی طلاق کا مطالبہ کرے تو اس کا مطالبہ درست ہے اور شوہر پر طلاق دینا لازم ہے۔

تاہم اگر کسی دوسرے کا عضو تناسل لگا لیا تو شرعاً اب اس کا قطع ضروری نہیں ہے کیونکہ اس میں سخت ضرر ہے، آیا وہ شخص بیوی سے جماع کر سکتا ہے؟

(۱) ماخذہ: نظام الفتاویٰ (۱/۳۰۱)

اس بارے میں احسن الفتاویٰ میں ہے:

اس کے استعمال للبول اور مس للاستنجاء وغیرہ پر مجبور ہونے کی وجہ سے ماخوذ نہ ہوگا مگر استعمال للجماع پر مجبور نہیں لہذا اپنے اصل (حرمتِ استعمال جزء الآدمی) کے مطابق جماع حرام ہوگا، میاں بیوی دونوں گناہگار ہوں گے، بیوی کے لئے اس کا دیکھنا اور چھونا جائز نہیں، ثبوت النسب کا تعلق نطفہ سے ہے لہذا یہ اولاد ثابت النسب ہوگی ....."(۱)

لیکن یہ بات کہ جماع حرام ہے، اور بیوی کا پیوند شدہ عضو تناسل کو دیکھنا اور چھونا جائز نہیں، محل نظر ہے، شرعاً اس سے جماع کرنا، بیوی کا اسے چھونا اور دیکھنا بھی جائز ہونا چاہئے اور اس کے نتیجہ میں جو اولاد پیدا ہوگی وہ ثابت النسب ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ پیوند شدہ اعضاء کے بارے میں متفقہ اصول ہے کہ مصنوعی یا انسانی عضو دوسرے انسان کو پختہ اور مستقل لگا دیا جائے جو بغیر ضرر اور آپریشن کے علیحدہ نہ ہوسکتا ہو اس کا حکم اصل عضو والا ہو جاتا ہے۔ لہذا پیوند کاری کے بعد وہ عضو پہلے شخص کا نہ رہا بلکہ دوسرے کا بن گیا۔ نیز جو شخص شرعی ضرورت کے بغیر عضو کی پیوند کاری کر لیتا ہے وہ گناہ گار ہے مگر آئندہ اس عضو کے استعمال کا ہمیشہ کے لئے حرام ہونا بھی محل نظر ہے۔ تاہم یہ ایک رائے ہے، فتویٰ نہیں ہے۔

سسر کا عضو تناسل داماد کو لگانا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں:

۱)..... زید جسمانی اعتبار سے بالکل تندرست ہے، شادی کرنے کے بعد ایک عرصہ تک اس کی اولاد نہیں ہوئی، میڈیکل چیک اپ کے بعد ڈاکٹروں نے کہا تم میں قوت مردانگی کامل طور پر موجود ہے، صرف آلہ تناسل میں کچھ فرق ہے جس کو اگر تبدیل کر دیا جائے تو تمہاری اولاد ہو سکتی ہے، کیا اس طرح آلہ تناسل تبدیل کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲)..... اگر زید کا سسر فوت ہو جائے اور بعد از وفات سسر کا آلہ تناسل پیوند کاری کے

(۱) احسن الفتاویٰ (۸/۲۷٤)

ذریعے زید کو لگادیا جائے اور اس آلے کے ساتھ متوفی سسر کی بیٹی یعنی اپنی بیوی سے جماع کرے تو کیا شرعاً اس سے نکاح اور نسب پر کوئی اثر پڑے گا؟

الجواب حامداومصليا

۱)......انسان اپنے اعضاء اور جسم کا خود مالک نہیں ہے بلکہ یہ اس کے پاس وقتی طور پر امانت ہیں، اس لئے اعضائے انسانی میں کسی قسم کی قطع وبرید اور کانٹ چھانٹ صرف اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب شریعت اسکی اجازت دے اور شریعت بغیر اضطرار کے یہ اجازت نہیں دیتی، اضطراری حالت یہ ہے کہ انتقال عضو پر زندگی موقوف ہو جیسے دل وغیرہ، اور اولاد کا حصول نہ اضطراری حالت ہے اور نہ آلہ تناسل کی تبدیلی پر زید کی زندگی موقوف ہے، لہذا زید کے لئے حصول اولاد کے واسطے بذریعہ سرجری آلہ تناسل تبدیل کرانا درست نہیں ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

مضطر لم يجد ميتة وخاف الهلاك،فقال له رجل اقطع يدى وكلهااوقال إقطع منى قطعة وكلهالايسعه ان يفعل ذلك ولايصح أمره به۔(۱)

اشباہ والنظائر میں ہے:

الضرر لايزال بالضرر...... ولا يأكل المضطر طعام مضطر آخرولا شيئا من بدنه۔(۲)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

الانتفاع باجزاء الآدمى لم يجزقيل:للنجاسة وقيل للكرامة هو الصحيح كذا فى جواهر الاخلاطى۔(۳)

۲)......نمبر ۱ میں معلوم ہو چکا ہے کہ علی الاطلاق زید کے لئے آلہ تناسل تبدیل کرانا شرعاً جائز نہیں، اس میں سسر وغیر سسر سب کے آلے کا ایک ہی حکم ہے یعنی عدم جواز تاہم اگر زید نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہوئے سسر کا آلہ تناسل بذریعہ سرجری لگوالیا تو زید کا یہ فعل

(۱) فتاویٰ قاضی خان(۳۰۶/۳) كذا فى الهنديه (۴۱۶/۵)

(۲) الاشباه والنظائر(۲۵۴/۱)

(۳) الهندية(۴۳۴/۵)

بھی حرام ہے نیز زید کے لئے اس آلے سے جماع کرنا حرمۃ استعمال آدمی کی وجہ سے حرام ہے ،میاں بیوی دونوں گناہ گار ہوں گے،لیکن اس سب کے باجود نکاح اور نسب پر شرعاً کوئی اثر نہیں پڑے گا اور نہ حرمت مصاہرت ثابت ہوگی کیونکہ شریعت میں محرمیت کو نسب ، مصاہرت اور رضاعت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، کسی اور صورت کو ان پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔(۱)

شامی میں ہے:

وکل عضو لایجوز النظر الیه قبل الانفصال لایجوز بعده ولا بعدالموت کشعرعانة وشعررأسهاوعظم ذراع حرة میتة وساقها۔(۲)

محیط برہانی میں ہے:

اسباب التحریم کثیرة ، من جملة ذلك النسب ومسائله معروفة ومن جملة ذلك المصاهرة:قال محمدؒ فی "الاصل" اذاوطئی الرجل امرأته بنکاح أوملك أوفجور حرم علیه امهاوبنتهاهومحرم لهمالانه لایجوز نکاحها و حرمت علی آبائه و ابنائه......والرضاع فی ایجاب الحرمة کالنسب و الصهرية والاصل فیه "یحرم من الرضاع مایحرم من النسب"۔(۳)

فقط واللہ اعلم

محمد رضوان عفی عنہ

درالافتاء تعلیم القرآن راولپنڈی .

۲/۷/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

بندہ ضیاء الرحمٰن عفی عنہ

۲/۷/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

ریاض محمد

۲/۷/۱۴۳۳ھ

---

(۱) ماخذہ: جواهر الفقه(۷/ ۴۹)و احسن الفتاویٰ (۸/۲۷۴)

(۲) ردالمحتار(۶/ ۳۷۱) کذا فی البحر الرائق(۲/۴۶۲)

(۳) وفی المحیط البرهانی(۴/۸۶)۔ کذا فی رد المحتار (۳/۳۳۳)

اعضاءِ انسانی کے بینک کی شرعی حیثیت

انسانی خون بینک میں جمع کرنا صحیح ہے اور بلڈ بینک کی شرعی حیثیت اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے، اعضاء کے بینک کے بارے میں حکم یہ ہے کہ مصنوعی اور حیوانی اعضاء کا بینک بنانا جائز ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، انسانی اعضاء کے بارے میں اب تک ڈاکٹروں کا یہی کہنا ہے کہ انسانی اعضاء مختصر مدت تک کارآمد ہوتے ہیں، اس دوران اگر کسی دوسرے انسان کو منتقل کردیئے جائیں تو درست ورنہ وہ ضائع ہوجاتے ہیں، لیکن اب یہ بھی کہا جانے لگا ہے کہ انسانی اعضاء کو خاص ماحول میں رکھ کر لمبے عرصہ تک کارآمد بنایا جاسکتا ہے، اور اب انسانی اعضاء کے بینک بھی بننے لگے ہیں، یہ تو ایک طبی بات ہوئی، مسئلہ یہ ہے کہ اگر انسانی اعضاء کو بینکوں میں لمبے عرصہ تک رکھنا ممکن ہو تو کیا شرعاً یہ جائز ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورت شدیدہ کے وقت انسانی اعضاء کی پیوند کاری اگرچہ جائز ہے مگر ان کا بینک بنانا جائز نہیں ہے، عام اعضاء اور خون میں کئی وجوہ سے فرق ہے:

۱)...... حوادثات وغیرہ کی وجہ سے بعض اوقات کئی افراد کو خون کی فوری ضرورت پڑتی ہے، جبکہ اعضاء کی پیوند کاری کا حال اس سے مختلف ہے، اجتماعی ضرورت نہیں پڑتی، انفرادی ضرورت پیش آتی ہے اور مریض کے بارے پہلے سے معلومات حاصل ہوتی رہتی ہیں اور ضرورت پڑنے پر عضو حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۲)...... خون مائع اجزاء میں شامل ہے اس کی تجہیز و تدفین ضروری نہیں ہے، جبکہ دوسرے اعضاء کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر قابل استعمال حالت میں حاصل کرکے دوسرے انسان کو لگا کر اس کے بدن کا جزء نہ بنادیا جائے تو ان کو میت کے ساتھ دفن کرنا ضروری ہے اور اگر عضو اکیلا علیحدہ ہوا ہے تو اس کی الگ تدفین ضروری ہے، اسے یونہی چھوڑے رکھنا جائز نہیں ہے۔

نیز اعضاء کے بینک کے بارے میں یہ قوی خطرہ موجود ہے کہ اسے مستقل کاروبار بنایا جا سکتا ہے اور اس طرح انسانی اعضاء کی خرید و فروخت شروع ہوجائے گی نیز معصوم انسانوں کو قتل کرکے ان کے اعضاء حاصل کرنے کا دھندا بھی شروع ہوسکتا ہے۔

انسانی خلیوں سے تیار شدہ اعضاء کا حکم

اب سائنسدانوں نے انسانی خلیوں سے مختلف اعضاء بنانے کا کام بھی شروع کر دیا ہے جس کی تفصیل آگے آیا چاہتی ہے، چونکہ اعضاء بھی انسانی خلیوں سے تیار کئے گئے ہیں لہذا ان کا حکم بھی انسانی اعضاء والا ہوگا، مصنوعی اعضاء والا نہیں، ہاں اگر جانور کے خلیے سے تیار ہوں تو حیوانی اعضاء کہلائیں گے۔

لیبارٹری میں انسانی گردوں کی تیاری کی کوشش شروع

تجربات کامیاب ہونے پر دیگر اعضاء بھی تیار کئے جائیں گے۔

لندن (اے پی پی) ماہرین طب نے دعویٰ کیا ہے کہ سٹیم سیل (بنیادی خلیے) تکنیک سے اب انسانی گردے لیبارٹری میں تیار کئے جاسکیں گے، اگر یہ بات درست ثابت ہوئی تو طبی سطح پر انسانی اعضاء کی قلت کے مسئلے کو آسانی سے حل کیا جاسکے گا۔

یونیورسٹی آف ایڈن برگ سکاٹ لینڈ کے طبی ماہرین نے انسان کے بنیادی خلیے کو اس مقصد کے لئے استعمال کرنے کا تجربہ کیا ہے جس کے تحت انسانی جسم کے مختلف بلاکس کے اندر اعضاء کو بنانے اور خاص طور پر گردوں کے ڈھانچے وضع کرنے کا کام جاری ہے، فی الوقت نئے انسانی اعضاء کی لمبائی آدھا سینٹی میٹر پائی گئی ہے، جو نومولود بچے کے گردے کے سائز کے برابر ہے، ماہرین کی ٹیم نے امید ظاہر کی ہے کہ یہ تیار کیا جانے والا گردہ گردے کی پیوند کاری کے عمل سے انسان کو لگایا جاسکے گا، تجربات کی لیبارٹری میں مختلف بنیادی خلیوں کو ملا کر ''میڈیا ٹیک فلوڈ'' میں رکھا جاتا ہے جو ماں کی کوکھ جیسا ماحول فراہم کرتا ہے، ماہرین نے اس تکنیک کو جانوروں پر آزمانے کے بعد اب انسانی بنیادی خلیے کی نشونما پر توجہ دی ہے، نیا انسانی گردہ اسی مریض کے بنیادی خلیے سے تیار کیا جائے گا جس کے گردے ناکارہ ہوں گے، یہ تکنیک پروفیسر جیمی ڈیوس کی نگرانی میں وضع کی گئی ہے، جنہوں نے سب سے پہلے یہ آئیڈیا پیش کیا تھا۔(۱)

(۱) روزنامہ جنگ راولپنڈی، پیر 18 اپریل 2011

دودھ بینک کا قیام

اس وقت دودھ بینک بھی قائم ہورہے ہیں جن میں خواتین کا دودھ حاصل کر کے محفوظ کردیا جاتا ہے، قرآن وسنت میں اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ مائیں ہی اپنی اولاد کو دودھ پلائیں، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ماں کا دودھ اولاد کے لئے بہت نفع بخش اور مفید ہوتا ہے، جدید طب بھی اس کی سو فیصد حمایت کرتی ہے، اسی بات کے پیش نظر دودھ بینک وجود میں آئے ہیں کہ اگر کسی وجہ سے عورت کا اپنا دودھ نہ ہوتو کسی دوسری عورت کا دودھ کام آسکے۔

شرعاً دودھ کا بینک قائم کرنا جائز نہیں ہے، خواہ خواتین کا دودھ ملالیا جاتا ہو یا الگ الگ رکھا جاتا ہو اور اس کی وجوہ یہ ہیں:

۱)......دودھ بینک قائم کرنے کی ضرورت وحاجت نہیں ہے کیونکہ بچہ کے لئے اس کے متعدد متبادل موجود ہیں، اگر چہ افادیت میں اس سے کم ہیں اور گو کہ دودھ عام اعضاء انسانی کی طرح نہیں ہے اس میں وسعت ہے مگر کسی خاتون کا دودھ حاصل کرنا، غیر مردوں کا اسے سنبھالنا اور اسے دیکھنا بھی اچھی بات نہیں۔

۲)......دوسرے بچے کو دودھ دینا شرعی لحاظ سے معمولی کام نہیں بلکہ شرعاً اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے، اور عورت کے تمام اصول وفروع بچے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتے ہیں، وہ خاتون بچے کی رضاعی ماں بن جاتی ہے، حقیقی والدہ کی طرح رضاعی والدہ کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی ضروری ہے، رسول اللہ ﷺ اپنی رضاعی والدہ ثوبیہ اور حلیمہ سعدیہ اور رضاعی بہن بھائیوں سے بڑی صلہ رحمی کرتے تھے، دودھ بینک کی اگر اجازت دی جائے تو اس رشتے کا کوئی سراغ نہیں ملے گا اور عین ممکن ہے کہ اپنے کسی محرم سے نکاح ہوجائے۔

۳)......شریعت میں غیر عورت کا دودھ بغیر ضرورت کے پلوانا منع ہے، حتی الامکان اس سے بچنے کا حکم ہے۔

۴)......اس وقت مغرب زدہ خواتین ویسے ہی بچوں کو دودھ پلانے سے گریزاں ہیں، تاکہ ان کی صحت اور حسن و جمال متاثر نہ ہو، اگر دودھ بینک قائم ہونا شروع ہوجائیں تو ایسی

فیشن ایبل عورتوں کو جان چھڑانے کا مزید موقع ملے گا۔ لہذا اصل حکم یہی ہے کہ دودھ بینک جائز نہیں ہے، یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔(۱)

تاہم اگر واقعی ضرورت ہو تو چند شرائط کے ساتھ خواتین کا دودھ جمع کرنے کی اجازت ہے۔

۱)...... ہر خاتون کا دودھ علیحدہ رکھا جائے، مخلوط نہ کیا جائے اور جس بچے کو دودھ دیا جائے اس کے اولیاء کو خاتون کا مکمل تعارف کرادیا جائے۔

۲)...... دودھ رضا کارانہ طور پر دیا جائے اس کی خرید وفروخت ہرگز نہ کی جائے۔

(۱۶)

ترحمانہ قتل کی شرعی حیثیت

دور جدید کے جدید طبی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ یوتھینز یا(EUTHANASIA) کا ہے، اس کے لئے (MERCY KILLING) کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے، یعنی ترحمانہ قتل، عربی میں اسے "القتل بدافع الشفقة" کہا جاتا ہے، اردو میں اسے ''ترحمانہ قتل'' اور ''قتل بجذبہ رحم'' سے تعبیر کر سکتے ہیں، حاصل اس کا یہ ہے کہ ایک مریض نا قابل علاج مہلک مرض میں مبتلا ہو گیا ہے اور ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق اس کے اس مرض سے شفایاب ہونے کی کوئی امید نہیں ہے، دوسری طرف وہ نا قابل برداشت تکلیف، شدید الم، انتہائی کرب اور سخت مصیبت میں ہے، اسی طرح اس کے اقرباء اور رشتہ دار بھی امتحان اور سخت آزمائش سے دو چار ہیں، نیز علاج ومعالجہ کا خرچہ اس کے علاوہ ہے، کیا شریعت کی رو سے اس بات کی اجازت ہے کہ اسے کسی تدبیر کے ذریعہ سے موت کی آغوش میں پہنچا دیا جائے اور اس کو اس تکلیف سے نجات دے دی جائے یا کہ شرعاً اسے اسی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور وہ تکلیف اٹھاتا رہے اور بالآخر اپنی طبعی موت خود مر جائے؟

پھر یوتھینز یا (EUTHANSIA) کی دو اقسام ہیں:

۱)......(ACTIVE EUTHANASIA) یعنی العملی المباشر، اقدام علی قتل، جس کا مطلب یہ ہے کہ جس مریض کے صحت یاب ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے اور ڈاکٹر بھی مایوس ہو چکے ہیں، تو مہلک ادویہ وغیرہ، یا کسی بھی عمل ایجابی کے ذریعہ اس کو باقاعدہ ختم کر دیا جائے۔

۲)......(PASSIVE EUTHANASIA) اسے غیر المباشر اور ترک تدبیر سے تعبیر کیا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اسباب کے درجہ میں مریض کا شفایاب ہونا متوقع نہیں ہے، محض آلات اور ادویہ کے استعمال سے اس کے سانس کی آمدورفت باقی ہے اور جان موجود

ہے۔ اگر آلات ہٹادیئے جائیں، یا ادویہ کا استعمال چھوڑ دیا جائے، تو وہ مرجائے گا، ان آلات و ادویہ کے استعمال کے ترک کرنے کو (PASSIVE EUTHANASIA) کہا جاتا ہے۔

دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ پہلی قسم میں مریض کو عمداً عملی طور پر قتل کیا جاتا ہے اور دوسری قسم میں قتل نہیں کیا جاتا، البتہ زندہ رہنے کے جو ظاہری اسباب و وسائل ہیں، ان کو ترک کیا جاتا ہے۔

پہلی صورت کا حکم

شریعت کی رو سے (ACTIVE EUTHANASIA) یعنی العملی المباشر کسی صورت میں جائز نہیں ہے، یہ قتل حرام میں داخل ہے، اور ہمارے علم کے مطابق اب تک جتنے علماء کرام و فقہاء عظام نے اس بارے اجتماعی یا انفرادی غور و خوض کیا ہے، سب کا اس کے ناجائز ہونے پر اتفاق ہے، لہٰذا یہ اجتماعی مسئلہ ہوا۔

پھر اس کے قتل، امر قتل اور خودکشی ہونے کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اس معاملہ میں کل تین فریق ہوتے ہیں (۱) مریض (۲) مریض کے اقرباء (۳) ڈاکٹروں کا پینل۔

۱)......مریض: مریض کا اس حالت میں نہ خود مہلک ادویہ کھا کر اپنے آپ کو ہلاک کرنا جائز ہے اور نہ ڈاکٹر یا اقرباء کو اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی اجازت یا وصیت کرنا جائز ہے، اپنے آپ کو ہلاک کرنا اس لئے جائز نہیں کہ شریعت کی رو سے کوئی انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہوتا، جسم اس کے پاس صرف اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اس کا مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، خودکشی بھی اسی وجہ سے حرام ہے کہ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہوتا، لہٰذا اگر مریض مہلک ادویہ کے ذریعے اپنے آپ کو ہلاک کرے، تو یہ خودکشی کے زمرے میں آئے گا، جو کہ حرام اور ناجائز ہے۔

(۱) عن جندب بن عبد اللهؓ قال قال رسول الله ﷺ كان فيمن قبلكم رجل به جرح فجزع فاخذ سكينا فخزبها يده فما رقأالدم حتى مات قال الله تعالىٰ بادرني عبدى بنفسه فحرمت عليه الجنة۔ متفق عليه(۱)

(۱) المشكوٰة، كتاب القصاص (۳۰۰/۲)

(۲) عن جابرؓ ان الطفیل بن عمروالدوسی لما هاجرالنبی ﷺ المدینة هاجر الیه وهاجرمعه رجل من قومه فمرض فجزع فاخذ مشاقص له فقطع بها براجمه فتسخبت یداه حتی مات فرأه الطفیل بن عمروفی منامه وهیئة حسنة ورأه مغطیایدیه فقال له ما صنع بك ربك فقال غفرلی بهجرتی الی نبیه ﷺ فقال مالی اراك مغطیا یدیك قال قیل لی لن نصلح منك ماافسدت فقصهاالطفیل علی رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ اللهم ولیده فاغفر۔رواه مسلم۔(۱)

(۳)عن ابی هریرةؓ قال شهدنا مع رسو ل الله ﷺ حنینافقال لرجل ممن یدعی بالاسلام هذامن اهل النارفلماحضرنا القتال قاتل الرجل قتالا شدیدا فاصابته جراحة فقیل یارسول الله ﷺ الرجل الذی قلت له انفانه من اهل النارفانه قاتل الیوم قتالا شدیدًاوقدمات فقال النبی ﷺ الی النارفکاد بعض المسلمین ان یرتاب فبینماهم علی ذلك اذقیل فانه لم یمت ولکن به جرحا شدیدافلماکان من اللیل لم یصبرعلی الجراح فقتل نفسه فاخبرالنبی ﷺ بذلك فقال الله اکبراشهدانی عبدالله ورسوله ثم امربلالاً فنادی فی الناس انه لایدخل الجنة الا نفس مسلمة وان الله یؤید هذاالدین بالرجل الفاجر۔(۲)

ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ عام حالات میں خودکشی ناجائز ہے، لاعلاج مریض یا مصائب وشدائد میں مبتلا شخص اس سے مستثنیٰ ہوسکتا ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات خودکشی کے عمومی مفہوم ہی کے خلاف ہے، خودکشی عموماً کسی غم یا مصیبت اور تکلیف کے وقت کی جاتی ہے، دوسرے احادیث میں تصریح موجود ہے کہ مصیبت وتکلیف میں مبتلا شخص کے لئے بھی خودکشی

(۱) المشکوٰۃ، کتاب القصاص(۲/۳۰۰)

(۲) صحیح المسلم(۱/۷۲) کتاب الایمان

ناجائز اور حرام ہے، مذکورہ تینوں احادیث میں سابقہ امتوں کے ایک شخص، قبیلہ دوس سے تعلق رکھنے والے صحابی اور رجل فاجر کی خودکشی کو حرام قرار دیا گیا ہے، اور ان تینوںؒ نے زخموں اور تکالیف کی تاب نہ لاتے ہوئے خودکشی کی تھی۔

تیسرے یہ کہ علماء امت اور فقہاء امت نے بھی تصریح فرمائی ہے کہ تکلیف وشدید مصیبت کے وقت بھی خودکشی جائز نہیں ہے۔

قواعد الاحکام میں ہے:

"لو اصابه مرض لايطيقه لفرط المه لم يجز قتل نفسه"۔ (١)

فقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

"يحرم قتل الآدمي المتألم بالامراض الصعبة او المصلوب بنحو حديد لانه معصوم مادام حيًا"۔(٢)

چوتھے یہ کہ اصول فقہ میں سقوط وعدم سقوط کے اعتبار سے حرمت کی اقسام لکھی ہیں، حرمت قتل کسی حالت میں نہ ساقط ہو سکتی ہے اور نہ اس کی رخصت ملتی ہے۔

توضیح وتلویح میں ہے:

"والحرمات انواع حرمة لاتسقط ولاتدخلهاالرخصة كالقتل......الخ"

"وفي التلويح تحته:فالحرمات امااان تحتمل السقوط ام لاوالثاني اما ان تحتمل رخصته اولافهي بهذا الاعتبارثلثة انواع نوع لايحتمل السقوط و لا الرخصة ونوع يحتمل السقوط ونوع يحتمل الرخصة فقط"۔(٣)

ہدایہ میں ہے:

"انِ قتل المسلم مما لا يستباح لضرورة ما"۔(٤)

---

(١) قواعدالاحكام في مصالح الانام(١/٨٥)للعلامة عزالدين بن عبدالسلام۔
فقه المشكلات(ص١٧٤)

(٢) الفقه الاسلامي وادلته(٧/٧٦٧)

(٣) اخرالتوضيح(٢/٨٢٨)

(٤) الهداية(٣/٣٥٠)كتاب الاكراه

اور جب مریض اپنے جسم میں خود قتل واہلاک وغیرہ کا تصرف نہیں کرسکتا تو ڈاکٹر اور اقرباء کو اس کی اجازت بھی نہیں دے سکتا اور نہ اس کی وصیت کرسکتا ہے۔

القواعد للزرکشی میں ہے:

" من لا يملك التصرف لا يملك الا ذن فيه"۔(۱)

لہٰذا اگر مریض نے ڈاکٹر یا اقرباء کو اپنے قتل کی اجازت دے دی یا اس کی وصیت لکھ دی تو یہ باطل ہے اور ڈاکٹر اور اقرباء کے لئے اس پر عمل کرتے ہوئے مریض کو جان سے مارنا ہرگز جائز نہیں ہے، فقہاء کرامؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو اپنے عضو کے تلف کرنے یا جان سے مارڈالنے کی اجازت یا حکم دیتا ہے تو دوسرے کیلئے اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

ہدایہ میں ہے:

ولأبی حنیفةؒ ان الاطراف یسلك بها مسلك الاموال فیجری فیها البذل بخلاف الانفس فانه لوقال اقطع یدی فقطعه لا یجب الضمان وهذااعمال للبذل الاانه لایباح لعدم الفائدة الخ۔(۲)

فقہ اسلامی وادلتہ میں ہے:

قال سعدی آفندی(قوله فقتلهالایجب الضمان)اقول ولكن یأثم فیه۔ الرضاء بالقتل اوالاذن بالقتل،یری بعض الفقهاء ان الرضاء اوالاذن بالقتل لايبيح القتل۔ (۳)

حلال وحرام میں ہے:

وكل ماورد فی جرعة القتل یشتمل قتل الانسان نفسه كمایشمل قتله لغیره فمن قتل نفسه بای وسیلة من الوسائل فقد قتل نفساحرم الله قتلها بغیر حق ، وحیٰوة الانسان لیس ملكا له فهولم یخلق نفسه ولاعضوامن

(۱) المنثور فی القواعد للزركشی(۲۱۱/۳) والمعجم المفهرس للقواعد الفقهية (ص ۳٦٤) حرف الميم مع النون۔

(۲) الهداية(۲۱۲/۳) كتاب الدعوىٰ،باب اليمين

(۳) الفقه الاسلامی وادلته(۵٦۵۹/۷)

اعضائه اوخليه من خلاياه وانمانفسه وديعة عنده استودعه الله اياهافلا يجوز له التفريط فيهافكيف الاعتداء عليها؟ فكيف بالتخلص منها؟(١)

فقہ المشکلات میں ہے:

ويمكن ان تحدث هناك شبهة في بعض الاذهان ان الحديث يحرم الانتحار فى عامة الاحوال ولكن لواراد الانسان بذلك التخلص من معاناة حقيقة لفرط الالم و شدة الأذى ينبغي ان يكون ذلك مباحالمصلحة و لكن الحديث الآخرقدازال الشبهة...... دلت تلك التصريحات على ان القيام بمثل هذا التدبير لانقاذنفسه من فرط الالم والاذى الجسمانى ايضا محرم له۔(٢)

(۲،۳) دوسرااور تیسرا فریق اقرباء اور ڈاکٹرز ہیں:

ڈاکٹر یا اقرباء کا بطور ترحم از خود مریض کو مہلک ادویہ کے ذریعہ ہلاک کرنا بھی قتل ہی ہے، یعنی شفقت اور ترحم کی نیت سے بھی مریض کو ہلاک کرنا جائز نہیں ہے، یہ بھی قتل حرام ہے، شریعت مقدسہ میں محض چند صورتوں میں دوسرے کا قتل جائز قرار دیا گیا ہے، اور وہ اجازت بھی حاکم وقت کو ہے ہر شخص کو نہیں، قرآن وحدیث میں ان صورتوں کو الا بحق سے تعبیر کیا گیا ہے، وہ صورتیں یہ ہیں:

۱)......ایک شخص نے دوسرے کو عمداً قتل کیا ہے تو قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔

۲)......زانی محصن کو رجم کیا جاتا ہے۔

۳)......مرتد کو قتل کیا جاسکتا ہے۔

شریعت میں مذکورہ تین صورتوں کے علاوہ کسی مسلمان کو قتل کرنے کی کوئی صورت موجود نہیں ہے۔

قال الله تعالىٰ: ﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾(٣)

(١) الحلال والحرام فى الاسلام(ص٢٩٤)للقرضاوى

(٢) فقه المشكلات(ص١٧١)

(٣) بنى اسرائيل،١٧:٣٣

عن عبد الله بن مسعودؓ قال قال رسول الله ﷺ لایحل دم امرأی مسلم یشهد ان لا اله الاالله وانی رسول الله باحدی ثلاث النفس بالنفس والثیب الزانی والمارق لدینه التارك للجماعة(متفق علیه)(١)

عن ابی امامة بن سهل بن حنیف ان عثمان بن عفانؓ اشرف یوم الدارفقال انشدکم بالله اتعلمون ان رسول الله ﷺ قال لایحل دم امرأی مسلم الا باحدی ثلاث زنابعداحصان اوکفربعد اسلام اوقتل نفس بغیرحق فقتل به والله ما زینت فی جاهلیة ولافی اسلام ولاارتددت منذ بایعت رسول الله ﷺ ولاقتلت النفس التی حرم الله فبم تقتلوننی۔رواه الترمذی والنسائی وابن ماجة وللدارمی لفظ الحدیث۔(٢)

قرآن وسنت میں حرمت قتل کے بارے میں جتنے بھی نصوص وارد ہوئے ہیں وہ مطلق ہیں، یعنی نہ عام حالات میں کسی کا قتل جائز ہے اور نہ لاعلاج مریض اور تکلیف ومصیبت میں مبتلا شخص کو بطور ترحم قتل کرنا جائز ہے، قتل کی حرمت نہ کسی صورت میں ساقط ہوتی ہے اور نہ اس کی اجازت دی جاتی ہے کما ذکرنا، فقہاء کرام نے بھی تصریح فرمائی ہے کہ قریب المرگ شخص کا قتل بھی عام شخص کے قتل کی طرح ہے۔

تحفۃ المحتاج میں ہے:

فمن قتله(الجنین)وقدانفصل بلاجنایة قتل به کقتل مریض مشرف علی الموت۔(٣)

مغنی ابن قدامہ میں ہے:

لوحزه (ای الجنین) شخص وقد انفصل بلا جنایة وان لم تکن حیاته مستقرة وجب علیه القصاص کمالوقتل مریضامشرفاعلی الموت۔(٤)

---

(١) المشکوٰة(٢ /٢٩٩)کتاب القصاص الفصل الاول

(٢) المشکوٰة(٢ /٣٠١)کتاب القصاص الفصل الاول

(٣) تحفة المحتاج(٩/٤٠)لابن حجرالهیثمی۔

(٤) المغنی لالبن قدامه(٤/١٢٦)

☆ایسے مریض کو از خود قتل کرنا یا اس کے امر پر اسے جان سے مارنا تو ناجائز ہے ہی شرعاً مسئلہ یہ ہے کہ اگر ڈاکٹر اور رشتہ دار کو معلوم ہو گیا کہ مریض خودکشی کرنا چاہتا ہے تو اس کے سامنے یا اس کے دسترس میں مہلک ادویہ رکھنا بھی جائز نہیں ہوگا، اگر رکھ دیں اور وہ کھا کر ہلاک ہو گیا تو رکھنے والا بھی گناہ گار ہوگا۔

بدائع صنائع میں ہے:

وعلى هذا يخرج ما اذا قال الرجل لآخر اقتلنى فقتله انه لاقصاص عليه عند اصحابنا الثلاثه وعند زفر يجب القصاص...... ولوقال اقطع يدى فقطع لا شئى عليه بالاجماع...... كماقال له اتلف مالى الخ......(۱)

محیط میں ہے:

و اذا امر الرجل غيره ان يقتله فقتله بسيف فلا قصاص عندنا خلافا لزفر۔(۲)

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

اختلف الفقهاء فى عقوبة القاتل المأذون له بالقتل كمالوقال رجل لاخر اقتلنى فقتله قال الحنفية ماعدازفر القتل شبه عمد يوجب الدية۔(۳)

قصاص ودیت کا حکم

۱)......اگر مریض نے اقرباء یا ڈاکٹر کو اپنے قتل کا حکم دیا یا اجازت دی اور انہوں نے اسے ہلاک کر دیا تو شبہ کی بنیاد پر ان پر قصاص نہیں ہے، اور دیت کے وجوب میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ ان پر دیت واجب ہے۔

درمختار وشامی میں ہے:

فصل فيما يوجب القود ومالا يوجبه، يجب القود بقتل كل محقون الدم......

(۱) البدائع(۲۳٦/۷)

(۲) المحیط(۲۵/۲۰)

(۳) الفقه الاسلامى وادلته(۵٦،۵۹/۷)

بشرط کون القاتل مكلفا......وبشرط انتفاء الشبهة كولاداوملك او اعم كقوله:اقتلني فقتله۔

وفی الشامية:وسيأتی اخرالفصل انه تجب الدية في ماله في الصحيح۔(۱)

درمختار وشامی میں ہے:

ولوقال اقتلني فقتله بسيف فلا قصاص وتجب الدية في ماله في الصحيح لان الاباحة لاتجرى في النفس وسقط القصاص لشبهة الاذن......وقيل لاتجب الدية ايضاً وصححه ركن الاسلام كمافي العماديةواستظهره الطرطوسی ولكن رده ابن حبان۔(۲)

وفي الشامية:(قوله في الصحيح)وبه جزم في عمدة المفتي،بل في مختصر المحيط انه بالاتفاق كمافي شرح الوهبانية۔

عنایہ میں ہے:

فانه لوقال:اقتلني فقتله يؤخذبالقصاص في رواية وبالدية في الاخرى وكذا في نتائج الافكارلقاضي زاده۔(۳)

فقہ المشکلات میں ہے:

ويمكن ان تحدث هناك شبهة في بعض الاذهان ان الحديث يحرم الانتحارفي عامة الاحوال ولكن لواراد الانسان بذلك التخلص من معاناة حقيقة لفرط الالم و شدة الأذى ينبغي ان يكون ذلك مباحاًلمصلحة و لكن الحديث الآخرقدازال الشبهة...... دلت تلك التصريحات على ان القيام بمثل هذا التدبير لانقاذنفسه من فرط الالم والاذى الجسماني ايضامحرم له۔

---

(۱) الدرالمختار(۶/۵۳۲)

(۲) الدر(۶/۵۴۷)

(۳) العناية(۶/۱۷۱)

(۴) فقه المشكلات(ص۱۷۱)

(۲) اگر مریض کے حکم یا اجازت کے بغیر ڈاکٹر یا اقرباء نے مہلک ادویہ کھلا کر مریض کو ہلاک کر دیا تو ضابطہ کے مطابق ان پر قصاص لاگو ہوگا۔

درمختار وشامی میں ہے:

ولوقتله وهوفی حالة النزع قتل به الااذا كان يعلم انه لايعيش منه ، كذافی الخانية۔

وفی الشامية(قوله الااذ اكان يعلم الخ)تبع فيه المصنف فی المنح،وصوابه ان يقول: وان كان يعلم القاتل انه لايعيش به فانه الذی رأيته فی الخانيه والخلاصة والتتارخانية والبزازية۔(۱)

وراثت سے محرومی

شرعاً قتل کی پانچ اقسام ہیں: (۱) قتل عمد (۲) شبہ عمد (۳) قتل خطاء (۴) جاری مجری خطاء (۵) قتل بالتسبیب۔ شریعت کی رو سے قتل کی مذکورہ پہلی چار اقسام میں قاتل مقتول کی وراثت سے محروم ہوتا ہے، صرف قتل بالتسبیب میں محروم نہیں ہوتا، قتل ترحم قتل عمد میں شامل ہے اور کم از کم یہ بات طے ہے کہ قتل ترحم قتل بالتسبیب نہیں ہے۔ لہذا وارث نے اگر مورث کو بجذبہ رحم قتل کیا ہے تو اس کی وراثت سے محروم ہوگا خواہ ازخود قتل کیا ہو یا اس کی اجازت سے کسی نے قتل کیا ہو، اجازت سے قتل کرنے پر قصاص ساقط ہو جائے گا لیکن حرمان من الارث باقی رہتا ہے لعدم اعتبار الشبہۃ فیہ، اسی طرح مریض اگر ڈاکٹر کا مورث ہو تو مذکورہ تفصیل کے مطابق ڈاکٹر بھی وراثت سے محروم کہلائے گا۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں یہ شبہ بھی ہوسکتا ہے کہ قصاص صرف قتل عمد میں واجب ہوتا ہے اور قتل عمد میں یہ شرط

(۱) فی الدر(٦/٥٤٤) انظرفتاویٰ قاضی خان(٤/٣٨٩) كتاب الجنايات،باب القتل، وخلاصة الفتاوىٰ (٤/٢٤٤) كتاب الديات،الفصل الاول فی قتل العمد۔

ہے کہ قتل ایسے آلہ سے ہو جو محدد، مفرق الاجزاء ہو جبکہ یہاں مریض مہلک ادویہ سے قتل کیا جاتا ہے، آلہ سے قتل نہیں کیا جاتا۔

درمختار میں ہے:

"الأول عمد، و هو أن يتعمد ضربه بآلة تفرق الأجزاء، مثل سلاح و مثقل، و لو من حديد ومحدد من خشب وزجاج وحجر و ابرة فی مقتل و ليطة و نار......الخ"۔(۱)

جواب یہ ہے کہ قتل عمد کے تحقق کے لئے اصل شرط عمد یعنی قصد ہے جس کا تعلق دل سے ہے وهو مما لا يوقف عليه لہٰذا یہاں ظاہری آلہ کو قصد کے قائم مقام کر دیا گیا، یعنی جہاں آلہ محدد استعمال ہوا سے قتل عمد کہا جائے گا، پہلے زمانہ میں عمد کا یہی آلہ تھا اب مہلک ادویہ بھی اس کا آلہ ہیں لہذا اس میں بھی قتل عمد کا تحقق ہو سکے گا۔

فتاوی شامی میں ہے:

"إنما شرط فيها ذلك، لأن العمد هو القصد، ولا يوقف عليه إلا بدليله، و دليله استعمال القاتل آلة، فأقيم الدليل مقام المدلول، لأن الدلائل تقوم مقام مدلولاتها في المعارف الظنية الشرعية"۔(۲)

چنانچہ زہر کی وجہ سے قتل عمد کا تحقق ہو سکتا ہے۔

درمختار و شامی میں ہے:

"سقاه سما، حتى مات، إن دفعه إليه، حتى أكله، ولم يعلم به، فمات لا قصاص......الخ"۔

"وفی الشامية: "إن كان ما اوجر فی السم مقدارا يقتل مثله غالبا فهو عمد، و الا فهو خطاء العمد......الخ"۔(۳)

الفقہ الحنفی میں ہے:

---

(۱) الدر المختار (۵۲۷/٦)

(۲) الفتاوی الشامية (۵۷۷/٦)

(۳) الدر المختار مع الشامی (۵٤۲/٦)

" هو ان يتعمد ضربه بآلة تقتل عادة ، والعمد هوالقصد ، فالموجب للقود القصاص ، هو ازهاق الروح بالقصد، ولادخل فيه لخصوص الآلة ، الا ان القصد امر مبطن لايعلم الا من جهة الدليل ، فان كان الدليل هو اقرار القاتل بان اقر بانه قتل بالقصد ، فلا خلاف في ان هذا القتل موجب للقود باىّ آلة كانت...... وان لم يكن الدليل هوالاقرار، بان انكر قصد القتل فان كان الآلة ما يقصد به الا القتل عادة ، كالسلاح ومايجري مجراه كالنار فهو قتل عمداً موجب للقصاص بلا خلاف ايضاً۔(۱)

دوسری صورت کا حکم

(PASSIVE EUTHANASIA) جس میں کسی عملی تدبیر کے ذریعہ مریض کی جان نہیں لی جاتی بلکہ اس کو زندہ رکھنے کے لئے جو معالجہ جاری ہوتا ہے اسے چھوڑ دیا جاتا ہے، اس کی شرعی حیثیت کا تعین علاج کی شرعی حیثیت پر موقوف ہے اور علاج کی شرعی حیثیت کے بارے میں تفصیل پہلے مستقل مقالہ میں آچکی ہے کہ وجوب علاج کی تین اہم شرائط ہیں:

۱)......مرض قابل علاج ہو اور علاج کے نتیجہ میں شفایاب ہونے یا آرام وراحت پہنچنے کا غالب ظن ہو۔

۲)......مرض نا قابل برداشت ہو۔

۳)......علاج ومعالجہ کی استطاعت بھی موجود ہو۔

اگر کم ازکم تین ماہر ڈاکٹر کہہ چکے ہیں کہ یہ مریض لا علاج ہے اس کے شفایاب ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ علاج سے اس کی تکلیف میں کمی آرہی ہے یا نہیں اس کو راحت اور آرام مل سکتا ہے یا نہیں، اگر آرام ملنے کا غالب گمان ہو اور وجوب کی دوسری دونوں شرائط بھی موجود ہوں یعنی مرض نا قابل برداشت ہو اور علاج کی استطاعت بھی ہو تو اس صورت میں علاج جاری رکھنا واجب ہے، کیونکہ علاج کا مقصد ہمیشہ مریض کا مرض سے نجات حاصل

(۱) الفقه الحنفي في ثوبه الجديد(۳/۳۲۷)،عن اعلاء السنن(۱۸/۷۲)

کرنا اور شفایاب ہونا ہی نہیں بلکہ علاج کا ایک اہم مقصد وقتی آرام وسکون اور تکلیف میں کمی پیدا کرنا بھی ہے۔لہٰذا اگر کسی مایوس العلاج مریض کی موت واقع ہونا یقینی بھی ہو تب بھی چونکہ موت کے وقت کا تعین نہیں ہے اور وہ فی الحال نا قابل برداشت تکلیف میں مبتلا ہو تو اس کا علاج کرانا واجب ہی ہے، اور اگر سکون وراحت ملنے کا غالب گمان بھی نہ ہو تو علاج واجب نہ رہے گا،صرف مباح رہے گا، مسنون بھی نہ ہوگا کیونکہ علاج مسنون تب ہوتا ہے کہ ترک علاج کی صورت میں کمزوری اور نقاہت کا خطرہ ہو اور آئندہ زندگی میں مشکلات ہوں جبکہ یہاں اس کی موت واقع ہونا یقینی ہے لہذا یہاں ضعف کا طاری ہونا علاج کے مسنون ہونے میں مؤثر نہیں ہے،اور اگر علاج کو مزید جاری رکھنے سے اس مرض سے زیادہ سخت مرض لاحق ہونے یا تکلیف والم میں اضافہ کا اندیشہ ہو تو اس کا علاج کرانا مکروہ ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ عام مریض اور مایوس العلاج مریض کے علاج کی شرعی حیثیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔یعنی عام مریض کے حق میں علاج کی جو شرعی حیثیت ہے مایوس العلاج کے حق میں بھی وہی حیثیت ہے۔

جس صورت میں مایوس العلاج مریض کا علاج جاری رکھنا مباح ہے اباحت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس کا علاج ترک کرنا جائز ہے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب واقعۃً علاج کو محض مباح سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا ہو مریض کو ہلاک کرنا پیش نظر نہ ہو، اگر ترک علاج سے مقصود مریض کو موت کے گھاٹ اتارنا ہو تو یہ ناجائز اور حرام ہے،فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ قصد ونیت کے بدلنے سے مباح کی حیثیت بدل جاتی ہے،شرعی اصول ہے:

"اَلْاُمُوْرُ بِمَقَاصِدِهَا"۔

اگر مباح اچھی نیت سے کیا جائے تو ثواب ہے اور اگر بری نیت سے کیا جائے تو گناہ ہے مثلاً اچھی غذا کھانا مباح ہے اس میں اگر طاعات پر تقویت حاصل کرنے کی نیت ہو تو ثواب ہے اور اگر ڈاکہ زنی وغیرہ پر قدرت حاصل کرنے کی نیت ہو تو گناہ ہے، مذکورہ آخری صورت میں علاج واقعۃً محض مباح ہے لہٰذا اگر اسے صرف مباح سمجھ کر ترک کیا جائے تو گناہ نہ ہوگا لیکن اگر اس نیت سے ترک کیا جائے کہ مریض مرجائے تو یہ ناجائز اور حرام ہے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:

”لا ثواب الا بالنية،واما المباحات فانها تختلف صفتها باعتبار ماقصدت لاجله فاذا قصدبها التقوى على الطاعات اوالتوصل اليها كانت عبادة كالاكل والنوم واكتساب الما والوطئى“۔(۱)

شرح الحموی علی الاشباہ میں ہے:

القاعده الاولىٰ بحث التروك ان الكف فعل النفس فان الفعل كماينسب الى الجوارح ينسب الى النفس وحينئذ فالترك من حيث هوهولا يتصور يكون مثاباعليه فان قيل:لانسلم ان الكف فعل،بل هوترك وتركه غيره فالجواب انه فعل للنفس بدليل قوله تعالىٰ:ان قومى اتخذواهذاالقرآن مهجورًا۔وقوله عليه السلام فى حديث ابى حذيفة السوائى:اى الاعمال افضل فسكتوا فقال: حفظ اللسان۔ (۲)

فقہ المشکلات میں ہے:

فترك هذا المباح بقصد اهلاك الانسان نفسه اوغيره لا يكون مباحا بل محرما ومما لابد من الاعتناء به ان الامتناع عن التداوى فى هذه الصورة المخصوصة ليس تركا محضا بل هوكف يعنى عدم القيام بعمل ليس فى ذاته عمدا يحكم عليه بالجواز و عدمه ولكن كف نفسه عن عمل ليس عملا جسمانيا بل هو عمل نفسى يتعلق بارادة القلب ولذلك يترتب عليه الثواب والعقاب لان الانسان كما هو مكلف بعمل جسمانى كذلك مسئول عن عمل نفسى۔(۳)

لہٰذا مریض کو ختم کرنے کی نیت سے ترک علاج جائز نہیں ہے۔

---

(۱) الاشباہ والنظائر(۱/۸٦)مع الحموی،الفن الاول القاعده الاولىٰ،

(۲) شرح الحموی علی الاشباہ(۱/۱۰۰)

(۳) فقه المشكلات(ص۱۸٤)

مزید دلائل......پہلی دلیل

مذکورہ حکم ترحمانہ قتل اور موت کی نیت سے ترک علاج کا ہے جو کہ ایک عمل بالجوارح ہے، شریعت کی رو سے مایوس العلاج مریض کا موت کی تمنا کرنا بھی جائز نہیں ہے، شرعاً موت کی تمنا کی چند صورتیں ہیں:

۱)......اللہ تعالیٰ سے لقاء کے شوق میں موت کی تمنا کرنا، یہ جائز ہے۔

۲)......کفر اور فسق و فجور کا غلبہ ہے، سلب ایمان کا خطرہ ہے اس حالت میں خاتمہ بالخیر اور ایمان کی حالت میں موت کی تمنا کرنا جائز ہے۔

۳)......دنیاوی تکالیف، امراض و مصائب سے نجات حاصل کرنے کی نیت سے موت کی تمنا کرنا، یہ جائز نہیں ہے، متعدد احادیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

مشکوۃ میں ہے:

"عن انس ؓ قال قال رسول الله ﷺ لا يتمنين احدكم الموت من ضر اصابه فان كان لابد فاعلا فليقل اللهم احيني ماكانت الحيوٰة خيرا لى وتوفنى اذا كانت الوفاة خيرالى"۔متفق عليه(۱)

حضرت انس ؓ سے روایت ہے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایک اس کو پہنچنے والی تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے اگر ضرور اس نے تمنا کرنی ہے تو یہ کہے کہ اے اللہ جب تک زندہ رہنا میرے حق میں بہتر ہے تو مجھے زندہ رکھ اور جب موت میرے لئے بہتر ہو تو مجھے موت دے دے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

"لان الحيوٰة حكم الله تعالىٰ عليه، وطلب زوال الحيوٰة عدم الرضا بالحكم"۔ (۲)

---

(۱) المشكوٰة(۱/۱۳۹)باب تمنى الموت۔

(۲) المرقاة(۸/۱۰۲)

یعنی زندہ رکھنا اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور زندگی ختم کرنے کا مطالبہ اللہ کے فیصلہ پر راضی نہ ہونے کی دلیل ہے۔

دلیل ثانی

یوتھنز یا کی دونوں اقسام کے عدم جواز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بعض اوقات مسلمان سخت گناہ گار اور مجرم ہوتا ہے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی اسے خطرناک مرض اور مصیبت میں بتلا کر کے سزا دینا چاہتے ہوں یا اس طریقہ سے اس کے گناہ معاف کرنا چاہتے ہوں لہذا یہ مرض مکافاتِ عمل ہوسکتا ہے، اس طرح مریض کو جلد از جلد موت کے گھاٹ اتارنا اللہ تعالیٰ کے جزاء وسزاء کو رد کرنے کے مترادف ہے۔

مشکوۃ میں ہے:

عن ابی موسیٰ الاشعریؓ ان رسول الله ﷺ قال: لایصیب عبدانکبة فمافوقهااودونهاالابذنب ومایعفوالله تعالیٰ عنه اکثر وقرأ وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفواعن کثیر۔رواه الترمذی۔(۱)

ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندے کو جو بھی چھوٹی بڑی مصیبت پہنچتی ہے وہ اس کے گناہ کی وجہ سے پہنچتی ہے اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف کردیتے ہیں۔

مشکوۃ میں ہے:

عن انسؓ قال قال رسول الله ﷺ اذاارادالله تعالیٰ بعبده الخیر عجل له العقوبة فی الدنیاواذاارادالله تعالیٰ بعبده الشرامسك عنه بذنبه حتی یوافیه به یوم القیمة ۔رواه الترمذی(۲)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے

(۱) المشکوٰۃ(۱/۱۳۶)باب عیادۃالمریض،

(۲) المشکوٰۃ(۱/۱۳۶)باب عیادۃالمریض،

ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کو دنیا میں جلد عقوبت میں مبتلا کر دیتے ہیں اور اگر اس کے ساتھ بھلائی نہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے گناہوں کے باجود مرض سے محفوظ رکھتے ہیں، یہاں تک کہ قیامت کے دن اس کو اس کا پورا بدلہ دیتے ہیں۔

دلیل ثالث

یوتھنیز یا کی دونوں اقسام کے عدم جواز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ ڈاکٹر اور طبیب، طب اور میڈیکل کے بنیادی اغراض ومقاصد کے بھی خلاف ہے، ان کا مقصد مریض کا علاج کرانا اور اسباب کے دائرہ میں اسے صحتمند بنانا ہے، نہ کہ مہلک ادویات کے ذریعہ جان سے مارنا ہے، نیز اگر اقرباء یہ قدم اٹھاتے ہیں تو یہ عیادت اور مریض کے دوسرے انسانی وشرعی حقوق میں سخت کوتاہی ہے، ایسی حالت میں شریعت نے اقرباء کو اپنی شرعی ذمہ داریاں پوری کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ اس کے برخلاف مریض کو قتل کرنے کا۔

التشریع الجنائی میں ہے:

والمفروض في الطبيب انه يؤدى عمله بقصد نفع المريض ويحسن نية فاذا قتل المريض اوكان مسيئى النية فى عمله فهومسئول عن فعله جنائيا و مدنيا۔ (۱)

فقہ المشکلات میں ہے:

من المعلوم ان وظيفة الطبيب هو السعى لازالة الامراض واعادة المرضى الى صحتهم بالمعالجة فاذارجع اليه رجل مصاب بمرض عضال لمعالجة مرضه الحديث الذى يمكن معالجة اصبح عليه لزامًاان يقوم بمعالجته وامتناعه عن المعالجة بقصدان يموت سريعًاحتى يتخلص من الالم جريمة وفرارعن وظيفته بالنسبة للمرض الحديث وارتكاب عمل سلبى يجرالى الموت بالنسبة للمرض العضال السابق،هوفى حكم قتل

(۱) التشريع الجنائى فى الاسلام مقارنا بالقانون الوضعى(۱/۵۲۲)

المريض...... فالاسلام لايسمح بترك مثل ذلك العلاج -(۱)

دلیل رابع

شریعت میں سد الذرائع کا ایک مستقل اصول موجود ہے، یعنی بعض اوقات ایک عمل کی گنجائش ہوتی ہے، لیکن اس سے دوسرا محظورِ شرعی لازم آسکتا ہے، اس بناء پر گنجائش والے عمل کو بھی ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے، اگر قتل ترحم کو جائز قرار دے دیا جائے، تو خطرہ ہے کہ ورثہ وراثت کی لالچ میں آکر اپنے مورث کو قتل کرنا شروع کردیں گے، لہٰذا اس وجہ سے بھی اس کی اجازت نہیں۔

اسلامی ملک میں قتل ترحم کے قانون کا عدم جواز

اہل مغرب کے ہاں قتل رحم (MERCY KILLING) نہ صرف جائز بلکہ مستحسن عمل ہے اس لئے وہاں کے بہت سے ممالک میں اس کو قانونی جواز کے دائرہ میں لانے کی تحریکیں بھی زور پکڑتی جارہی ہیں اور بعض ممالک میں اس کو قانوناً جائز قرار دیا جاچکا ہے مثلاً نیدر لینڈ، امریکی ریاست اورے گون (OREGONE) اور شمالی آسٹریلیا وغیرہ میں قانونی سطح پر اس کی منظوری دی جاچکی ہے البتہ مغرب سمیت دنیا کے اکثر ممالک میں اب تک اسے ممنوع ہی قرار دیا جاتا ہے، اسلامی نکتہ نظر سے چونکہ یہ بھی قتل حرام میں داخل ہے لہذا کسی بھی اسلامی ملک میں اس کے جواز کا قانون بنانا جائز نہیں ہے، ایسا قانون شرعی لحاظ سے کالعدم تصور ہوگا۔

شرح الحموی علی الاشباہ میں ہے:

تصرف الامام على الرعية منوط بالمصلحة......اذاكان فعل الامام مبنيا على المصلحة فيمايتعلق بالامور العامةلم ينفذامره شرعاالااذاوافقه فان خالفه لم ينفذ...... وبهذاعلم ان امر القاضى لاينفذالااذاوافق

(۱) فقه المشكلات(ص١٦٩)

الشرع...... فعلم ان فعله مقيد بالمصلحة الخ(١)

الوجیز میں ہے:

ويمكن انعقاد الاجماع اليوم في طريق المؤتمرات والندوات التي تدعو اليها الحكومات اوالمجامع الفقهية على ان يتم الاختيار على وفق الضوابط الشرعية في اختيار اهل الحل والعقد واهل الاجتهاد من المرقومين المشهورين في كل بلد اسلامي دون مجاملة و محاباة۔(٢)

(١) الاشباه والنظائر لابن نجيم(١/٣٢٨) مع الحموى، النوع الثانى القاعده الخامسة ، و كذا فى شرح المجلة(١/١٤١)للاتاسى،المادة ٥٨

(٢) الوجيز فى اصول الفقه(ص٥٤)للزهيلى،

(۱۷)

دماغی موت (Brain death)
اور متعلقہ مسائل کی تحقیق

دماغی موت کی مختصر تاریخ وابتداء

انسان روح اور جسم کا مرکب ہے اور روح اور جسم کا تعلق ابتداء سے رہا ہے اور اسی کو حیوۃ اور زندگی کہا جاتا تھا اور اب تک یہی سمجھا جاتا تھا کہ روح کا جسم سے الگ ہونا ہی موت ہے لیکن اس دور میں دنیائے سائنس نے جتنی ترقی کی ہے اتنے ہی اس نے سوالات بھی جنم دیئے ہیں جن کا تعلق اسلامی اصول واحکام سے بھی جڑتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے ۱۹۵۲ میں امریکی ریاست کنٹا کی کی ایک عدالت نے دماغی موت کو اصل موت قرار دیا اور ایسے شخص کے بارے میں دعوی سماعت کے لئے منظور کیا جس کی دماغی موت واقع ہو چکی تھی لیکن ابھی تک اس کے دل کی دھڑکن جاری تھی اور ناک سے خون نکل رہا تھا پھر ۱۹۵۹ میں فرانس کے دو ڈاکٹروں مولاریہ اور گولوں کی سربراہی میں میڈیکل کالج کی ایک ٹیم تیار کی گئی اور اس نے اس بارے میں مکمل تحقیق کی اور وہ بھی اس نتیجہ پر پہنچے کہ دماغی موت ہی اصل موت ہے، اس کے بعد ۱۹۶۸ میں امریکہ کی ہارڈ یونیورسٹی نے اس ضمن میں ڈاکٹروں پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی اور اس نے بھی کافی جستجو اور تحقیق کے بعد دماغی موت ہی کو اصل موت قرار دیا، پھر ۱۹۷۰ میں مینوٹا یونیورسٹی کے زیر اہتمام اس پر غور وخوض ہوا، ۱۹۷۶ میں برطانیہ میں مختلف میڈیکل کالجز کی سربراہی میں تحقیق ہوئی اور ۱۹۸۱ میں امریکی صدر رونالڈ ریگن نے سائنس دانوں، میڈیکل

سپیشلسٹ ڈاکٹروں قانون دانوں اور مذہبی پیشواؤں کو شامل کر کے اس بارے میں تحقیق وریسرچ کے لئے کمیٹی تشکیل دی، ان سب نے دماغی موت کو اصل موت قرار دیا۔ جب یہ تحقیق سامنے آئی تو اس بارے میں عالمِ اسلام میں بھی غور وخوض ہوا۔ سعودی عرب، اردن اور کویت میں ۱۹۸۵ء میں ایک کانفرس منعقد ہوئی ۱۴۰۸ھ میں اس بارے میں مجمع الفقه الاسلامی مکہ مکرمہ کا اجلاس ہوا، اسی طرح ۲۰۰۷ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے زیراہتمام مہذب پور اعظم گڑھ میں فقہی سیمینار ہوا اور اس بارے میں اب تک انفرادی طور پر علماء کرام نے اس بارے میں جو کام کیا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔

ازسرِنو غور وخوض کی ضرورت کیوں؟

دماغی موت کی ابتداء سے لیکر اب تک تقریباً سب ڈاکٹروں اور طب ومیڈیکل سے تعلق رکھنے والوں کا اتفاق ہے کہ اصل موت دماغی موت ہی ہے لیکن علماء کرام اور مسلم سکالرز نے اس نظریہ کو بلاچوں وچراں قبول نہیں کیا۔ قرآن وسنت اور فقہی تحقیقات کی روشنی میں اس بارے میں غور وخوض کرنا شروع کیا، وجہ اس کی یہ ہے کہ ڈاکٹروں اور اطباء کی اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں، ضروری نہیں ہے کہ ان کی اصطلاح بعینہ شرعی اصطلاح کے موافق ہو مثلاً قرآن کریم، احادیث وفقہی نصوص کی رو سے یہ طے ہے کہ بچے میں چار ماہ کے بعد جان پڑتی ہے لیکن اطباء کہتے ہیں کہ چار ماہ سے قبل بھی پڑتی ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ دوسری حیات ہے، حیات کے مختلف درجات ہیں اس حیٰوۃ کا شرعی حیٰوۃ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

موت کی تعیین کیوں ضروری ہے؟

موت کی حقیقت کیا ہے اور اس کا تعین کرنا شرعاً اس لئے ضروری ہے کہ بہت سے احکام شرعیہ موت سے وابستہ ہیں مثلاً:

۱)..... میت کی تجہیز وتکفین۔

۲)..... موت واقع ہوجانے کے بعد تدفین۔

۳)......تدفین میں جلدی کرنا، بلا عذر تاخیر نہ کرنا۔

۴)......میت کی نماز جنازہ پڑھنا۔

۵)......حلول الدین یعنی اگر میت کے ذمہ دین مؤجل ہو تو اس کی تاجیل ختم ہو جاتی ہے اور تقسیم وراثت سے قبل اس کا دین وقرض ادا کیا جاتا ہے۔

۶)......مرحوم کے مال میں وراثت جاری کرنا اور شرعی حصص کے مطابق تقسیم کرنا۔

۷)......مرحوم کی وصایا کی تنفیذ۔

۸)......زوجہ کا عدت بیٹھنا۔

۹)......بعض اوقات کوئی شخص اپنی زندگی میں کسی فعل کو اپنی موت پر معلق یا اس کے ساتھ مشروط کر دیتا ہے جیسا کہ کتاب الایمان میں اس کے نظائر موجود ہیں، اس کے لئے موت کی تعیین ضروری ہے۔

۱۰)......وقف کی بعض صورتوں کا حکم وصیت والا ہوتا ہے اور وصیت موت کے بعد نافذ العمل ہوتی ہے۔

۱۱)......مولیٰ کی موت پر مدبر اور ام ولد کا آزاد ہو جانا۔

۱۲)......موت تک رشتہ داروں کا فرض بنتا ہے کہ مریض کی نگہداشت کریں۔

۱۳)......بعض صورتوں میں ڈاکٹر پر مریض کا علاج واجب ہوتا ہے اور اسباب کے درجہ میں مریض کی جان بچانے کی سعی ضروری ہو جاتی ہے، اس وجوب کا سقوط موت پر موقوف ہے۔

۱۴)......کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ موت واقع ہو جانے کے بعد ڈاکٹر بل بڑھانے کے لئے اس کا علاج جاری رکھے، یہ غلط حرکت ہے، ایسا خرچہ ورثہ کے ذمہ نہیں ہے، اس بارے میں بھی موت کا معیار جاننا ضروری ہے۔

۱۵)......بعض اوقات بعض ورثہ نابالغ ہوتے ہیں، اگر مریض کی موت واقع ہو چکی ہے تو ترکہ ورثہ کی طرف منتقل ہو جائے گا اور مزید علاج اور خرچہ کرنے میں نابالغ ورثہ کا مال لگانے کی شرعاً اجازت نہ ہوگی۔

۱۶)......ایک طبی ضرورت بھی تعیین موت پر موقوف ہے اور وہ ہے آرگن ٹرانسپلانٹیشن یعنی

اعضاء انسانی کی منتقلی، ایک قول کے مطابق بوقتِ ضرورت انسانی اعضاء کی پیوندکاری کی گنجائش ہے۔ (فتاوی دارالعلوم کراچی)

اس جیسے اور بھی کئی مسائل ہیں جن کا تعلق موتِ مریض سے ہے اس بناء پر موت کی تعیین ضروری ہے۔

دماغی موت سے متعلق دو اہم مسائل

دماغی موت سے متعلق دو اہم مسائل ہیں:

(۱)......اصل موت کیا ہے؟

اس بارے میں چند سوالات ہیں:

۱)......شرعاً اصل موت کیا ہے؟ دماغی موت اصل ہے یا حرکتِ قلب وغیرہ کا بند ہو جانا؟

۲)......اگر حرکتِ قلب بند ہو لیکن دماغ کام کر رہا ہو تو کیا حکم ہے۔

۳)......دماغ نے کام چھوڑ دیا ہو لیکن حرکتِ قلب جاری ہو تو کیا حکم ہے۔

۴)......موت سے متعلق احکامِ شرعیہ کس موت سے لاگو ہوں گے؟

۵)......اطباء کا اتفاق ہے کہ دماغی موت ہی اصل موت ہے ان کی بات شرعی لحاظ سے کس حد تک درست ہے؟

(۲)......آلاتِ تنفس ہٹانے کا حکم

اس بارے میں چند مسائل ہیں:

۱)......دماغی موت واقع ہونے کے بعد مصنوعی آلاتِ تنفس (Ventilator) ہٹانا جائز ہے یا نہیں۔

۲)......اگر کوئی لگائے رکھنا چاہے تو کیا حکم ہے؟ آیا اسراف ہے یا نہیں؟

موت کی شرعی علامات

موت کی پہچان اور حقیقت ہمیشہ معرکۃ الآراء مسئلہ رہا ہے، اس کا تعلق روح سے ہے اور خود

روح ایک معمہ ہے قرآن کریم میں ہے:

﴿یَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ﴾(۱)

یعنی روح کی حقیقت معلوم کرنا انسان کے بس میں نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا ایک امر ہے۔ اس لئے واقعات موجود ہیں کہ کسی کو مردہ سمجھ کر تکفین وتدفین کا انتظام کیا گیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہے۔

علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں:

(قوله ویسرع فی جهازه)لمارواه ابوداؤد والصارف عن وجوب التعجیل الاحتیاط للروح الشریفة فانه یحتمل الاغماء، وقد قال الاطباء: ان کثیرین ممن یموتون بالسکتة ظاهرا یدفنون احیاء لانه یعسر ادراك الموت الحقیقی بها الا علی افاضل الاطباء فیتعین التاخیر فیها الی ظهور الیقین بنحو التفسیرامداد، وفی الجوهرة وان مات فجأة ترك حتیٰ یتیقن بموته۔(۲)

اس بنا پر فقہاء کرام رحمہم اللہ نے اپنے تجربات ومشاہدات کی بنیاد پر موت کی کچھ علامات اور نشانیاں لکھی ہیں جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

(۱) حرکت قلب بند ہو جانا (۲) سانس رک جانا (۳) جسم کا ڈھیلا پڑ جانا (۴) آنکھ پتھرا جانا (۵) ناک ٹیڑھی ہو جانا (۶) جسم میں کسی قسم کی حرکت وحس نہ ہونا (۷) آنکھ چھونے پر پلک بند نہ ہونا (۸) کنپٹی کا اندر دھنس جانا (۹) منہ پھیل جانا (۱۰) بدن کا ٹھنڈا ہو جانا (۱۱) پاؤں کے پھیل جانے کے بعد مڑنے کے قابل نہ رہنا (۱۲) خصیوں کا سکڑ جانا اگر چہ اس کے اوپر کی کھال لٹکی ہوئی ہو۔(۳)

---

(۱) سورة الاسراء (۸۵:۱۷)

(۲) الفتاوی الشامیة(۱۹۲/۲)کتاب الجنائز قبل مطلب فی القرائة علی المیت وکذا فی المراقی (ص۲۰۱)

(۳) فتح القدیر(۶۸/۲)عالمگیریه(۱۵۷/۱)المغنی لابن قدامه (۳۰۸/۲)المجموع شرح المهذب(۱۲۰/۵)والفتاوی الشامیة(۱۸۹/۲)اول باب صلوة الجنازة۔

جوابات

(۱،۲،۳،۴) ہماری معلومات کے مطابق اب تک اس بارے میں جن علماء کرام وفقہاء عظام نے کلام کیا ہے ان کا اس بارے میں شدید اختلاف رہا ہے بعض نے دماغی موت کو اصل قرار دیا ہے، بعض نے اس کی تردید کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اصل موت یہ ہے کہ دماغی موت کے ساتھ جسم کے تمام مرکزی اعضاء کی حرکت وحس بھی ختم ہو جائے۔

صحیح یہی ہے کہ محض دماغی موت اصل نہیں ہے بلکہ اصل موت یہ ہے کہ دماغی موت کے ساتھ پورے جسم سے جان نکل جائے لہٰذا اگر حرکتِ قلب بند ہو لیکن دماغ کام کر رہا ہو یا دماغ کی موت واقع ہو چکی ہو لیکن حرکتِ قلب جاری ہو اگرچہ مصنوعی آلات کے ذریعہ جاری ہو تو یہ حقیقی موت نہیں ہے۔ جب وہ آلات ہٹائے جائیں اور حرکتِ قلب بند ہو تو حقیقی موت شمار ہو گی اور اسی وقت سے موت کے مذکورہ تمام شرعی احکام لاگو ہوں گے۔ فقہاء کرام مفسرین اور شارحین حدیث نے موت کی تعریف مفارقۃ الروح عن الجسد سے کی ہے اور ظاہر ہے کہ جسد دماغ سمیت پورے بدن کا نام ہے لہٰذا بدن کے کسی بھی حصہ میں روح موجود ہو تو موت کا تحقق نہ ہوگا۔

حجۃ اللہ البالغہ میں ہے:

واعلم ان الروح اول مایدرك من حقيقتهاانهامبدأ الحيوٰة فى الحيوان وانه يكون حيابنفح الروح فيه ويكون ميتا بمفارقتهامنه۔ (۱)

مزید فرماتے ہیں:

وقد تحقق عندنا بالوجدان الصحيح ان الموت انفكاك النسمة عن البدن لفقد استعداد البدن لتوليدها لاانفكاك الروح القدس عن النسمة۔ (۲)

موت کی حقیقت روح کا جسم عنصری سے نکل جانا ہے اور روح خود ایک جسم لطیف ہے جو

---

(۱) حجة الله البالغة(۱/۱۸)باب حقيقة الروح،

(۲) حجة الله البالغة(۱/۱۹)باب حقيقة الروح،

نورانی ذی حیات اور متحرک ہے جو جسم میں اس طرح سرایت کئے رہتی ہے جیسے گلاب میں عرقِ گلاب۔(۱)

موسوعہ فقہیہ میں ہے:

والموت فی الاصطلاح هومفارقة الروح للجسد۔قال الغزالی ومعنی المفارقة للجسد انقطاع تصرفها عن الجسد بخروج الجسد عن طاعتها۔(۲)

معجم ابن فارس میں ہے:

اصل صحیح یدل علی ذهاب القوة من الشیء ومنه الموت ضد الحیوٰة(۳)

شرح المہذب میں ہے:

الموت مفارقة الروح للجسد۔(٤)

موسوعہ فقہیہ میں ہے:

الحیوة فی اللغة نقیض الموت وهی فی الانسان عبارة عن قوة مزاجیة تقتضی الحس والحرکة وهی الموجبة لتحریك من قامت به و مفهومها عند الفقهاء اثر مفارقة النفوس للابد۔ (٥)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

قال العلماء:الموت لیس محض ولا فناء صرف وانماهوانقطاع تعلق الروح بالبدن ومفارقته وحیوته بینهماوتبدل حال وانتقال من دارالی داروالحیوة عکس ذلك۔(٦)

---

(۱) تفسیر انوار القرآن (۲۹۳/٦)مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

(۲) الموسوعة الفقهية الكويتية(۲٤٨/۲۹)

(۳) معجم مقاییس اللغةلابن فارس(۲۸۳/٥)المیم والواووالتاء

(٤) المجموع شرح المهذب(۹۲/۱٥)

(٥) الموسوعة الفقهية(۲٤٨/۳۹)

(٦) تفسیرالقرطبی(۲۰٦/۱۸)تفسیر سورة الملك

فتاوی حدیثیہ میں ہے:

مطلب: هل الموت وجودی ام عدمی ان الموت مفارقة الروح الجسد واختلفواهل هی صفة وجودية اومعقول عدمی ......الخ (١)

معجم لغة الفقہاء میں ہے:

الموت: (Death) بفتح الميم مصدرمات يموت ،انسحاب الروح من البدن عند مايصبح البدن غيراهل لبقاء الروح فيه۔ (٢)

فقہ النوازل میں ہے:

وقدذكرالدكتوربكرابوزيد فی حقيقة الموت عند الفقهاء انهاتتلخص فی امرين: مفارقة الروح البدن ۔ وان حقيقة المفارقة: خلاص الاعضاء كلها عن الروح بحيث لا يبقى جهاز من اجهزة البدن فيه صفة حياتية۔(٣)

تعریفاتِ جرجانی میں ہے:

الموت،صفة وجودية خلقت ضد اللحيوٰة وقيل ان الموت صفة وجودية مضادة للحيوٰة۔(٤)

تفسیر الخازن میں ہے:

الذی خلق الموت والحيوٰة الخ قيل الموت عبارة عن زوال القوة الحيوانية وابانة الروح عن الجسد وضده الحيوٰة وهی القوة الحسّاسة مع وجود الروح فی الجسد وبه سمی الحيوان حيوانا۔ (٥)

تفسیر الکشاف میں ہے:

والحيوٰة،مايصح بوجود الاحساس وقيل ما يوجب كون الشئی حياوهو الذی يصح منه ان يعلم ويقدروالموت عدم ذلك فيه۔ (٦)

---

(١) الفتاوی الحديثية(ص١٦٠) (٢) معجم لغة الفقهاء(ص٤٦٨)

(٣) فقه النوازل (ص٢٢٥) (٤) التعريفات للجرجانی(ص١٦٤)

(٥) تفسيرالخازن(٣١٨/٤)تفسير سورة الملك،

(٦) فی الكشاف(٥٧٩/٤)سورة الملك

تفسیر کبیر میں ہے:

قالوا:الحیوٰۃ ھی الصفۃ التی یکون الموصوف بھا بحیث یصح ان یعلم ویقدرواختلفوافی الموت فقال قوم:انہ عبارۃ عن عدم ھذہ الصفۃ وقال اصحابنا: انہ صفۃ وجودیۃ مضادۃ للحیوٰۃ۔ (۱)

(۵) اس کی وجہ ابتداء میں آچکی ہے کہ شریعت کی اصطلاح اور ڈاکٹروں کی اصطلاح میں فرق ہوسکتا ہے لانہ لامشاحۃ فی الاصطلاح محض دماغی موت کو اصل موت کہنا طب جدید کی اپنی اصطلاح ہے، شریعت اسے اصل موت نہیں کہتی، شریعت کی رو سے مفارقۃ الروح عن الجسد اصل موت ہے۔

(۲) آلات تنفس (Ventilator) ہٹانے کا حکم

۱)...... دماغی موت واقع ہو جانے کے بعد مصنوعی آلات تنفس (Ventilator) ہٹانا بلاشبہ جائز ہے بلکہ ہٹالینا چاہئے، اس کی وجوہ درجہ ذیل ہیں۔

۱)...... آلات تنفس کا علاج انتہائی مہنگا ہوتا ہے اور دماغی موت واقع ہو جانے کے بعد آلاتِ تنفس جاری رکھنے کو شرعاً علاج نہیں کہا جاسکتا، شرعاً علاج کے تین اہم مقاصد ہیں:

(۱) مرض سے شفایاب ہونا (۲) مرض کا رک جانا (۳) وقتی آرام وسکون مل جانا

جبکہ دماغی موت واقع ہو جانے کے بعد اصل موت کا وقوع یقینی ہوتا ہے اگر آلاتِ تنفس موجود نہ ہوں تو دماغی موت اور اصل موت کا فاصلہ چند لحظوں کا ہوتا ہے اور آلات کی وجہ سے جو تنفس جاری رہتا ہے اس کے نتیجہ میں مصنوعی حیوٰۃ پیدا ہوتی ہے فطری حیوٰۃ ختم ہوچکی ہوتی ہے۔ چونکہ یہ شرعاً علاج نہیں ہے اور خرچہ بہت زیادہ ہے لہذا آلاتِ تنفس کو ہٹالینا چاہئے۔

۳)...... آلاتِ تنفس (Ventilator) کی تعداد انتہائی کم ہوتی ہے، بڑے سے بڑے ہسپتالوں میں بھی چند آلات ہوتے ہیں جبکہ مریضوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، ایسی صورتیں بکثرت پیش آتی ہیں کہ نئے آنے والے ایسے مریض کو وینٹی لیٹر کی اور اپنی میشن روم

---

(۱) تفسیر کبیر (۱۰/۷۷۹)

(ANIMATION ROOM) میں رکھنے کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے جس کی دماغی موت واقع نہیں ہوئی ہوتی لہٰذا ایسی صورت میں وینٹی لیٹر ہٹا کر ضرورت مند مریض کو لگا دینا چاہئے۔

مثلاً (GIB.SYNDROME) کے مریض کی (Brain Death) نہیں ہوئی ہوتی اور (Ventilator) لگانے سے اس کی زندگی بچ سکتی ہے۔

اس قسم کی باتیں بظاہر محض محتمل اور فرضی لگتی ہیں لیکن جب اس کا وقوع ہوتا ہے تو یقین آ جاتا ہے، چند روز قبل قومی اسمبلی کے ایک ممبر فیض محمد خان کا اسی وجہ سے انتقال ہوا کہ انہیں پمز لایا گیا لیکن جلد وینٹی لیٹر نہ لگایا گیا جس کی وجہ سے وہ جان کی بازی ہار گئے وہ چونکہ ایم این اے تھے اس لئے واقعہ مشہور ہوا اور ہسپتال کے بعض عملہ کو بھی معطل کر دیا گیا عام لوگوں کے ساتھ نہ جانے کتنے واقعات پیش آسکتے ہیں۔

۴)...... دماغی موت واقع ہو جانے کے باوجود آلاتِ تنفس لگائے رکھنا علاج اور راحت کی بجائے مریض کے لئے تکلیف والم کا ذریعہ ہے۔

۵)...... اگر کسی عارضی مصلحت ووقتی ضرورت کے لئے تھوڑی دیر کیلئے وینٹی لیٹر استعمال کیا جائے تو گنجائش ہے مثلاً (۱) مریض کا کوئی قریبی عزیز کسی دور جگہ سے آرہا ہے، اس کے انتظار میں رکھا جائے (۲) مریض توبہ واستغفار کی پوزیشن میں ہو وغیرہ لیکن مدتِ طویلہ تک آلاتِ تنفس لگائے رکھنا جائز نہیں ہیں، اس کی تین وجوہ پہلے سوال کے جواب میں آچکی ہیں چوتھی وجہ یہ ہے کہ مدتِ طویلہ تک مصنوعی طریقہ سے روح کو روکے رکھنا اللہ تعالیٰ کے مقابلہ کے مترادف ہے، لہٰذا یہ صحیح نہیں ہے۔

واضح رہے کہ مذکورہ حکم تب ہے جبکہ واقعی دماغی موت واقع ہو چکی ہو اور اس کی زندگی سے مایوسی ہو چکی ہو اور کم از کم دو یا تین ڈاکٹر اس کی تصدیق کر دیں۔ لیکن اگر دماغی موت کا وقوع یقینی نہ ہو، فطری تنفس کے بحال ہونے کا امکان موجود ہو تو مریض سے وینٹی لیٹر ہٹانا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ علاج ہی کے زمرے میں داخل ہے اور سابقہ تفصیل کے مطابق آلات کا لگائے رکھنا واجب یا سنت ومباح ہوگا۔

(۱۸)

کلوننگ (Cloning) کی شرعی حیثیت

جدید میڈیکل سائنس نے اس زمانے میں جو بے پناہ ترقی کی ہے اس فہرست میں کلوننگ بھی شامل ہے، کلوننگ کے سلسلہ میں چند فقہی مسائل قابلِ تحقیق ہیں۔ اس سے پہلے کلوننگ کی حقیقت، مختصر تعارف اور اس سے متعلقہ چند امور کا جاننا ضروری ہے۔

مختصر تعارف

خلیہ (Cell) کیا ہے؟

جس طرح ایک عمارت ہزاروں اور لاکھوں اینٹوں، پتھروں اور دوسرے اجزاء سے مل کر بنتی ہے اور عمارت کی ہر ایک اینٹ ایک اکائی (Unit) کہلاتی ہے، اسی طرح ہر جاندار کا جسم بھی اربوں کھربوں یونٹس (Units) سے مل کر بنتا ہے اور ہر یونٹ کو خلیہ (Cell) کہا جاتا ہے۔ ہر خلیہ جسم کی بنیادی اکائی (Unit) ہوتا ہے۔ خلیہ کا کام جسم کے تمام افعال کو کنٹرول کرنا ہوتا ہے اور ہر خلیہ کا رنگ اور مخصوص عمل اور فعل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عجیب صفت اور غریب قدرت دیکھئے کہ جسم کے یہ خلیے جسم میں مسلسل ٹوٹتے رہتے ہیں اور ہر خلیہ کا جزو مکمل خلیہ بنتا جاتا ہے، ایک نارمل (Normal) انسان میں تقریباً دس کھرب کے لگ بھگ خلیے ہوتے ہیں، ہر خلیہ مختلف اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے جیسے پروٹوپلازم، مائٹوکانڈریا، گولجی باڈیز وغیرہ، یہ خلیے آپس میں مل کر بافتیں (Tissues) بناتے ہیں اور بافتیں مل کر عضو (Organ) بنتا ہے اور اعضاء (Organs) آپس میں مل کر کسی بھی انسانی نظام (System) انہضام، تنفس وغیرہ کو تشکیل دیتے ہیں اور انہی پر انسانی زندگی کا دارومدار ہوتا ہے۔

مرکزہ اور کروموسومز

ہر خلیہ کے اندر ایک چھوٹی سی چوکور یا گول گیند ہوتی ہے اسے مرکزہ (Nucleus) کہتے ہیں۔ خلیہ کا تمام تر دارومدار مرکزہ پر ہی ہوتا ہے اور یہی مرکزہ پورے خلیہ کے کیمیائی عمل کو کنٹرول کرتا ہے۔ اگر اسے نکال دیا جائے تو باقی خلیہ ضائع ہو جاتا ہے۔

ہر مرکزہ میں ایک سیال شفاف مادہ ہوتا ہے جسے نیوکلیئر پلازم یا مرکزی ملفوف کہتے ہیں۔ اس ملفوف میں دھاگا نما ساختیں ہوتی ہیں جنہیں کروموسومز (Chromosomes) کہا جاتا ہے۔ کروموسومز جینیاتی مادےD . N . A اور مخصوص اسی لحمیات Basic Proteins کے اکٹھے ہونے سے بنتے ہیں۔

حیوانات اور نباتات کے خلیوں میں کروموسومز کی تعداد مختلف ہوتی ہے، مثلاً مکھی میں آٹھ، بلی میں اڑتیس اور مرغی میں اٹھتر کروموسومز ہوتے ہیں۔ ان کے خواص اور صفات بھی مختلف ہوتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ دو مختلف جنسوں یا جانوروں کے درمیان باہمی جنسی ملاپ سے بچے پیدا نہیں ہوتے۔ ہاں جن دو مختلف جانوروں میں کروموسومز کی تعداد برابر ہوتی ہے اور وہ ایک جیسی صفات وخواص رکھتے ہیں ان کے باہمی ملاپ سے بچے پیدا ہو سکتے ہیں لیکن ان بچوں کی آگے نسل نہیں چل سکتی۔ مثلاً گھوڑے اور گدھی کی جنس مختلف ہے لیکن دونوں کے کروموسومز کی صفات اور خواص میں یکسانیت کا پہلو غالب ہے۔ اس لئے ان کے ملاپ سے خچر پیدا ہوتا ہے لیکن خچر کی نسل آگے نہیں چل سکتی خود بانجھ ہوتا ہے۔

یہ تفصیل عام حیوانات اور نباتات کے بارے میں ہے۔ جہاں تک انسان کا تعلق ہے تو ہر انسانی مرکزہ میں کروموسومز کے تیئس 23 جوڑے ہوتے ہیں، گویا اس طرح ہر انسانی مرکزہ چھیالیس46 کروموسومز پر مشتمل ہوتا ہے۔

خلیہ کی دریافت

خلیہ کی دریافت سب سے پہلے 1445ء میں ایک انگریز سائنس دان رابرٹ ہک نے

کی۔رابرٹ براؤن نے 1833ء میں خلیوں میں نیوکلیس (مرکزہ) دریافت کیا۔1838ء میں جرمن سائنسدان شیلاٹیڈن نے یہ معروضہ پیش کیا کہ تمام پودے خلیوں سے بنے ہوئے ہیں۔1839ء میں شوان نے کہا کہ پودوں کی طرح جانور بھی خلیوں سے بنے ہوتے ہیں۔1839ء میں اس نظریہ کو خلیاتی نظام کا نام دیا گیا۔(۱)

ڈی این اے

کروموسوز کا ایک بڑا حصہ D.N.A کہلاتا ہے۔D.N.A علم الحیوٰۃ (Biology) کے شعبہ علم التوارث (Genetics) کی اصطلاح ہے اور ڈی این اے (Deoxy Ribo Nucliec Acid) کا مخفف ہے۔D.N.A کو جینیاتی مادہ بھی کہا جاتا ہے۔ڈی این اے ایک کیمیائی مادہ ہے جو جانور کے گوشت، ہڈی، ناخن اور بال وغیرہ اجزاء سے حاصل کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ والدین کی خصوصیات اور ان کے اوصاف (Traits) مثلاً جلد، آنکھوں اور بالوں وغیرہ کی رنگت، شکل وصورت اور دیگر اوصاف بچے میں منتقل ہوتے ہیں۔

جین کی حقیقت

مذکورہ چھیالیس کروموسومز لگ بھگ ایک لاکھ جینز (Genes) سے بنتے ہیں۔گویا کہ جین کروموسومز ہی کا ایک مفید حصہ ہے اور کروموسومز میں ہزاروں جینیہ کی اقامت گاہیں ہیں۔
جین کا کام خلیات میں مخصوص قسم کی انزائم (Enzyme) تیار کرنا ہوتا ہے جو کسی خاص کیمیائی تعامل میں مدد فراہم کر کے مطلوبہ شے کو بنانے کیلئے ناگزیر ہے۔جینز کروموسومز میں ایک خاص ترتیب سے یکے بعد دیگرے لمبے دھاگے میں مختلف دھاریوں کی طرح پھنسے ہوئے ہوتے ہیں۔ہر جین کی کروموسومز میں ایک خاص جگہ متعین ہوتی ہے اور چونکہ جین کا مجموعہ کروموسومز اور ڈی این اے ہے اسلئے ہر شخص کا ڈی این اے مختلف ہوتا ہے اور اس اختلاف پر اس میں

---

(۱) سائنسی انکشافات قرآن و حدیث کی روشنی میں (ص 353)

پائے جانے والے چار اجزاء اثر انداز ہوتے ہیں:

۱) ایڈینین (ADENINE)

۲) گوانین (GUANINE)

۳) سائیٹوسین (CYTOCINE)

۴) تھائی مین (THYMINE)

اس فرق کی وجہ سے مختلف علاقوں، ملکوں، قبیلوں اور قوموں کے چہرے، رنگت اور خصوصیات ایک دوسرے سے ممتاز ہوتی ہیں اور ہر قوم اور قبیلہ کی الگ پہچان ہوتی ہے۔

ہر جاندار خصلت، شکل اور فعل میں جین کے تابع ہوتا ہے یعنی جس جاندار میں جس خصلت، شکل اور فعل کے جین ہوتے ہیں وہ جاندار بھی اسی خصلت، شکل وصورت اور فعل کی عکاسی کرتا ہے۔ مثلاً کسی کا قد لمبا یا چھوٹا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے جینز یہی خصوصیات رکھتے ہیں۔ کسی کے بال سرخ یا بھورے ہیں یا رنگت سرخ وسفید، گندمی یا انتہائی سیاہ ہے تو اس کی بنیاد یہی ہے کہ اس کے جینز اسی طرح کے ہیں۔

میلانن (MELLENINE)

میلانن ایک مخصوص مادہ ہے جو جینز میں مختلف خامروں کی مدد سے بنتا ہے اور اس کا کام انسانی جلد کی رنگت پر اثر انداز ہونا ہے۔ چنانچہ اگر خلیوں میں میلانن زیادہ ہو تو انسان کا رنگ کالا ہوتا ہے اور اگر کم ہو تو انسان بے رنگ ہوتا ہے۔ مغربی ملکوں کے لوگوں میں میلانن بہت کم ہوتا ہے اسلئے وہ بے رنگ ہوتے ہیں یعنی ان کی جلد بہت ہی گوری ہوتی ہے اور وہ سورج کی روشنی بھی برداشت نہیں کر سکتے اور افریقی ممالک کے لوگوں کے خلیوں میں میلانن زیادہ ہوتا ہے اس لئے وہ کالے ہوتے ہیں اور برصغیر کے لوگوں کے خلیوں میں میلانن تقریباً مناسب، متوازن اور معتدل ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کے رنگ سانولے ہوتے ہیں اور ہر قسم کا موسم برداشت کر سکتے ہیں، علاقائی آب وہوا اور خوراک بھی اس مادے کی پیدائش پر اثر انداز ہوتی ہے جس سے رنگوں میں تبدیلی آسکتی ہے لیکن یہ تبدیلی دوسری نسل میں جزوی طور پر واقع ہوسکتی ہے۔

خلیہ کی اقسام

خلیہ کی دو اقسام ہوتی ہیں:
۱) تولیدی خلیہ (Re-Productive Cell) جسے جنسی خلیہ بھی کہا جاتا ہے۔
۲) جسمانی خلیہ (Somate Cell)

کروموسومز کی اقسام

خلیہ کی طرح کروموسومز کی بھی دو اقسام ہیں۔
۱) جنسی کروموسومز (Sex Chromosomes)
۲) آٹو کروموسومز (Auto Chromosomes)

جنسی کروموسومز کسی بھی جاندار کی صنف یعنی نر مادہ ہونے کو متعین کرتے ہیں۔ یہ کروموسومز انسانی مادہ (Female) میں X X اور نر (Male) میں X Y ہوتے ہیں۔ ان جنسی کروموسومز کے علاوہ باقی سب آٹو کروموسومز ہوتے ہیں۔

تولیدی و جنسی خلیے کے اندر کروموسومز کی تعداد جسمانی خلیے کی نسبت آدھی ہوتی ہے نیز وہ جسمانی خلیے جو بعد میں جنسی خلیوں میں تبدیل ہوتے ہیں ان میں کروموسومز کی تعداد پوری ہوتی ہے لیکن جنسی خلیے بنتے وقت ایک خاص قسم کے عمل تقسیم میں تعداد آدھی رہ جاتی ہے لہٰذا جب بار آوری (Fertilization) کا عمل ہوتا ہے تو آدھے کروموسومز ماں سے آتے ہیں اور آدھے باپ سے۔ اس طرح نئے بچے کے پہلے خلیے میں تعداد پوری ہو جاتی ہے اور انسانی خلیہ کے 46 کروموسومز میں 22 جوڑے جنس کے علاوہ دوسرے اوصاف کی منتقلی میں استعمال ہوتے ہیں اور ایک جوڑا انسانی جنس سے متعلق ساخت و افعال کے انتقال میں موثر ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرد کے نطفہ (Sperm) کا کروموسومز نمبر 1 عورت کے بیضہ (Egg) کے کروموسومز نمبر کے مشابہ ہوتا ہے، یہ پہلا جوڑا ہے، اس طرح 22 جوڑے باہم مشابہ ہوتے ہیں۔

اگر 23واں جوڑا دو ایکس "X X" کروموسومز پر مشتمل ہو تو بچہ مونث ہوگا اور اگر 23واں جوڑا ایک X اور ایک XY کروموسومز پر مشتمل ہوا تو بچہ مذکر ہوگا۔

یاد رہے کہ مرد کے نطفہ میں پچاس فیصد جرثوموں (Sperms) میں 23واں کروموسومز X ہوتا ہے اور پچاس فیصد جرثوموں میں 23واں کروموسومز Y ہوتا ہے جبکہ عورت کے بیضوں میں 3 2واں کروموسومز صرف Xہی ہوتا ہے۔اس طرح مرد کے ہر خلیے میں 22 جوڑے غیر جنسی کروموسومز اور ایک X اور ایک Y کروموسومز ہوتے ہیں جبکہ عورت کے ہر خلیہ میں 22 جوڑے غیر جنسی کروموسومز اور دو X کروموسومز ہوتے ہیں۔ان کروموسومز کو دیکھ کر بآسانی پتہ چلایا جا سکتا ہے کہ جنین (Foetus) مونث ہے یا مذکر۔یہی وجہ ہے کہ استقرارِ حمل کے چند ہفتوں بعد ہی خورد بینی طریقے سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ بچہ مذکر ہے یا مونث۔جبکہ الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے جنس کی تعین چار مہینے سے قبل نہیں ہو سکتی۔

کلوننگ کے معنی اور اس کی حقیقت

کلوننگ انگریزی زبان کا لفظ ہے اور یہ اصل میں یونانی زبان کے لفظ ''کلون''(Klon) سے ماخوذ ہے۔یونانی زبان میں کلون کے اصل معنی ''نئی پھوٹنے والی شاخ'' کے ہیں اور انگریزی میں کلوننگ کا معنی ہے ہم مثل پیدا کرنا، نقل اُتارنا، ایک ہی طرح کی چیزیں بنانا۔عربی زبان میں کلوننگ کو استنساخ کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں فوٹو کاپی کرنا، کیونکہ فوٹو کاپی اصل کے مشابہ اور اس کی مثل ہوتی ہے۔

ڈاکٹر عبدالرؤف شکوری اپنی کتاب ''کلوننگ ایک تعارف'' میں لکھتے ہیں:

کلوننگ کے لغوی معنی ہیں ایک ہی طرح کی چیزیں بنانا یا پیدا کرنا مثلاً عام فہم ربان میں دو مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

۱)......کلوننگ اس طرح کا عمل ہے جس طرح مشین کے ذریعہ کسی مسودہ کی بہت سی فوٹو کاپیاں بنائی جا سکتی ہیں۔

۲)......کسی آڈیو یا ویڈیو ٹیپ کی ریکارڈ کی مدد سے کسی کیسٹ کی متعدد کاپیاں تیار کی جا

سکتی ہیں۔ ان کاپیوں میں وہی الفاظ، وہی سُر، وہی اُتار چڑھاؤ، وہی خامیاں، وہی خوبیاں پائی جائیں گی جو کہ اصل مسودے یا ٹیپ میں ہوں گی۔ اسی طرح جو کاپیاں حیاتیاتی عمل کے ذریعہ بنتی یا بنائی جاتی ہیں وہ کلوننگ کے زمرے میں آتی ہیں۔(۱)

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب لکھتے ہیں:

کلوننگ کا لغوی معنی ہے ایک ہی طرح کی چیزیں بنانا یا پیدا کرنا، بالفاظ دیگر ایک شے کی ہو بہو مثل (Photo Copy) بنانا۔ اس کا اصطلاحی معنیٰ ہے حیاتی عمل (Biological Process) سے کسی جاندار شے کی ہو بہو مثل بنانا۔(۲)

کلوننگ کی اقسام

کلوننگ کی مشہور و متداول اقسام تین ہیں:

۱) نباتاتی کلوننگ

۲) حیوانی کلوننگ (Animal Cloning)

۳) انسانی کلوننگ (Human Cloning)

نباتاتی کلوننگ

نباتاتی کلوننگ کو مالیکیولر کلوننگ (Molecular Cloning) یا سالمی کلوننگ بھی کہا جاتا ہے۔ نباتاتی کلوننگ پودوں، درختوں، سبزیوں، جڑی بوٹیوں وغیرہ میں کیا جاتا ہے۔ نباتاتی کلوننگ میں مختلف پودوں کے خلیات اور ان میں موجود جینز (Genes) کی جینیاتی انجینئرنگ کے ذریعہ کلوننگ کرکے ان کو مطلوبہ پودوں کے خلیات میں منتقل کر دیا جاتا ہے جس سے پودے نشو ونما پا کر متعدد فوائد دیتے ہیں۔

---

(۱) کلوننگ ایک تعارف۔ (۴۸)

(۲) مریض و معالج کے اسلامی احکام۔ص(۲۹۹)

نباتاتی کلوننگ کی ابتداء

نباتاتی کلوننگ میں سے سب سے پہلے فریڈرک اسٹیوارڈ اور اس کے ساتھیوں نے کامیابی حاصل کی۔انہوں نے 1957ء میں نباتاتی کلوننگ میں کچھ اس طرح کا طریقہ اختیار کیا کہ:
ایک بالغ پودے کی جڑوں سے چند خلیات حاصل کیۓ اور ان کی نشو ونما کیلئے ایک مخصوص غذائی مادے میں رکھا۔ چند دنوں میں ہر خلیے سے ایک رسولی نما شے نے جنم دیا۔اس رسولی نما شے کا نام کیلس یعنی گٹھار رکھا گیا۔ ہر کیلس کو الگ الگ گملوں میں رکھا گیا اور ان کی غذائی ضروریات پوری کی گئیں تو ان سے اصل مادے سے مشابہ پودوں نے جنم دیا۔ان کی جینیاتی ساخت بھی اصل پودے جیسی تھی۔ گملوں میں لگاۓ جانے والے پودے دراصل اس پودے کے کلونز تھے جس کی جڑ سے خلیات حاصل کیۓ گئے تھے۔(۱)
اب تقریباً چالیس سال بعد بلغاریہ کے علمِ حیاتیات کے ماہرین نے ایک عمدہ قسم کی تمباکو کو کلوننگ کے ذریعہ بنانے کا اعلان کر دیا ہے جس میں بیماریوں اور کیڑے مکوڑوں کے خلاف قطعی مدافعت کا نظام موجود ہونے کے ساتھ اس کا معیار، ذائقہ اور خوشبو اصل سے بہتر ہے۔ انسٹی ٹیوٹ آف جینیٹک انجینئرنگ کے ڈائریکٹر نے بتایا کہ یورپ میں کلون تمباکو کو بنانے والے ہم پہلے سائنسدان ہیں۔اب یہ عمل سیب، ٹماٹر اور دیگر پودوں پر بھی آزمایا جا رہا ہے۔اس کیلئے سائنس دانوں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ اس طرح ہے کہ:
کسی ایک نسل کا پودا لے لیا جاتا ہے۔اب اس پودے کے آر این اے میں پودوں کو سب سے زیادہ لاحق ہونے والی بیماری کا وائرس ڈال دیا جاتا ہے۔اس طرح جو پودا وجود میں آۓ گا اس میں وائرس کے خلاف مکمل مدافعت موجود ہوگی۔ پھر اس پودے کے مزید کلون تیار کر لئے جاتے ہیں جو سب کے سب وائرس کے اثر سے محفوظ ہوں گے۔اس کلون والے پودے کا اندرونی نظام اس پہلے پودے جیسا ہوگا جس کا کلون بنایا گیا ہے۔مثلاً تمباکو کے پودے کے آر این اے میں پودوں کو سب سے زیادہ لاحق ہونے والی بیماری کا وائرس ڈال دیا گیا۔اس طرح

(۱) روزنامہ جنگ لاہور، (10 اپریل نمبر 2)

جو پودا وجود میں آیا اس میں وائرس کے خلاف مکمل مدافعت موجود تھی۔ پھر اس پودے کے مزید کلون (فریڈرک اسٹیوارڈ کے طریقہ کو سامنے رکھتے ہوئے) تیار کر لئے گئے (مصنف) جو سب کے سب وائرس کے اثر سے محفوظ تھے۔ کلون ہونے والے پودے اپنے والدین کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے نشو ونما پا رہے ہیں اور توانا بھی ہیں۔(۱)

نباتاتی کلوننگ کے فوائد

نباتاتی کلوننگ میں مفاسد اور نقصانات کوئی نہیں البتہ اس کے متعدد فوائد و منافع ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱)......نباتاتی کلوننگ میں جنیاتی انجینئرنگ کے ذریعے ایسے پودے درخت اور سبزیاں تیار ہو سکتی ہیں جن میں موسمی اور ناموافق حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ چنانچہ کلوننگ کے عمل کے نتیجہ میں ایسے پودے وجود میں آچکے ہیں جو انتہائی سرد علاقوں (جہاں درجہ حرارت نقطۂ انجماد کو پہنچ جاتا ہے) اور انتہائی گرم علاقوں، صحراؤں اور ریگستانوں میں کاشت ہوتے ہیں۔ اس طرح متعدد نقصانات سے بچ کر پیداوار کی بڑی مقدار حاصل کی جاسکتی ہے۔

۲)......نباتاتی کلوننگ کے ذریعہ ایسے پودے بنائے جاسکتے ہیں جنہیں نمو، بڑھوتری اور بہتر نشو ونما کیلئے خارجی غذا مثلاً کھاد وغیرہ اور مدافعاتی کیمیکلز مثلاً کیڑے مار ادویات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے متعدد فوائد ہیں مثلاً اس طریقے سے فصل اُگانے کے اخراجات میں نمایاں کمی آجاتی ہے۔ کیڑے مار سپرے وغیرہ سے ماحول پر برا اثر پڑتا ہے۔ آلودگی بڑھتی ہے اس طریقہ سے ماحول کو پراگندگی سے نجات مل جاتی ہے۔

۳)......نباتاتی کلوننگ کے ذریعے ایسے پودے تیار کئے جاسکتے ہیں جو اپنی پوری خصوصیات اور منفرد اوصاف کی بدولت سیم اور تھور زدہ زمینوں اور علاقوں میں بھی بآسانی اُگائے جاسکتے ہیں۔ اس طرح بنجر اور بے کار زمینیں استعمال میں آسکتی ہیں۔

۴)......نباتاتی کلوننگ کے ذریعہ ایسے پودے تیار ہو سکتے ہیں جو سخت آندھی اور بڑے

---

(۱) روزنامہ جنگ (10 اپریل 1997، نمبر 2)

طوفان کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

۵)......نباتاتی کلوننگ کے ذریعہ ایسی خصوصیت کے پھل فروٹ اور میوے تیار ہو سکتے ہیں جو سال بھر خراب نہیں ہوتے اور ان کی لذت اور مقدار میں بھی کوئی نمایاں فرق نہیں آتا۔

۶)......مختلف قسم کے پھولوں اور پودوں کے خلیات میں نباتاتی کلوننگ اور جدید پیوند کاری کی مدد سے نئے، رنگ برنگے پھول اور نئی اقسام کے ذائقہ دار پھل بھی تیار کئے جاسکتے ہیں۔

۷)......نباتاتی کلوننگ کے ذریعہ گرم علاقے کے پودوں کو سرد علاقوں میں اور سرد علاقوں کے پودوں کو گرم علاقوں میں کاشت کرنے کے قابل بنایا جاسکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ گرم علاقے کے پودوں میں ایسے جینز ہوتے ہیں جن میں گرمی کے خلاف قوتِ مدافعت ہوتی ہے۔ کلوننگ کے ذریعہ وہ جینز سرد علاقوں کے پودوں میں منتقل کردیئے جاتے ہیں اور وہ پودے گرم علاقوں میں کاشت کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سرد علاقوں کے پودوں میں سردی کے خلاف قوتِ مدافعت رکھنے والے جینز ہوتے ہیں انہیں گرم علاقے میں پودوں میں منتقل کر دیا جاتا ہے تو وہ سرد علاقوں میں کاشت کے قابل ہو جاتے ہیں۔

۸)......نباتاتی کلوننگ کے ذریعہ عمدہ اور اعلیٰ قسم کا تخم اور بیج تیار کیا جاسکتا ہے۔

۹)......نباتاتی کلوننگ کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی پیداوار کیڑے مار ادویہ کے زہریلے اثرات سے محفوظ ہو سکتی ہے۔

۱۰)......چونکہ پیداوار سے خاطر خواہ اضافہ ہو سکتا ہے اس طرح کسانوں، ملکوں کے باشندوں اور ملکی معیشت کو فائدہ ہوگا۔

نباتاتی کلوننگ کی شرعی حیثیت

نباتاتی کلوننگ میں نہ کوئی دینی مفسدہ اور نقصان ہے اور نہ دنیاوی مضرات بلکہ اس کے متعدد دنیاوی، مالی اور معاشی فوائد ہیں اور اس کے طریق کار میں کوئی خلافِ شرع بات بھی نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا شرعاً نباتاتی کلوننگ جائز ہے اور اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱)......الاصل فی الاشیاء الاباحۃ یعنی اشیاء میں اصل جواز اور اباحت ہے۔

۲)......نباتاتی کلوننگ پیوند کاری ہی کی جدید صورت بنتی ہے اور درختوں اور پودوں کی پیوند کاری بالاتفاق جائز ہے۔

۳)......تمام نباتات، درخت، پودے اور سبزیاں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے فائدہ کے لئے پیدا کی ہیں اور شریعت کی رو سے ان اشیاء کو کسی بھی طریقہ سے کارآمد بنا کر ان سے فائدہ اُٹھایا جائے، جائز ہے۔ اس میں بے حرمتی اور توہین کی کوئی بات نہیں ہے۔ چنانچہ ابتدائے آفرینش سے انسان مختلف طریقوں سے ان کو استعمال میں لا کر اپنی زندگی آسودہ بنا تا رہا ہے۔ بعض کو پیتا اور کاٹتا ہے، کسی کو گرم اور سرد کرتا ہے، کسی کو کاٹتا اور چیر پھاڑ کرتا ہے، کسی کی تحلیل، تجزیہ اور کسی کی ترکیب اور تنفید کرتا ہے۔ نباتاتی کلوننگ بھی ان کو مزید کارآمد بنانے اور ان سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی ایک جدید صورت ہے لہٰذا اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

(۲)......حیوانی کلوننگ (ANIMAL CLONING)

حیوانی کلوننگ میں جنسی خلیوں کی بجائے غیر جنسی خلیے استعمال ہوتے ہیں اور وہ خلیے بھی صرف مادہ جانوروں کے۔ حیواناتی کلوننگ کا عمل کافی پیچیدہ ہے۔ یہاں صرف ڈولی کلوننگ کرنے کا عمل لکھا جاتا ہے جس سے اس کے سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

بھیڑ ڈولی (Dolly) کو برطانیہ میں ایڈنبرا کے نزدیک واقع ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں سائنسدانوں نے ڈاکٹر ولمٹ کی سربراہی میں کلون کیا ہے اور 4,5 جولائی 1996 کی درمیانی شب بغیر باپ کے وجود میں آئی اور اس بھیڑ کا نام مشہور گلوکارہ ڈولی پارس کے نام پر رکھ دیا گیا۔

ڈولی کی کلوننگ میں تین بھیڑیں استعمال ہوئیں: (1) بھیڑ۔ اے (2) بھیڑ۔ B (3) بھیڑ۔E

چھ سالہ بھیڑ اے کے پستانیہ (Udders) سے کئی غیر جنسی خلئے الگ کئے گئے اور ان خلیوں کو کارآمد کر کے تجربہ گاہ میں حفاظت سے رکھا گیا۔ اور ایک مخصوص مدت تک ان کو خوراک

سے محروم رکھا گیا تا کہ وہ نشو ونما پا کر تقسیم نہ ہو سکیں۔ پھر ان کے لئے مناسب ماحول، مناسب خوراک اور درجہ حرارت کا انتظام کیا گیا جس کی وجہ سے خلیے مقدار میں بڑھ گئے پھر ان کی خوراک 20 فیصد کر دی گئی جس کی وجہ سے سارے خلیے کارآمد ہو گئے۔ ان میں کروموسومز کی تعداد کو دگنا کر دیا گیا۔ (2n) تعداد بارآوری کے لئے ضروری ہے۔ بارآوری کیلئے نر اور مادہ کے مابین جنسی اختلاط کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ بیضہ میں کروموسومز کی تعداد دگنی کر دی جائے۔ لیکن آدھے ہپلائیڈ (1n) نر سے اور (1n) ہپلائیڈ مادہ سے مل کر (2n) ڈپلائیڈ بن جائیں۔ اس کے بعد بھیڑ-B سے بیضہ نکال کر اس سے مرکزہ جدا کر دیا گیا اور یہاں مقصود چونکہ بھیڑ-A کا کلون تیار کرنا تھا نہ کہ بھیڑ P کا اس لئے بھیڑ B کے بیضہ کو مرکزہ سے خالی کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ مرکزہ میں وہ جینز ہوتے ہیں جو وراثتی خصوصیات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اگر بھیڑ B کے بیضہ کو مرکزہ سے خالی نہ کیا جاتا تو کلون میں بھیڑ B کی خصوصیات منتقل ہو جاتیں۔

اس کے بعد بھیڑ B کے بیضہ میں بھیڑ الف سے نکالے گئے خلیوں کے مرکزوں میں سے ایک کو ضم کر دیا گیا، یہ مرکزہ سرنج کے ذریعے اندر داخل کیا گیا۔ اس انضمام اور اشتراک کو پلازمڈ (B.N.A) بیکٹیریو فیج اور 04-0 ایمپیئر کرنٹ سے یقینی بنایا گیا۔

ضم شدہ بھیڑ A کے خلیوں کا مرکزہ بھیڑ P کا بیضہ بھیڑ E کے رحم (Uterus) میں نشو ونما کے لئے رکھ دیا گیا اور مخصوص مدت کے بعد وہ بیضہ ڈولی کی صورت میں نمودار ہوا۔

حیوانی کلوننگ کے فوائد

حیوانات کا کلون تیار کرنے میں مندرجہ ذیل فوائد ہیں:

۱)..... کسی بھی جانور اور حیوان کی نسل ختم نہ ہوگی کیونکہ اگر ان کا فطری توالد و تناسل تعطل کا شکار ہو جائے تو کلوننگ کے ذریعہ ان کی نسل کو جاری وساری رکھا جا سکتا ہے اور یہ بڑا اہم فائدہ ہے کیونکہ اس وقت تک بے شمار قسم کے قیمتی حیوانات کی نسل منقطع ہو چکی ہے۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ حیوانات اور چرند پرند کی نسلوں کو باقی رکھا جائے۔

۲)..... کلوننگ کے ذریعہ جانوروں کی لحمیات اور لحمیات کے ذائقے میں اضافہ کیا جا سکتا

ہے۔

۳)......جانوروں میں بیماریوں کے خلاف قوتِ مدافعت پیدا کی جاسکتی ہے۔

۴)......بعض بوڑھے اور نایاب جانوروں کے کلون تیار کئے جاسکتے ہیں۔

۵)......کلوننگ سے نر اور مادہ پیدا کرنے میں مدد لی جاسکتی ہے۔

۶)......مقطوع النسل جانوروں کا ڈی این اے مل جائے تو کلوننگ کے ذریعے ان کا کلون تیار کیا جاسکتا ہے۔

۷)......کلوننگ کے ذریعہ بیک وقت کئی جانور پیدا کر کے جانوروں کی قلت پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

۸)......بہترین اور اعلیٰ نسل کے جانور پیدا کئے جاسکتے ہیں۔

۹)......کلوننگ کے ذریعہ جانوروں کے دودھ میں خاطر خواہ اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

حیواناتی کلوننگ کے منفی پہلو

حیواناتی کلوننگ میں کچھ مفاسد اور منفی پہلو بھی ہیں۔ مثلاً:

۱)......کسی بھی جانور کو کلون کرنے کیلئے بڑی تگ ودو کرنی پڑتی ہے اور اب تک اس بارے جو تجربات ہوئے ہیں اس کی روشنی میں جانور کلون کرنے کیلئے بہت زیادہ بیضے ضائع کرنے پڑتے ہیں۔ ڈولی کے کلون تیار کرنے میں سات سو بیضوں پر تجربہ کرنا پڑا۔ اتنے تجربات کی ناکامی کے بعد ڈولی کو حاصل کیا گیا۔

۲)......بڑی عمر کے جانوروں کے کلون بھی جلدی ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کی عمر زیادہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کے خلیات اپنی زندگی کا بڑا حصہ پہلے ہی گزار چکے ہوتے ہیں۔

۳)......کلوننگ مہنگا ترین سائنسی عمل ہے اور اب تک کے تجربات کے مطابق اس میں کامیابی کے امکانات بہت کم ہیں۔ لہٰذا اس میں وقت اور مال دونوں کا ضیاع ہے۔

۴)......کلوننگ کے عمل کے دوران ڈی این اے تباہ بھی ہوسکتا ہے جس کے بڑے مفاسد ہیں۔

۵)......کلوننگ کے ذریعہ ایک ہی قسم کے اور ایک ہی نوع کے جانور کلون ہوں گے جو شکل و صورت اور خصائل و عادات میں یکسانیت کے حامل ہوں گے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ تنوع اختلافِ رنگ وصورت اور قدرتی نظام کے خلاف ہے۔

حیوانی کلوننگ کی شرعی حیثیت

حیوانی کلوننگ چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ وہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

۱)......حیوانات کا جو فطری اور خلقی سلسلہ توالد وتناسل ہے یعنی نر اور مادہ کے ملاپ سے افزائش نسل، وہ بالکل ختم نہ ہو بلکہ اسے بھی جاری رکھا جائے۔

۲)......کلوننگ پر ہونے والے اخراجات اور اس پر مرتب ہونے والے نقصانات اتنے ہوں کہ کلون شدہ حیوانات سے انہیں پورا کیا جا سکے۔ فی الحال تو کلوننگ کے اخراجات کافی زیادہ ہیں۔ لیکن چونکہ یہ عمل تجربات سے گزر رہا ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ آئندہ اس بارے میں مثبت اور مفید نتائج کی طرف پیش رفت ہو جائے اور اخراجات میں بھی کمی ہو جائے۔

۳)......حسب ضرورت نر اور مادہ دونوں کلون کئے جائیں تاکہ جوڑا بندی کا فطری اصول پامال نہ ہو۔

حیوانی کلوننگ کے جواز کی اصل دلیل یہی ہے کہ شرعاً اس کے عدم جواز کی کوئی شرعی وجہ نہیں ہے اور اگر یہ عمل کامیابی سے ہمکنار ہو تو اس کے منافع مفاسد سے یقیناً زیادہ ہوں گے لہٰذا یہ جائز ہے۔ اگر کوئی اس کو ناجائز کہتا ہے تو دلیل اس کے ذمہ ہے کیونکہ وہ مدعی ہے۔ تاہم پھر بھی اس کے جواز کے کچھ دلائل ملاحظہ ہوں:

۱)......انسان کو اللہ تعالیٰ نے مخدوم اور دنیا کی تمام اشیائے جمادات، معدنیات، حیوانات، نباتات اور چرند پرند کو انسان کا خادم بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ﴾ (۱)

اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی ساری اشیاء کو پیدا کیا۔

(۱) البقرہ:(۲۹)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ﴾(۱)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے آسمانوں اور زمین کے درمیان سب چیزوں کو مسخر اور تابع کر دیا ہے وہ سب اس کی طرف سے ہیں۔

انسان ان چیزوں کو شرعاً اپنے استعمال میں لاسکتا ہے۔ بعض کو سالم اور بعض کو کاٹ کر، کسی کو کوٹ کر، کسی کو پیس کر، کسی کو گرم کر کے، کسی کو ٹھنڈا کر کے، کسی کو چیر پھاڑ کر، کسی کو پرو کر، کسی کو تحلیل کر کے اور کسی کا تجزیہ وتنفید کر کے کارآمد بنا سکتا ہے۔ غرضیکہ کسی بھی طریقہ سے اس میں تصرف کر کے اپنی خدمت حاصل کرنا جائز ہے۔ کلوننگ کا عمل بھی انہی تصرفات کی ایک نئی صورت ہے لہٰذا اس کی بھی اجازت ہے۔

۲)...... جانور سے خدمت لینے کیلئے اسے تکلیف دینا بھی جائز ہے۔ جیسے صحیح سالم جانور کو گوشت حاصل کرنے کیلئے ذبح کرنا، مختلف قسم کے فوائد حاصل کرنے کیلئے اسے خصی کرنا۔ خصی کرنے کی دو صورتیں ہیں اور دونوں انتہائی تکلیف دہ ہیں: (۱) خصیتین کو نکال دینا (۲) خصیتین کو اندر ہی اندر کچل کر ناکارہ بنا دینا۔ کلوننگ کا عمل ذبح اور خصی کرنے کے مقابلہ میں بہت ہی اہون اور آسان ہے۔ لہٰذا اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

ازالہ شبہات

حیوانی کلوننگ کے جواز پر بعض حضرات کو شبہات پیش آتے ہیں۔ یہاں مختصراً ان شبہات کا ازالہ کرنا مقصود ہے۔

۱)...... کلوننگ سے حیوانات کا فطری توالد وتناسل ختم ہو جائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جواز کی ایک شرط بھی یہی ہے کہ فطری توالد وتناسل کو ختم نہ کیا جائے، بلکہ اس کو بھی ساتھ جاری رکھا جائے۔ اس طرح کلوننگ ایک زائد عمل کہلائے گا۔ نیز حیوانات کی نسل کو باقی رکھنا مقصود

(۱) الجاثية: ۱۳)

ہے۔فطری تناسل وتوالد کو باقی رکھنا محل نظر ہے اور کلوننگ کو مزید ترقی دے کر حیوانات کی نسل کو باقی رکھا جاسکتا ہے۔

۲)......کلوننگ سے صرف مادہ کلون تیار ہوسکتا ہے اور ابھی تک مادہ جانوروں کا ہی کلون تیار کیا گیا ہے۔اس طریقہ سے نر جانورں کی نسل ختم ہو جائے گی۔یہ شبہ کئی وجوہ سے درست نہیں۔اولاً تو اسلئے کہ جانوروں کی فطری تولید کو باقی رکھنا شرط ہے۔اس کے نتیجہ میں نر بھی پیدا ہوں گے۔ثانیاً کلوننگ کے ذریعے نر کا کلون بھی تیار کیا جانا ممکن ہے۔

۳)......حیوانات اور جانوروں میں فطری تنوع موجود ہے یعنی جانور ایک دوسرے سے قد کاٹھ، رنگ وصورت اور خصائل وعادات میں مختلف ہوتے ہیں جبکہ کلوننگ کے ذریعہ ایک ہی قسم کے جانور کلون ہوں گے۔اس طرح فطری تنوع ختم ہو جائے گا۔یہ شبہ درست نہیں۔(اولاً) تو اس لئے کہ فطری تولید کے ذریعے تنوع کو باقی رکھا جاسکتا ہے۔(ثانیاً) اس لئے بھی کہ ہوسکتا ہے کہ مستقبل میں کلوننگ کے ذریعہ بھی متنوع اور مختلف حیوانات کو کلون کیا جاسکے۔(ثالثاً) اس لئے بھی کہ تنوع اور اختلاف کا باقی رکھنا واجب اور فرض نہیں ہے۔

۴)......جس طرح انسانوں میں مذکر ومونث ہوتے ہیں اور وہ ایک دوسرے سے نفسانی خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں۔یہی بات حیوانات میں بھی ہے۔وہ بھی ایک دوسرے سے نفسانی خواہشات کو پورا کرتے ہیں۔کلوننگ میں یہ بات ختم ہو جاتی ہے۔یہ شبہ بھی درست نہیں۔اولاً تو اس لئے کہ فطری تولید وتناسل کا سلسلہ جاری رہے گا لہٰذا نفسانی خواہشات کی تکمیل بھی ہوتی رہے گی،ثانیاً اس لئے بھی جانوروں کو انسان کی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔اس کے خدمت لینے میں اگر اس کی نفسانی خواہشات کو قربان کرنا پڑے تو شرعاً یہ بھی جائز ہے اور اس کی واضح نظیر نر جانوروں کا بعض جائز مقاصد ومنافع کیلئے خصی کرنا ہے۔خصی جانور ہمیشہ کیلئے نفسانی عمل سے محروم ہو جاتا ہے۔

۵)......حیوانی کلوننگ میں تغییر لخلق اللہ ہے جو کہ شیطانی عمل ہے۔لیکن یہ شبہ بھی درست نہیں۔کلوننگ کا عمل نہ خلق ہے اور نہ اس کا کوئی دعویٰ کرتا ہے اور نہ ہی خلق اللہ کی تغییر ہے۔کلوننگ کے عمل کی حیثیت فوٹو کاپی سے زیادہ نہیں۔

کلوننگ میں حرام جانور کا استعمال

حیوانی کلوننگ میں تین جانور استعمال ہوتے ہیں۔ پہلے کا مرکزہ لیا جاتا ہے۔ دوسرے کا مرکزہ سے خالی بیضہ اور تیسرے جانور کا رحم استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر کلوننگ میں استعمال ہونے والے تینوں جانور حلال ہوں تو کلون شدہ جانور بھی حلال ہوگا۔ اور اگر تینوں حرام ہوں تو کلون شدہ جانور بھی حرام ہوگا۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی ایک حرام ہو تو کلون شدہ جانور حلال ہوگا یا حرام؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کتب فقہ میں ضابطہ اور اصول لکھا ہے کہ حرام اور حلال جانور کا اختلاط ہو جائے تو بچہ ماں کے تابع ہوتا ہے۔ اگر ماں حلال ہے تو بچہ بھی حلال ہے۔ اور اگر ماں حرام ہے تو بچہ بھی حرام ہے۔

فتاوی شامی میں ہے:

"ان الاصل فی الحیوانات الالحاق بالام کماصرحوابه فی غیر موضع"(۱)

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر بھیڑیا نے بکری سے جفتی کی اور بچہ پیدا ہو تو بچہ ماں یعنی بکری کے تابع ہو کر حلال شمار ہوگا۔

ہدایہ میں ہے:

والمولود بین الاھلی والوحشی یتبع الام لانھاھی الاصل فی التبعیة حتی اذا نزأ الذئب علی الشاة یضحی بالولد۔(۲)

وحشی اور پالتو جانور کے ملاپ سے جو بچہ پیدا ہو وہ ماں کے تابع ہے کیونکہ تبعیت میں وہ اصل ہے حتیٰ کہ جب بھیڑیا بکری سے جفتی کرے تو بچے کی قربانی درست ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ تین جانوروں میں سے کونسا جانور ماں ہے کہ کلون کو حلت وحرمت میں اس کے تابع کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی حقیقی ماں نہیں ہے کیونکہ پہلے دونوں جانور مذکر بھی ہو سکتے ہیں اور تیسرا اگرچہ مونث ہی ہو مگر اس کا صرف رحم استعمال

---

(۱) الشامية(۱/۲۲۵)

(۲) الهداية(٤/٤٤٩) كتاب الاضحية

ہوتا ہے۔لہذا کلون کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جاسکتی۔البتہ ان میں سے پہلے جانور کو ماں کے مشابہ قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ کلون اسی کے مرکزہ سے بنتا ہے اور مشابہ بھی اسی کے ہوتا ہے۔لہٰذا کلون شدہ جانور حلت وحرمت میں پہلے جانور کے تابع ہوگا۔اگر وہ حلال ہے تو کلون بھی حلال ہے۔اس کا کھانا، دودھ پینا اور قربانی کرنا درست ہے۔اور اگر وہ حرام ہے تو کلون بھی حرام ہے۔اور اگر وہ وحشی ہے تو کلون بھی وحشی تصور ہوگا اور اسکی قربانی درست نہ ہوگی۔اور پہلے جانور کو حلت وحرمت وحشی اور غیر وحشی ہونے میں معیار قرار دینے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بعض فقہاء کرام نے حلت وحرمت میں مشابہت کا اعتبار کیا ہے یعنی بچہ ماں باپ میں سے جس کے ساتھ مشابہ ہو وہ اسی کے تابع ہے (کما قال الامام الخیر اخری) مخالف جنس کے دو جانوروں کے ملاپ کی عام صورت میں اگرچہ جمہور فقہاء کرام کے قول پر فتویٰ ہے لیکن کلوننگ کی مذکورہ صورت میں خیر اخری کے قول پر فتویٰ درست بلکہ اصوب اور اوفق ہے۔

حرام جانور کو کلوننگ میں استعمال کرنے کی شرعی حیثیت

کلوننگ کے کسی بھی مرحلہ میں خنزیر استعمال کرنا اور اس سے مدد لینا جائز نہیں ہے کیونکہ خنزیر نجس العین ہے۔اس سے ہر قسم کا انتفاع شرعاً ناجائز ہے اور خنزیر کے علاوہ حرام جانوروں کو کلوننگ میں استعمال کرنا درست ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء کرام نے حلال جانور کی حرام جانور سے جفتی اور اسکے برعکس حرام جانور کی حلال جانور سے جفتی اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچہ کو حلال ماں کے تابع بنا کر حلال لکھا ہے۔

گو کہ اس بارے میں اختلاف بھی ہے لیکن یہ قول راجح ہے۔اگر حلال وحرام جانوروں کی جفتی جائز ہے تو حرام جانوروں کو کلوننگ کے عمل میں استعمال کرنے کی بطریق اولیٰ اجازت ہوگی۔

درمختار وشامی میں ہے:

وبغل امہ حمارة فلوفرسًااوبقرة فطاھر کمتولد من حمار وحشی و بقرة ولا عبرة بغلبة الشبھة لتصریحھم بحل اکل ذئب ولدته شاة اعتباراً للام

...... ومانقله المصنف عن الاشباه من تصحیح عدم الحل قال شیخنا انه غریب۔

و فی الشامیة (قوله و لاعبرة بغلبة الشبهة) رد علی ما قاله مسکین من ان التبعیة للأم محلها اذا لم یغلب شبهه بالاب ....(قوله اعتباراً للام) لانها الاصل فی الولدلا نفصاله منهاوهوحیوان متقوم ولاینفصل من الاب الاماء مهینا و لهذایتبعها فی الرق والحریة وانمااضیف الآدمی الی ابیه تشریفاله وصیانة له عن الضیاع والا فالا صل اضافته الی الام کمافی البدائع .... (قوله انه غریب)ای لمخالفته المشهور فی کلامهم من اطلاق العبرة للأم وقد ذکرالقولین المصنف فی منظومته تحفة الا قران فی الاضحیة فقال:

نتیجه الاهلی والوحشی

تلحق الام علی المرضی

و مثله نتیجة المحرم

مع المباح یا خی فاعلم

هذاهو المشهور بین العلماء

والحظر فی هذا حکوه فاعلما(۱)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

و فی نظم الرندیسی المولودبین الوحشی والاهلی اذاکانت امه وحشیة لایجوزولونزاالکلب علی شاة فولدت قال عامة العلماء رحمهم الله لایجوزوقال الامام الخیراخری:ان کان یشبه الاب لایحوزولونزاشاة علی ظبی قال الامام الخیراخری ان کان یشبه الاب یجوزولونزاظبی علی شاة قال عامة العلماء یجوز وقال الا مام الخیراخری فالعبرة للمشابهة۔(۲)

(۱) الدرالمختار(۱/۲۲۵)

(۲) خلاصة الفتاوی(۴/۳۱۴)کتاب الاضحیة

حرام جانور کا کلون تیار کرنا

خنزیر کا کلون بنانا جائز نہیں ہے اور خنزیر کے علاوہ تمام حرام جانوروں کا کلون تیار کرنا درست ہے کیونکہ خنزیر کے علاوہ تمام حرام جانور فی الجملہ قابل انتفاع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فطری طریقہ سے حرام جانورں کا توالد و تناسل بلانکیر جاری و ساری ہے اور شرعاً اس کی مکمل اجازت بلکہ ترغیب ہے۔

انسانی کلوننگ (Human Cloning)

انسانی کلوننگ میں انسان کا کلون تیار کرنے کیلئے مرد وعورت کے سپرم و بیضہ ملنے یا جنسی عمل کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس میں بھی جسمانی خلیہ استعمال ہوتا ہے۔ انسان کے جسم میں دو طرح کے خلیے ہوتے ہیں:

(۱) جنسی خلیے

(۲) جسمانی خلیے (غیر جنسی خلیے)۔

جنسی طریقہ تولید میں مرد وعورت کے ملاپ کے نتیجہ میں جنسی خلیوں سے بچہ بنتا ہے اور کلوننگ چونکہ غیر جنسی طریقۂ تولید ہے لہٰذا اس میں جسمانی خلیہ سے کام لیا جاتا ہے اور اس کا بھی وہی طریقہ ہے جو حیوانی کلوننگ کا ہے۔ یعنی جس کا کلون تیار کرنا مقصود ہو اس کا جسمانی خلیہ لے لیا جاتا ہے۔ پھر ان کو مخصوص مدت تک تجربہ گاہ میں رکھ دیا جاتا ہے اور کچھ وقت کے بعد خوابیدہ کروموسومز کو فعال کر دیا جاتا ہے۔ پھر کسی عورت کا بیضہ انثی حاصل کر کے اس سے مرکزہ نکال دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ اسی خلیہ کو داخل کر دیا جاتا ہے پھر اس بیضہ انثی کو کسی اور عورت کے رحم میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ رحم میں مخصوص مدت تک پرورش کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بچہ پہلے انسان کا کلون ہوتا ہے۔ اسی کے مشابہ اور اسی کی خصوصیات پر مشتمل ہوتا ہے کیونکہ کروموسومز اسی کے تھے۔

انسانی کلوننگ کے متوقع فوائد

اگر مستقبل میں انسانی کلوننگ واقعی عمل کا روپ دھار لے، تو اسکے متعدد فوائد ہو سکتے ہیں مثلاً

۱)......ذہین، نہایت طاقتور اور خوبصورت انسانوں کی کلوننگ ہو سکے گی اور ان خصوصیات کو لازوال بنایا جاسکتا ہے۔

۲)......ایسے بچے جو کسی حادثہ میں ہلاک ہو چکے ہوں ان کی کلوننگ کے عمل سے بالکل ہو بہو شکل بنائی جاسکتی ہے اور یہ ایک لحاظ سے ان بچوں کو گویا دوبارہ زندگی حاصل ہونے کے مترادف ہوگا۔

۳)......بعض لوگوں کے ہاں صرف لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں، انہیں لڑکے کی بھی خواہش ہوتی ہے۔ اس وقت کلوننگ مفید ثابت ہوسکتی ہے کہ انہیں اس عمل کے ذریعے لڑکا حاصل ہوسکتا ہے۔

۴)......میاں بیوی میں اولاد نہ ہونے کی وجہ سے جو پریشانی اور چپقلش ہوتی ہے وہ دُور ہو سکتی ہے اور اولاد سے محروم والدین کلوننگ سے جسمانی خلیہ سے اپنی مرضی کے مطابق بچہ یا بچی حاصل کر سکتے ہیں۔

۵)......والدین اپنے بچوں میں اعلیٰ کارکردگی والے انسانوں کی خصوصیات منتقل کر کے اپنی نسل کو خوب سے خوب تر بنا سکتے ہیں۔

۶)......کلوننگ کے عمل کے ذریعے دنیا میں اہم ترین افراد کی مقدار میں ضرورت کے مطابق اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

۷)......اس عمل سے اعضاء کی منتقلی کے لئے کلون تیار کیے جاسکتے ہیں۔

۸)......کلوننگ کے ذریعے عورتیں کسی مرد کے تعلق کے بغیر اپنی ہم شکل بچیاں جنم دے سکتی ہیں۔

۹)......اسی کلوننگ کے ذریعے والدین میں جو کوئی ایک کمزور ہے یا دونوں کمزور ہیں مرد و عورت کے مادہ منویہ میں جرثومے بھی باقی نہیں رہے اور ان کو فطری طریقہ سے اولاد حاصل نہیں

ہو رہی تو اس وقت کلوننگ کا عمل مفید ہے کہ اس طریقہ سے والدین کو اولاد حاصل ہو جاتی ہے۔

۱۰)......اسکے ذریعے مخصوص افراد اور مخصوص خصوصیات کو لازوال بنایا جا سکتا ہے۔

۱۱)......کلوننگ کا عمل انسانیت کو ایک انقلاب کی طرف لے جائے گا اور دنیا کے تمام ذہین ترین افراد کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں کو یکجا کیا جا سکے گا۔

انسانی کلوننگ کے نقصانات

انسانی کلوننگ کے مفاسد اور نقصانات اسکے فوائد سے کہیں زیادہ بھی ہیں اور انتہائی خطرناک اور بھیانک بھی۔ مثلاً:

۱)......کلوننگ ایک انتہائی مہنگا سائنسی عمل ہے۔ اس میں کامیابی کے امکانات بہت کم ہیں اس لئے یہ وقت اور دولت کے ضیاع کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

۲)......سائنسدانوں کی یہ جسارت کہ وہ انسانوں کو اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق تخلیق کر سکتے ہیں یا ان کی ہو بہو مثل تیار کر سکتے ہیں۔ یہ فطرت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور قدرت کے کاموں میں مداخلت کے مترادف ہے۔

۳)......کلوننگ کا عمل ایک تخلیقی عمل تو نہیں البتہ ایک تخریبی عمل ضرور ہے جسے خدائی تخلیقات کو بگاڑنے کا عمل کہا جا سکتا ہے۔ تبدیلی خلقت کا فعل جھوٹے وعدے کرنے اور انسانیت کو دھوکا دینا ہے۔ اس فعل کے ایسے سنگین نتائج ضرور برآمد ہوں گے جس سے انسانیت دوچار ہوگی۔

۴)......ماضی میں بھیڑوں، چوہوں، مویشیوں اور مختلف جانوروں پر کلوننگ کے تجربات کئے جا چکے ہیں لیکن کسی ایک تجربہ میں بھی مکمل کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ بعض میں فوری طور پر نقائص سامنے آ گئے، بعض میں چند دنوں اور مہینوں کے بعد نا قابل اصلاح نقائص اور بیماریاں پیدا ہو گئیں اور سائنس دانوں نے اس امکان کا اظہار کیا ہے کہ کلون شدہ انسانوں میں بھی یہ سارے عوامل اور نقائص لازماً موجود ہوں گے۔

۵)......ڈولی نامی بھیڑ کی کلوننگ کے دوران تقریباً سات سو بیضوں پر تجربات کے بعد صرف ایک تجربہ ہی کامیاب ہو سکا۔ یعنی کامیابی کی شرح انتہائی کم ایک اور سات سو کی نسبت

ہے۔

۶)......اس عمل کے دوران ڈی این اے تباہ ہو سکتی ہے جس سے کئی گھمبیر مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔

۷)......بالغ ڈی این اے کے طریقے میں وہ حاصل کیا ہوا سیل کچھ حصہ اپنی زندگی کا گزار چکا ہے۔اس لئے اس سے بننے والے کلون کی عمر اتنی کم ہوگی اور اس طرح انسان خود اپنی عمر کو کم کرنے والا بن جائے گا۔

۸)......کلون انسان ہمیشہ اپنے آپ کو نچلے درجے کا شہری سمجھے گا۔وہ ہمیشہ اپنے آپ کو دوسروں کے لئے ایک تماشا ہی پائے گا۔معاشرہ میں ہر انسان کی انگلی کلون کی طرف اُٹھے گی۔ اس سے وہ احساسِ کمتری کا یقیناً شکار ہوگا۔

۹)......اگر یہ تجربہ انسان پر کامیاب ہوا تو انسانی رشتوں کی اہمیت ختم ہو کر رہ جائے گی۔ مصنوعی تخلیق کے غلط استعمال سے اقتدار کی جنگ ایک نیا رُخ اختیار کر سکتی ہے۔مرد و عورت کے تعلق توالد و تناسل کیلئے نہیں بلکہ جنسی تلذز کے لئے ہوں گے۔ہر ملک کے سائنسدان اپنی مرضی اور پسند کے انسانوں کی فوج پیدا کریں گے۔الغرض یہ دنیا ایک تماشہ گاہ بن جائے گی۔

۱۰)......انسانی کلوننگ ممکن ہو سکتی ہے اس طرح کیا یہ عقلمندی ہے کہ موجود کو ایک غیر موجود کے لئے ضائع کر دیا جائے۔

۱۱)......انسانی کلوننگ سے ایسے مسائل پیدا ہو جائیں گے کہ جن کا تعلق اخلاقیات، نفسیات، قوانین اور سماجی و ازدواجی رشتوں سے ہے۔ولادت انسانی مرد و عورت کی جنسی مباشرت کی مرھونِ منت ہے۔اگر انسان نے یہ پیدائشی حق چھین لیا گیا زندگی کو شیشوں کے ظروف میں جنم دیا جائے گا تو ایسے بھیانک مسائل سے واسطہ پڑے گا جن پر ہمارا کوئی کنٹرول نہ ہو سکے گا۔

۱۲)......انسانی کلوننگ کے عمل سے انسانی آبادی میں بے پناہ اضافہ کا اندیشہ ہے جس سے آبادی پر قابو پانے کے تمام منصوبے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔انسانوں کی بھوک و افلاس میں اضافہ ہوگا اور ہم کلون کی شکل میں زندہ روبوٹ بنانے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کر

سکیں گے۔

۱۳)......اگر ایک مرتبہ یہ عمل شروع کیا گیا تو پھر اس کی کوئی حد نہیں رہے گی اور نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ اس قسم کے انسانوں کو پیدا کرنا شروع کر دیا جائے جن کا مقصد صرف دل، جگر، گردے اور دیگر انسانی اعضاء کے عطیات دینا ہوگا۔ ایک بچی محض اس لئے پیدا کی جائے گی کہ اس کا دل کسی مریض کے کام آسکے۔

۱۴)......کلوننگ کے ذریعہ پیدا ہونے والا پیدائشی طور پر مادر یا پدر آزاد ہوگا۔ ایک اصل ہونے کی وجہ سے دوسرے اصل کی محبت سے محروم رہے گا۔ یا تو اس کی ماں کا پتہ نہیں چل سکے گا یا اس کے باپ کا، بالکل ایسے ہی اس بچے کے ساتھ ایک اصل کے علاوہ دو اور عورتیں بھی شریک ہیں۔ ان کے ساتھ جھگڑے کا قوی احتمال ہے۔ اب یہ معلوم نہیں کہ یہ اصل بچہ ان تینوں میں کس کے پاس جائے گا یا پھر تینوں ہی اس کو اسی طرح چھوڑ دیں گے۔

۱۵)......کلوننگ کے ذریعے ایک آدمی کے سو کلون بنائے گئے تو وہ سب کے سب ایک جیسے ہوں گے جن میں امتیاز کرنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہوگا۔

۱۶)......اگر دس آدمی کلوننگ کے ذریعے بیک وقت اپنے سو سو کلون تیار کرالیں تو ایک ہزار کلون بن جائیں گے۔ ایک آدمی کے سو کلونز میں سے اگر کسی نے جرم کا ارتکاب کیا تو اس کو اب روپوش ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی اور دوسری طرف اس مجرم کی نشاندہی محال ہو جائے گی جس کی وجہ سے روز افزوں جرائم میں اضافہ کے ساتھ ساتھ کسی بھی مجرم کو سزا نہیں مل سکے گی۔ اگر دوسری طرف ایک جرم کے ساتھ اس کے سارے کلونز سزا بھگتیں تو یہ عدل کا تقاضا نہیں۔

۱۷)......کلوننگ میں انسان کی ولدیت اور مادریت کا کوئی علم نہیں ہوگا اور ایک بغیر شناخت والا شخص وجود ثانی کرے گا۔

۱۸)......کلوننگ کے ذریعے پیدا ہونے والے بچے عام بچوں کی طرح نہیں ہوں گے۔ ان کی نشو ونما بھی عام بچوں سے مختلف ہوگی اور وہ بہت سے امراض سے متاثر ہوں گے۔ اس عمل سے پیدا ہونے والے بچے کینسر اور دوسری مختلف بیماریوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ان کا دماغی نظام

کمزور ہونے کی وجہ سے ان کی پرورش میں انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۱۹)......شادی کا رجحان ختم ہو جانے کی وجہ سے جنسی بے راہ روی کو فروغ حاصل ہوگا اور عورتوں میں بے حیائی اور بے پردگی کا رجحان کئی گنا زیادہ ہو جائے گا۔

۲۰)......کلوننگ کا ایک نقصان دہ پہلو یہ بھی ہے کہ ایک عیاش طبع انسان پیسے کی طاقت کی وجہ سے اپنی من پسند حسیناؤں کے ماڈل بنا کر عیاشی وفحاشی کا بازار سجائے گا۔

انسانی کلوننگ ممکن ہے؟

گو کہ ڈولی کی پیدائش کے بعد مختلف تحقیقی اور سائنسی اداروں کے سربراہان اور سائنسدانوں نے انسانی کلوننگ کے امکان بلکہ وقوع کا دعویٰ کیا ہے لیکن سائنسدانوں کی اکثریت نے وقوع کے دعویٰ کو مسترد کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ابھی تک کسی انسان کا کلون تیار نہیں ہوا اور یہی بات درست ہے البتہ مستقبل میں اس کا امکان بھی ہے یا نہیں؟ سائنسدان اس کے امکان کو مسترد نہیں کرتے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے بھی انسانی کلوننگ کے امکانات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس مرحلہ تک پہنچنے میں بڑا وقت اور مال صرف ہوگا۔ پھر اس کے متوقع فوائد حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے انسانی کلوننگ اس لئے ممکن ہے کہ یہ ایک نئی تحقیق ہے اور قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہے۔ یہ حقیقت میں انسان کی فوٹو کاپی بنانا ہے، تخلیق نہیں ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالواحد صاحب لکھتے ہیں:

> ''کلوننگ کے عمل سے یہ خیال نہ ہو کہ اب تو انسان خود صورتیں دینے لگا اور مصور بن گیا کیونکہ اس میں صورت تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے۔ انسان تو اس کی نقل اور مثل یعنی Photocopy بناتا ہے''۔(۱)

بعض علمائے کرام اسکے امکان کو رد کرتے ہیں چنانچہ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب لکھتے ہیں:

> انسانوں میں کلوننگ کا تجربہ ابھی تک کامیاب نہیں ہوا ہے اور قرآن پاک کی آیات کے مطالعہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی انسان کی تولید شاید کلوننگ کے ذریعہ سے

---

(۱) تسہیل بہشتی زیور حصہ دوم ص ۸۸)

نہ ہو سکے۔ مثلاً قرآنِ کریم میں قیامت تک آنے والے انسانوں کو کہا گیا:

﴿ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ﴾(۱)

اور اللہ تعالیٰ نے تم کو مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت تک آنے والے ہر انسان کی پیدائش نطفہ سے ہوگی اور اس کی تولید جنسی ہوگی خواہ وہ حلال رہی ہو یا حرام۔(۲)

اور مریض ومعالج کے اسلامی احکام میں فرماتے ہیں:

قرآن پاک کے مطالعہ سے ہم نے جو سمجھا وہ یہ ہے کہ کلوننگ کے مذکورہ طریقے سے انسان حاصل کرنا شاید ممکن ہی نہیں ہے۔ اس کے دلائل یہ ہیں:

۱)﴿ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ، خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ ﴾(۳)

ترجمہ: اب دیکھ لے آدمی کہ کس چیز سے بنا ہے، بنا ہے ایک اُچھلتے ہوئے پانی سے

۲)﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ﴾(٤)

ترجمہ: اللہ نے پیدا کیا تم کو مٹی سے پھر نطفہ سے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ کر جن کی غیر معمولی تخلیق کی قرآن نے خود صراحت فرمائی ہے باقی تمام انسانوں کی تخلیق کا ذکر قرآن نے یہ کیا کہ وہ نطفہ سے ہوتی ہے اور اس میں بھی غلبہ مرد کے نطفے کو ہے۔

﴿ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴾(٥)

کیا نہ تھا وہ ایک بوند منی کی جو ٹپکی؟

ان آیات میں خطاب تمام انسانوں سے ہے۔ لہٰذا کلوننگ جو کہ غیر جنسی تولید ہے اور جس میں مرد کے نطفہ کو بھی دخل نہیں انسانوں میں ممکن نہیں۔

---

(۱) سورة

(۲) تسهيل بهشتی زيور (حصه دوم ص ۸۸)

(۳) الطارق:٥،٦)

(٤) الفاطر:١١)

(٥) القيامة(:٣٧)۔تسهيل بهشتی زيور (حصه دوم ص ۸۸)

لیکن یہ موقف محل نظر ہے اور اس پر جو دلائل دیئے گئے ہیں ان کا تعلق تخلیق و تولید انسان سے ہے۔ کلوننگ تخلیق ہرگز نہیں ہے۔ اگر کلوننگ تخلیق ہے پھر تو سائنسدان ڈولی کو تخلیق کر کے خالق و مصور بن چکے ہیں۔ صحیح بات وہی ہے جو اس سے قبل نقل کی جا چکی ہے کہ کلوننگ فوٹو کاپی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

تخلیق کا معنی ہے بغیر کسی نمونہ اور بغیر کسی مادہ کی استمداد کے ابتداءً کسی چیز کو وجود بخشنا، جب کسی انسان کا وجود نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں انسان کو پیدا فرمایا تو یہ تخلیق انسانی ہوئی اور اب سائنسدان کلوننگ کے ذریعہ تخلیق نہیں کر رہے ہیں بلکہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ چیزوں کو ترتیب دے کر کسی اور چیز کا حصول ممکن بنا رہے ہیں۔(۱)

فطری عمل تولید اور کلوننگ میں وجوہ فرق

فطری اور متوارث عمل تولید اور کلوننگ کے عمل میں کئی اعتبار سے فرق ہے، مثلاً:

۱)......کلوننگ کے ذریعے عملِ تولید میں دو غیر جنسی خلئیے استعمال ہوتے ہیں جبکہ انسانوں میں فطری طریق تولید جنسی خلیوں سے ہوتا ہے۔

۲)......(کلوننگ میں) دو خلیوں کا حصول اور ان میں ملاپ مصنوعی طریقہ سے کیا جاتا ہے جبکہ فطری طریقہ تولید میں شہوت کے نتیجہ ملاپ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

۳)......مصنوعی طریقہ سے بارآور کیے جانے والے خلیے کو کسی بھی رحم میں نمو کے مراحل کے لئے منتقل کیا جاسکتا ہے جبکہ فطری عمل تولید میں اسی مادہ کے رحم میں بچہ پرورش پاتا ہے جس کا نطفہ ہوتا ہے۔

۴)......کلوننگ سے پیدا ہونے والے بچے کی خصوصیات یک طرفہ ہوں گی جبکہ فطری عمل تولید میں نومولود کی خصوصیات دو طرفہ ہوتی ہیں۔ اس چوتھے نکتہ کی وضاحت یہ ہے کہ کلوننگ میں دو خلیوں کا ملاپ کرایا جاتا ہے جبکہ ان میں سے مرکزہ صرف ایک کا لیا جاتا ہے۔ اب جس کا

(۱) مریض و معالج کے اسلامی احکام (ص۳۰۲)

مرکزہ ہوگا نومولود کی تمام خصوصیات ہو بہو اسی کے مشابہ ہوں گی۔ حتیٰ کہ اگر مرکزہ نر کا ہے تو نومولود نر اور اگر مرکزہ مونث کا ہے تو نومولود مادہ ہوگا۔ پھر اس کی شکل وصورت بھی من وعن اسی کے مشابہ ہوگی جو مرکزہ والے صاحب خلیہ کی ہو اور اسی لئے نومولود کو کلون (انسانی فوٹو کاپی یا ہم شکل) کہا جاتا ہے، جبکہ فطری طریقہ تولید میں ماں اور باپ (نر و مادہ) دونوں کے ملاپ سے پیدا ہونے والے میں دونوں کی خصوصیات مجتمع ہوتی ہیں اور اس طرح نومولود ایک تیسرا مستقبل بالذات شخصیت کا مالک ہوتا ہے خواہ نر ہو یا مادہ۔

۵)......انسانی کلوننگ میں نومولود کی تذکیر و تانیث کا انتخاب حسب منشاء کیا جاسکتا ہے جبکہ فطری تولید میں ایسا ممکن نہیں۔

۶)......کلوننگ میں نر و مادہ یا بغیر نر کے دو مادہ یا صرف ایک ہی مادہ کے دو خلیے حاصل کر کے عمل تولید ممکن ہے جبکہ فطری طریقہ تولید میں نر و مادہ کا ملاپ ضروری ہے اور بغیر نر کے صرف ایک ہی مادہ سے یا دو مادہ کے خلیوں کے ملاپ سے عمل تولید ممکن نہیں۔ الا یہ کہ خاص اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو جس طرح کنواری حضرت مریم سے بغیر شوہر کے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش فرمادی۔

۷)......انسانی کلوننگ کے لئے مردہ جسم کے زندہ خلیے حاصل کر کے بار آوری کے بعد کسی عورت کے رحم میں رکھ کر اس مردہ انسان کی ہو بہو زندہ نقل تیار کی جاسکتی ہے۔ جبکہ فطری عمل تولید میں مردہ ملاپ کی قدرت ہی نہیں رکھتا اس لئے اس کا افزائش نسل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔

۸)...... ہزار ہا برس پرانے مردوں کے خلیے حاصل کر کے ان کی کلوننگ بھی متوقع بتائی جا رہی ہے جبکہ فطری عمل تولید میں اس کا کوئی امکان باقی نہیں رکھا گیا۔ (الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ خاص سے اس مردہ کو دوبارہ زندہ کر دکھائیں مثلاً جس طرح قرآن مجید میں مذکور اصحابِ کہف کا واقعہ اور حضرت عزیرؑ کا واقعہ)۔ یاد رہے کہ سائنسدان اتنے پرانے مردوں کے خلیے عموماً ان جانداروں سے حاصل کر سکتے ہیں جو اس دور میں موجود تھے۔ اور آج بھی ان کی نسلیں ملتی ہیں۔ اس طرح یہ بھی متوقع ہے کہ کسی مطلوبہ شخص کے خلیے محفوظ کر لئے جائیں اور پھر

اس کی موت کے بعد حسب موقع اسؐ جیسے انسان پیدا کر لئے جائیں۔

۹)......اعلیٰ خصوصیات کے حامل یا خوبصورت افراد کے خلیے بیک وقت کئی عورتوں کے رحم میں بارآوری کے بعد رکھوا کر ویسے ہی بے شمار بچے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ جبکہ فطری طریقہ تولید میں قانونی ملاپ (شادی) یا غیر قانونی ملاپ (زنا) کے ذریعے ایسا ممکن تو ہے مگر اول تو وہ بچے قریب قریب مطلوبہ خصوصیات کے حامل ہو سکتے ہیں من وعن ہرگز نہیں اور دوم اس طریقہ سے چند ایک بچے (جتنے کہ ایک عام عورت زندگی بھر میں زیادہ سے زیادہ جنم دے سکتی ہے اور اوسطاً یہ تعداد ۱۰/۱۲ تک ہوتی ہے) ممکن ہیں سینکڑوں ہزاروں ممکن نہیں۔

۱۰)......کلوننگ کے ذریعے ایک ہی خاندان کی مخصوص عادات اور خصوصیات کو مسلسل آگے مستقل کر کے لازوال بنانا متوقع ہے جبکہ فطری طریقہ تولید میں قدرتی طور پر ایک خاص حد تک ایسا ہوتا رہتا ہے اور اس میں مزید ارتقاء بھی جاری رہتا ہے مگر ایک خاص مدت کے بعد اللہ تعالیٰ کسی اور نسل کو آزمانے کیلئے وہی خصوصیات ان سے چھین کر دوسروں کو منتقل کر دیتے ہیں۔ عام طور پر ایک عرصہ تک ایسا ہی سلسلہ چلتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو پہلی پود پر ہی اس سلسلہ کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ کسی ذہین وفطین جوڑے کے ہاں کُند ذہن کا پیدا ہونا یا اس کے برعکس بے وقوفوں اور احمقوں کے گھر ہی ذہین وفطین اور عظیم شخص کا پیدا ہونا اس کی مثالیں ہیں۔

انسانی کلوننگ کی شرعی حیثیت

شرعاً انسانی کلوننگ کا عمل جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے۔ لہٰذا انسانی کلوننگ کے تجربات اور اس بارے تحقیق وریسرچ بھی ممنوع ہے۔ اسلامی ممالک میں اس عمل پر پابندی کی قانون سازی اور اس کے باوجود اس کا ارتکاب کرنے والوں کو سزا دینا ضروری ہے۔

عدم جواز کے دلائل

۱)......فعل دو قسم کا ہے: (۱) خلق (۲) کسب۔ خلق اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان اور غیر انسان دونوں کی تخلیق خود کی ہے اور کسب بندوں کا فعل ہے۔ بندہ فعل کسب میں

خود مختار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسب کے سلسلہ میں انسان کو عام اشیاء کی اجازت دی۔ چنانچہ انسان روزِ اول سے مختلف طریقوں سے عام اشیاء کی کسب کرتا اور ان کو بڑھاتا رہا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو انسان کے نہ کسب کی اجازت دی ہے اور نہ خلق کی۔ انسان کیلئے خلق انسان تو ممکن بھی نہیں البتہ کسب انسانی ممکن ہے لیکن اس کی شریعت نے اجازت نہیں دی۔ اس کو دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خلق انسانی کا ذکر کیا ہے اور اس کی نسبت اپنی ہی طرف فرمائی ہے۔ کسب کا ذکر تک نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ انسان کا کسب جائز ہی نہیں ہے۔

غرضیکہ انسان کا کلون تیار کرنا خلق نہیں کسب ہے۔ خلق صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے اور انسان کے کسب کی اجازت نہیں ہے۔

قال اللہ تعالیٰ ﴿ یٰاَیُّهَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ﴾الآیة (۱)

۲)......انسانی کلوننگ تخلیق تو نہیں لیکن خلق اللہ کے ساتھ مشابہت ہے یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق کی نقل اُتاری جاتی ہے اور تخلیقِ خداوندی کی نقل اُتارنا حرام ہے۔ تصویر کے حرام ہونے کی علت بھی یہی ہے۔ لہٰذا انسانی کلوننگ مضاہات بخلق اللہ تعالیٰ کی وجہ سے حرام ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عائشۃؓ قالت: قدم رسول اللہ ﷺ من سفروقدسترت بقرام لی علی سھوۃ لی فیہ تماثیل فلمارأہ رسول اللہ ﷺ ھتکہ وقال اشد الناس عذابایوم القیمہ الذین یضاھون بخلق اللہ ......الحدیث(۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر سے واپس تشریف لائے۔ میں نے اپنے ایک طاق پر پردہ ڈالا ہوا تھا جس میں تصویریں تھیں، جب رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا تو پھاڑ دیا اور فرمایا قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ

---

(۱) سورۃ النساء(۱:)

(۲) صحیح البخاری(۲/۸۸۰)باب ماوطی من التصاویر

سخت عذاب ان کو دیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی نقل اُتارتے ہیں۔

۳)......شریعت میں توالد و تناسل مقصود ہے لیکن اس کا جنسی طریقہ ہی متعین اور ضروری ہے۔یعنی زوجین میں اللہ تعالیٰ نے شہوت پیدا فرمائی اور دونوں کو ایک دوسرے کی تسکین کا ذریعہ بنایا ہے اور دنوں کے نطفوں کے اختلاط سے اولاد پیدا کرنا اور انسانی سلسلہ کو جاری و ساری رکھنا مقصود ہے۔جبکہ کلوننگ غیر جنسی طریقہ تولید ہے۔لہٰذا یہ شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ کے خلاف ہے۔انسانی کلا ننگ کا عمل عدوان میں داخل ہے۔

قال الله ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُمَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴾(۱)

وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں اور اپنی مملوک باندیوں کے بارے کیونکہ وہ اس بارے ملامت نہیں اور جو لوگ ان کے علاوہ کو ڈھونڈتے ہیں وہ حد سے بڑھنے والے ہیں۔

۴)......شریعت میں حفاظتِ نسل و نسب کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔حتیٰ کہ اسے اسلام کے پانچ بنیادی مصالح و مقاصد میں شمار کیا گیا ہے۔ان مقاصد شریعت کی ترتیب کچھ یوں ہے (۱) حفظِ دین (۲) حفظِ نفس (۳) حفظِ عقل (۴) حفظ نسل (۵) حفظِ مال۔بلکہ امام غزالیؒ نے حفظ نسل کو حفظِ عقل پر مقدم قرار دیا ہے۔(۲)

حفاظتِ نسب کی اتنی اہمیت اس لئے ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کے بے شمار احکام اسی سے متعلق ہیں۔چنانچہ دنیاوی احکام بھی اس سے متعلق ہیں اور اخروی بھی۔اخروی یہ ہے کہ قیامت کے دن باپ دادا کے نام سے پکارا جائے گا۔

عن ابی الدرداء رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ انكم تدعون يوم القيمة باسمائكم واسماء آبا ئكم فاحسنوااسمائكم۔(۳)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں

---

(۱) المومنون:(۷۔۶۔۵)

(۲) اصول الفقه الاسلامی(۱۰۲۸/۲)

(۳) سنن ابی داؤد(۳۳٤/۲) كتاب الادب، باب فی تغيير الاسماء

قیامت کے دن تمہارے ناموں اور تمہارے باپ دادا کے ناموں سے پکارا جائے گا لہٰذا تم اپنے اچھے اچھے نام رکھو۔

اور دنیاوی احکام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) نفقہ اور خرچہ کا وجوب (۲) سکنی کا وجوب
(۳) صلہ رحمی (۴) وراثت کے مسائل
(۵) نکاح کا جواز وعدم جواز (۶) مسائل حجاب و پردہ
(۷) رشتہ داری کے مسائل واحکام (۸) مسائل رضاعت۔

کلوننگ سے حاصل شدہ انسان کا نسب ثابت نہیں ہو سکے گا۔ وہ والدین، بہن بھائی اور دوسرے رشتوں سے کٹ کر محرومی کی زندگی بسر کرے گا اور کلوننگ کی کثرت سے معاشرتی اور خاندانی زندگی تباہ ہو جائے گی۔

۵)...... انسانی کلوننگ کے نقصانات اور مفاسد زیادہ ہیں اور وہ اصولی نوعیت کے ہیں جبکہ اس کے فوائد بہت کم ہیں لہٰذا انسانی کلوننگ کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

ایک استدلال اور اس کا جواب

بعض لوگ انسانی کلوننگ کے جواز پر حضرت آدم، حوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق سے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا کئے گئے اور حضرت حوا آدم کی بائیں پسلی سے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تخلیق انسان کیلئے والدین کا ملاپ ضروری نہیں ہے۔ انسان کی تولید فطری عمل کے بغیر بھی درست ہے اور اس کیلئے غیر جنسی خلیہ کو استعمال کرنا بھی جائز ہے۔ ان حضرات کی تخلیق میں جنسی خلیہ استعمال نہیں کیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام والدہ سے بغیر والد کے تولد ہوئے۔ معلوم ہوا کہ صرف عورت سے ہی تولید ممکن ہے خواہ اس میں مرد کا عمل شامل نہ ہو۔ لیکن ان واقعات سے انسانی کلوننگ کے جواز پر استدلال کرنا کئی وجوہ سے صحیح نہیں:

۱)...... ان غیر معمولی واقعات کا مروجہ کلوننگ سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ کلوننگ کے عمل

میں جس کا خلیہ لیا جاتا ہے تذکیر و تانیث اور شکل وصورت میں کلون اسی کے تابع ہوتا ہے۔ اگر مذکورہ واقعات کلوننگ کے مانند ہوتے تو حضرت حوا آدم کی طرح مرد ہوتی اور شکل وصورت میں بھی کوئی فرق نہ ہوتا اور حضرت مریم سے پیدا ہونے والا بچہ بھی مونث ہوتا اور حضرت مریم کے ہو بہو مشابہ ہوتا۔

۲)......مذکورہ واقعات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات میں سے ہیں اور یہ معجزات کے قبیل سے ہیں اور معجزات پر دوسری چیزوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

۳)......تخلیق کی چار صورتیں ہیں: (۱) وہ تخلیق جس میں مذکر و مونث دونوں کا عمل شامل ہو جیسا کہ عام طریقہ ہے۔ (۲) صرف مذکر سے تخلیق ہو۔ (۳) صرف مونث سے ہو (۴) مذکر و مونث دونوں کے بغیر ہو۔ تخلیق کی مذکورہ چاروں صورتیں اللہ کا فعل ہیں ان میں بندوں کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ پہلی صورت کے بارے مادہ پرست انسان کہہ سکتا تھا کہ اس میں میاں بیوی کا عمل دخل ہے لہٰذا یہ ان کی تخلیق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے باقی تین صورتوں کے ذریعہ انسانوں کی تخلیق کر کے بتادیا کہ تخلیق میرا کام ہے انسان کا نہیں اور ان صورتوں کو عام قرار دینا مقصود نہ تھا بلکہ صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے لہٰذا بقیہ صورتوں کو کلوننگ کے جواز کے لئے مثال بنانا جائز نہیں ہے۔

۴)......مذکورہ تین واقعات تخلیقِ خداوندی کے ہیں کسب کے نہیں۔ جبکہ کلوننگ کا عمل کسب ہے۔ کسب کو تخلیق پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

انسانی کلوننگ کے متبادل

جن حضرات کے ہاں اولاد نہ ہو ان کے علاج کی ایک صورت کلوننگ بھی بتائی جاتی ہے۔ لیکن اول تو کلون کو اولاد نہیں کہا جاسکتا۔ اگر پچاس سالہ عورت کا پچاس سالہ کلون تیار کیا جائے تو کیا یہ کلون اولاد کی جگہ لے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ دوسرے کلوننگ بے شمار مفاسد پر مشتمل ہونے کے باوجود ابھی تک بے اولاد حضرات کے لئے عملی طور پر علاج ثابت نہ ہوسکی جبکہ اس کے مقابلہ میں جدید میڈیکل سائنس نے ہی دو اہم طرقِ علاج فراہم کردیئے ہیں:

(۱) ٹیسٹ ٹیوب بے بی (۲) ایکسی طریقہ علاج۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی تفصیل ہم نے مستقل طور پر کر دی ہے، وہاں دیکھ لی جائے۔ یہاں کلوننگ اور ٹیسٹ ٹیوب بے بی میں فرق لکھنا مقصود ہے۔

کلوننگ اور ٹیسٹ ٹیوب بے بی میں فرق

ٹیسٹ ٹیوب بے بی اور کلوننگ میں کئی فرق ہیں۔ مثلاً:

۱).....کلوننگ میں غیر جنسی خلیات ہی استعمال ہوتے ہیں جس کی وضاحت پہلے آ چکی ہے جبکہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی میں جنسی خلیات کو استعمال کیا جاتا ہے۔

۲).....کلوننگ کے عمل میں صرف مرد یا صرف عورت کے خلیات استعمال ہوتے ہیں جبکہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی میں مرد اور عورت دونوں کے خلیات اور نطفوں کا اختلاط کیا جاتا ہے۔

ایکسی (Icsi) طریقہ علاج

ٹیسٹ ٹیوب بے بی ایک اہم اور قابل عمل علاج ہے اور اس سے بہت سے جوڑے مستفید ہو کر اولاد کی نعمت سے بہرہ ور ہو چکے ہیں۔ لیکن مردوں کی بعض بیماریوں کی وجہ سے یہ علاج بھی کارگر ثابت نہیں ہوتا۔ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا علاج تب کامیاب ہے جبکہ مرد کے تولیدی خلیہ (سپرم، نطفہ) میں حرکت ہو۔ لیکن اگر مرد کے سپرم میں ہی حرکت نہ ہو یا حرکت کم ہو تو یہ طریقہ فیل ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں ایکسی طریقہ علاج کام آتا ہے۔

ایکسی (Icsi) انٹرا سائیٹو پلاسمک اسپرم انجکشن (Intra Cytoplasmic Sperm Injection) کا مخفف ہے۔ اس طریقہ علاج کا مختصر تعارف یہ ہے کہ بعض مردوں کے نظامِ تولید میں کچھ قدرتی اور خارجی عوامل و نقائص ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اولاد نہیں ہو پاتی۔

قدرتی نقائص میں سے چند یہ ہیں:

۱).....نطفہ میں اسپرم کی تعداد کم ہوتی ہے۔

۲).....حرکت کرنے والے اسپرم کی تعداد کم ہوتی ہے۔

۳)......شکل وصورت رکھنے والے اسپرم کی تعداد کم ہوتی ہے۔

خارجی نقائص وعوامل یہ ہیں کہ بعض مردوں کے اسپرم کا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ تعداد بھی مکمل ہوتی ہے اور حرکت بھی تام ہوتی ہے لیکن بعض مرتبہ اسپرمز ٹیسٹس (خصیتین) سے باہر نہیں آ سکتے یا تو اس وجہ سے کہ جس رگ کے ذریعے باہر آتے ہیں وہ زخمی ہو جاتی ہے یا بیمار پڑ جاتی ہے۔ ایکسی طریقہ علاج میں معمولی آپریشن کر کے مرد کے اسپرمز کو براہ راست حاصل کر کے عورت کے بیضہ سے ملا کر رحم میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر قدرتی طور پر رحم میں نشو ونما پا کر بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایکسی طریقہ علاج میں عورت کو ادویات دے کر اس کے پختہ بیضوں کی تعداد بڑھادی جاتی ہے پھر آپریشن کے ذریعہ ان کو نکال کر مرد کے اسپرم سے ملا لیا جاتا ہے۔ پھر ان بیضوں کو انکیوبیٹر (انڈے سینے کی مشین) میں نشو ونما کیلئے رکھا جاتا ہے جس سے بچہ تولد ہوتا ہے۔

اور اگر بانجھ پن کے علاج کیلئے کلوننگ کا عمل ہی اختیار کرنا ضروری ہے تو اس کے جواز کی بھی ایک صورت موجود ہے۔

بذریعہ کلوننگ بانجھ پن کا علاج

اگر کسی شوہر کے جنسی خلیے پیدا ہی نہ ہوتے ہوں یا بہت کمزور ہوں تو ایسی صورت میں مرد کے غیر جنسی خلیہ کی مدد لینا درست ہے۔ لہٰذا مرد کے جسم کے کسی بھی حصہ سے غیر جنسی خلیہ لے کر اس کی بیوی سے حاصل کردہ بیضہ سے بارآور کرا کر بیوی ہی کے رحم میں رکھ دیا جائے اور اس سے بچہ حاصل کیا جائے تو یہ عمل جائز ہے۔ کیونکہ اس میں نہ بدکاری کا شائبہ ہے اور نہ نسب کے بارے میں کوئی شک وشبہ اور اس کی مثال ٹیسٹ ٹیوب بے بی ہے کہ اس میں بھی مجبوری کے وقت میاں بیوی کا نطفہ حاصل کر کے ٹیسٹ ٹیوب میں رکھ دیئے جائیں پھر بارآوری کے بعد بیوی کے رحم میں منتقل کر دیئے جائیں تو یہ جائز ہے۔ اس طرح کلوننگ کے طریقہ پر غیر جنسی خلیہ کے استعمال کی بھی گنجائش ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں جو بچہ پیدا ہوگا وہ شرعاً جائز اور والدین سے ثابت النسب ہوگا اور یہی میاں بیوی اس کے حقیقی والدین شمار ہوں گے۔

کیا کلوننگ تخلیقِ خدا ہے؟

حیوانی کلوننگ کے واقعات ہوں یا انسانی کلوننگ کے، جب ان کی بازگشت انسانوں تک پہنچتی ہے تو لوگ اسے عجیب وغریب واقعہ سمجھتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی تخلیق ہی ہے اور سائنسدانوں نے جانور یا انسان کی تخلیق کر لی اور وہ بھی خالق، باری اور مصور بن گئے۔ دہریہ اور منکرین خدا تو اس کو اپنے نظریہ کیلئے دلیل بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ماننے والے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بعض ایسے واقعات کا اس بنیاد پر انکار کر دیتے ہیں کہ یہ بھی تخلیق ہے اور انسان تخلیق کر ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں، اس بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ جھوٹ ہے۔

لیکن یہ سارے ردِ عمل غلط ہیں کیونکہ کلوننگ خواہ انسان کی ہو نہ تخلیق ہے نہ تخلیق کی مشابہت اور نہ ہی سائنسدان اس کا دعویٰ کرتے ہیں اور نہ ہی وہ جانور یا انسان کلون کر کے خالق، باری اور مصور بنے ہیں بلکہ کلون کے اس عمل سے قرآن کے ایک نظریہ کی تائید ہو گئی۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا۔ حوا کو صرف آدم سے اور عیسیٰ علیہ السلام کو صرف حضرت مریم سے بغیر جنسی عمل کے پیدا کیا۔ یہ واقعہ ہے اور سب مسلمانوں کا یہی ایمان ہے۔ لیکن ہر زمانے میں یہ حقیقت عقل پرستوں اور فلسفیوں کے عقلی اور فلسفی اعتراضات کا ہدفِ تنقید رہی ہے۔ جدید سائنس سے ثابت ہو گیا ہے کہ ایسا نہ صرف ممکن ہے بلکہ واقع بھی ہے۔ لہٰذا کلوننگ سے اسلامی افکار کی توثیق ہوئی۔

کلوننگ تخلیق اس لئے نہیں کہ تخلیق کا معنی ہے۔ ابتداً بغیر نمونہ اور بغیر مادہ کے کسی چیز کو وجود میں لانا، یہاں انسان کا نمونہ پہلے سے موجود ہے نیز انسان ہی کے مادوں اور پہلے سے تخلیق شدہ اشیاء کو ترتیب دے کر انسان یا جانور کی نظیر حاصل کی جاتی ہے۔ لہٰذا کلوننگ کی حقیقت فوٹو کاپی یا تصویر سے زیادہ نہیں ہے۔ پہلے پہل تصویر سازی کو بھی خلق کہا گیا ہے۔

اس کی ذرا تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو تخلیق کیا۔ اس میں بے شمار جنسی اور غیر جنسی خلیے پیدا کیے۔ مرکزہ، کروموسومز، جین وغیرہ انسان میں ودیعت رکھے اور اللہ تعالیٰ نے

انسان ہی سے انسان پیدا کیا جس میں نر اور مادہ کے جنسی خلیات اور دونوں طرف کے مادہ تولید سپرم اور بیضہ کا اختلاط ہوتا ہے۔ یہ چیزیں پہلے مخفی تھیں۔ انسان کو ان کے بارے میں صحیح آگاہی نہ تھی۔ سائنس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی عقل انسانی کے بل بوتے پر ان چیزوں سے پردہ اُٹھایا اور ریسرچ سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ انسان اور جانور کے غیر جنسی خلیوں سے بھی انسان اور جانور کی نظیر حاصل کرنا ممکن ہے۔ پھر طویل ریسرچ اور مختلف تجربات کے بعد عملی طور پر بھی اس کا ثبوت مل گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ اشیاء کو ترتیب دی گئی ہے۔ یہ خود تخلیق ہرگز نہیں ہے۔

مولانا مفتی نظام الدین اعظمی فرماتے ہیں:

اس معاملہ میں ایسے شخص کیلئے جو اللہ تعالیٰ کو رب العالمین مانتا ہے اور ہر نماز شروع کرتے ہی الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے اور اس کی حقانیت کا عقیدہ پہلے سے ہی رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ معاملہ نہ تو محالات عقلیہ میں سے ہوگا اور نہ ممنوعات واقعیہ میں سے ہوگا اور نہ عجائبات دہر میں سے ہوگا اور نہ باعث استعجاب ہوگا بلکہ رب العلمین کے مفہوم کے پیش نظر دین وشرع پر ازدیاد ایمان کا مزید باعث بنے گا۔ اس لئے کہ اس کے عقیدہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام عالم اور عالم کی تمام چیزوں کو پالنے والے اور ترتیب دینے والے ہیں اور تربیت کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کو آہستہ آہستہ سنوارتے اور ترقی دیتے ہوئے مرتبۂ کمال تک پہنچانا اور یہ وصف باری تعالیٰ میں ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ کے مطابق علی وجہ الکمال ہے۔ اس کی مثال یہ سمجھو کہ یہ مشینیں جو کام کررہی ہیں اگرچہ آٹو میٹک ہی کام کرتی ہوں جب بھی ان مشینوں کی حقیقت میں کمال نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس مشین کے بنانے والے اور چلانے والوں کا سمجھا جاتا ہے۔

پس اسی طرح ان ہاتھ پیر مارنے والوں کا کمال نہیں سمجھا جائے گا بلکہ ان ہاتھ پیر مارنے والوں کے دماغ میں جو آٹو میٹک مشین کام کررہی ہے اس کے بنانے والے اور چلانے والے کا کمال سمجھا جائے گا اور وہ آٹو میٹک مشین بنانے والا اور چلانے والا بجز

اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ برابر مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ کبھی کبھی جب مشین کا پرزہ بگڑ جاتا ہے اکثر بڑے بڑے ماہرین عاجز ودرماندہ رہ جاتے ہیں اور بالآخر وہ موت کے گھاٹ اُتر جاتا ہے اور کبھی ایسا مشاہدہ ہوتا ہے کہ سب ماہرین و ہاتھ پیر مارنے والے عاجز و درماندہ ہو چکے ہوتے ہیں اور قادرِ مطلق ومختار خود اپنی مشیت و قدرت سے بالکل توانا وصحت مند کردیتا ہے۔ اور یہ سب امور ﴿ وَمَا تَشَآؤُنَ اِلَّا اَنْ یَشَاءَ اللّٰہُ﴾ کا مظہر بن جاتے ہیں اور فرق یہ نکلتا ہے کہ مومن تو چونکہ پہلے ہی سے ایسی چیزوں کو خالق کائنات کی صناعی اور مظہرِ قدرت قرار دیتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے اس لئے مومن کہلاتا ہے۔ اور دوسرے لوگ اولاً اپنی ایجاد کا کمال سمجھتے ہیں اور اسی پر نظر رکھتے ہیں اور خالقِ کائنات کا کمال اور اس کا احسان نہیں قرار دیتے، اس لئے مومن نہیں کہلاتے۔ ہاں جب عاجز و درماندہ ہو جاتے ہیں تو اس وقت بھی بعض حضرات خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس لئے ایسے لوگ ایمان سے محروم ہی رہ جاتے ہیں۔

رہ گئی بات کہ آخر کار اسی شکل وصورت، رنگ وروغن اور مزاج وخیال کا دوسرا انسان بن کر تیار ہو جائے یہ بات بھی کچھ باعث استعجاب نہیں۔ اس لئے کہ اس کا مشاہدہ ہم دن رات کرتے ہیں جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ ماں باپ کا جزو لئے ہوئے پیدا ہوتا ہے اور جس کا جزو اس میں غالب ہوتا ہے اسی کی شکل وشباہت اور مزاج وخیال وغیرہ غالب ہوتی ہے۔ اس طرح جس کا کوئی حصہ جزو ہو اس کی شکل و شباہت وغیرہ ہو جائے تو کیا استبعاد ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابتدائے آفرینشِ انسانی میں ہی حضرت آدم علیہ السلام کے صرف ایک حصۂ بدن سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا جو حضرت آدم علیہ السلام کے خیال ومزاج وغیرہ کے مطابق مونث ہونے کے باوجود رہیں۔ اس نظیر سے استبعاد اور بھی دُور ہو گیا اور یہ سب اشکالات ان لوگوں کے ذہن میں آتے ہیں جن کی نظر اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر نہیں آتی۔ ورنہ یہ چیزیں ایک مومن کیلئے باعثِ استبعاد ہونے کی بجائے ازدیادِ ایمان کا باعث بنتی ہیں۔ (۱)

(۱) نظام الفتاوی (۱/ ۳٤۰)

(۱۹)

فیملی پلاننگ اور اس کے احکام ومسائل

انسانی آبادی کو کنٹرول کرنے کے لئے جو تحریک چل رہی ہے اسے اردو میں خاندانی منصوبہ بندی کہا جاتا ہے، انگریزی میں فیملی پلاننگ (Family Planning) برتھ کنٹرول اور عربی میں ضبط التولید، تحدید النسل اور تنظیم النسل کہا جاتا ہے۔

بنیادی طور پر فیملی پلاننگ (خاندنی منصوبہ بندی) کی دوصورتیں ہیں۔

(۱) اجتماعی فیملی پلاننگ (۲) انفرادی فیملی پلاننگ۔

اجتماعی فیملی پلاننگ

اجتماعی فیملی پلاننگ کا تحفہ مغرب نے دیا ہے، اہل مغرب نے دیکھا کہ انسانوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے جب کہ اس کے مقابلہ میں اسباب رزق اور وسائل معاش کم ہیں، اگر انسانی تناسل وتوالد کا یہ سلسلہ یونہی جاری وساری رہا تو رہتی دنیا میں انسان وسائل رزق کی کمی کا شکار ہوگا، اس کے پیش نظر انہوں نے نظریہ قائم کرلیا کہ انسانی توالد کی رفتار کو کم کیا جائے اور یہ انفرادی طور پر نہیں بلکہ اجتماعی طور پر ہونا چاہئے، انسانوں کے ذہن سازی کیلئے انہوں نے اس وقت کے میڈیا کا سہارا لیا، نجی اور سرکاری سطح پر اس کے لئے فنڈز مختص کئے گئے، کانفرنسیں ہوئیں، اخبارات، ریڈیو، ٹی وی چینلز کی خدمات حاصل کی گئیں، رفتہ رفتہ یہ نظریہ عام ہوا اور مسلم ممالک میں جڑیں مضبوط ہوئیں اور اب بے شمار مسلمان دانشور بھی اس نظریہ کے داعی اور حامی نظر آتے ہیں، لیکن یہ نظریہ قرآن وحدیث کے بالکل خلاف تھا، علماء کرام اور فقہاء عظام نے بھی ڈٹ کر اس کا مقابلہ کیا، جس کی وجہ سے مسلمانوں کی اکثریت نے اس غلط نظریہ کو

قبول نہیں کیا، تاہم نجی و سرکاری سطح پر اب بھی اس کا پرچار کیا جارہا ہے، اور حکومتیں فیملی پلاننگ کرنے والوں کو مختلف مراعات دے کر دوسروں کو اسکی طرف راغب کرتی ہیں، ابھی حال ہی میں حکومت پنجاب نے اعلان کیا ہے کہ جو خاندان فیملی پلاننگ کرے گا اسے ماہانہ دو ہزار وظیفہ دیا جائے گا۔

پاکستان میں آمد

اجتماعی فیملی پلاننگ کی تاریخ اگرچہ کچھ پرانی ہے مگر اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے ملک پاکستان میں فیملی پلاننگ کا یہ مغربی تحفہ منظم طور پر ایوب خان کے دور میں داخل ہوا تھا، چنانچہ اس کے لئے باقاعدہ الگ سے محکمہ قائم کیا گیا یعنی محکمہ بہبود آبادی یہ محکمہ وفاقی حکومت کے تحت ہے، اس کا الگ سے وفاقی وزیر ہوتا ہے اور اب تک ہر سال اس محکمہ کے لئے بجٹ میں خطیر رقم مختص کی جاتی ہے، اس محکمہ کا محکمہ صحت سے بھی گہرا تعلق ہے۔

مکروہ فقرے اور ناپسندیدہ جملے

اس محکمہ کی اہمیت اور فوائد ایوب خان ہی کے دور حکومت میں حکمرانوں کے ذہنوں پر اتنے چھائے ہوئے ہیں کہ ٹی وی چینلز، ریڈیو، اخبارات، رسائل، اشتہارات اور دیگر ذرائع ابلاغ کی خدمات لی جاتی ہیں، دن رات اس کی تشہیر اور چرچہ کیا جاتا ہے، محکمہ کے ملازمین کو بڑی مراعات اور اچھی تنخواہوں کے علاوہ فیملی پلاننگ کرانے والوں کو بھی نوازا جاتا ہے، لوگوں کی ذہن سازی، ترغیب اور انہیں متوجہ کرنے کے لئے پرکشش مغربی، فقرے اور معنی خیز جملے ایجاد کئے گئے ہیں جو آپ کو سرکاری اور پرائیویٹ ہسپتالوں، عمارتوں، سڑکوں اور گلی کوچوں میں آویزاں نظر آئیں گے مثلاً

......بچے دو ہی اچھے ......چھوٹا خاندان زندگی آسان

......چھوٹا گھرانہ تندرست وتوانا

اسی طرح شہروں میں گھروں کے دروازوں پر بورڈ آویزاں ہوتے ہیں جن پر ایک طرف

چابی بنی ہوتی ہے، ساتھ ماں اور بچے کی تصویر ہوتی ہے، اور ساتھ مذکورہ جملے بھی لکھے ہوتے ہیں۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ رزق کی کنجی محکمہ بہبود آبادی والوں کے پاس ہے، اور زچہ و بچہ کی صحت کا راز ان کے پاس سے ہی مل سکتا ہے، یہ ناپسندیدہ اور مکروہ فقرے ہیں، بچوں کی صحت، زندگی کی آسودگی، رزق کے اسباب اللہ تعالیٰ کے خزانے میں ہیں، اس فکر کی تشہیر پر جتنا خرچہ آتا ہے وہ خرچہ اس کے نتیجہ میں جو بچہ جنم لینے سے بچ جاتے ہیں اگر وہ پیدا ہو جائیں تو ان کے لئے کافی ہو جاتا، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوتا اور وسائل رزق کی کمی کی بات ہی ختم ہو جاتی۔

عجیب تضاد

فیملی پلاننگ کا ڈھونگ صرف عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے رچایا گیا ہے، جو لوگ اس کے داعی ہیں وہ خود اس پر عمل پیرا نہیں ہیں، چنانچہ اہل مغرب کے ہاں کئی کئی بچے ہوتے ہیں، نیز جو مسلمان تارکین وطن وہاں رہائش پذیر ہیں آپ مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ عموماً ان کے بچے ان کے ان رشتہ داروں کے بچوں سے زیادہ ہوتے ہیں جو ہمارے ممالک میں رہائش پذیر ہیں بلکہ برطانیہ اور دوسرے مغربی ممالک میں استطاعت نہ رکھنے والے والدین کو فی بچہ معتد بہ وظیفہ دیا جاتا ہے، میرے علم میں کئی ایسی فیملیاں ہیں کہ انکے بعض افراد یورپ میں رہائش پذیر ہیں اور کچھ افراد پاکستان میں، یورپ میں رہنے والوں کی اولاد پاکستانیوں سے کئی گنا زیادہ ہے، پھر پاکستان کی تاریخ پر نظر ڈالیں یہاں اب تک جتنے صدور، وزراء اور سربراہان مملکت گزرے ہیں سب کے بچے دو سے زیادہ ہیں اور ماشاء اللہ فیملی پلاننگ کسی نے بھی نہیں کی، جن کی اولاد کم ہے اس کی وجہ فیملی پلاننگ نہیں، من جانب اللہ ہی ہے۔

لطیفہ

فیملی پلاننگ منظم طور پر ایوب خان کے دور میں شروع ہوئی لیکن ایوب خان کی اپنی اولاد پھر اولاد کی اولاد کا شمار و حساب مشکل ہے، ایوب خان ہی کے دور میں جس آفیسر کو فیملی پلاننگ کی مہم

سونپی گئی تھی اس کی سربراہی میں یہ تحریک بام عروج پر تھی اسی دوران اس کی ''سیماں'' نامی بیٹی کے ہاں دو جڑواں بچے پیدا ہو گئے، اس کا بڑا چرچا ہوا اور لوگوں میں نیا نعرہ متعارف ہوا۔

سانوں آکھے نو نو
سیماں جمے دو دو

ہمیں کہتے ہیں کہ بچے نہ جنو (No No) اور خود ان کے ہاں دو دو پیدا ہوتے ہیں۔

مغرب کی دوغلی پالیسی

اہل مغرب اور مغرب زدہ لوگوں کی دوغلی پالیسی ملاحظہ کیجئے کہ ایک طرف کہتے ہیں کہ وسائل رزق کم ہیں، بچے پیدا ہوں تو اتنے انسان کہاں سے کھائیں گے، پھر اس مقصد کی تشہیر پر بے شمار رقم خرچ کر ڈالتے ہیں، دوسری طرف کلوننگ کے ذریعہ انسان تیار کرنے کے دعوے ہو رہے ہیں بلکہ بعض کا دعویٰ ہے کہ وہ تیار کر چکے ہیں، اور کلوننگ کے ذریعہ ایک انسان کے بے شمار اور لامحدود کلون تیار کر کے شہروں کے شہر اور ملکوں کے ملک آباد کئے جا سکتے ہیں، یہاں ان کی عقل کو سانپ سونگھ جاتا ہے، وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اتنے انسان کہاں سے کھائیں گے؟ جبکہ انسانی کلوننگ انتہائی مہنگا محنت طلب اور بہت دشوار عمل ہے، اور اس سے حاصل کردہ انسان انتہائی کمزور ہوتا ہے، محنت مزدوری اور وسائل کے فطری طور پر تخلیق شدہ انسان کے مقابلہ میں رزق حاصل کرنا اس کے بس کا روگ نہیں ہے، ایسا انسان دوسروں پر بوجھ ہی بوجھ ہے۔

دورنگی چھوڑ یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

اس کے باوجود مغرب کا کلون ایک فطری طور پر اللہ کے تخلیق کردہ مسلمان بچے سے بہتر ہے لہٰذا لاکھوں کلون تیار کئے جائیں اور مسلمان صحت مند بچے کو جنم لینے ہی نہ دیا جائے۔

عبرتناک واقعہ

ڈاکٹر شوکانی اپنا چشم دید واقعہ لکھتے ہیں:

''میرے ایک قریبی دوست ہیں ان کے محلے میں ایک بڑی ماڈرن اور بے دین قسم کی عورت رہتی تھی، محلے داری کی وجہ سے ان کے گھر آنا جانا تھا، میرا یہ دوست ان دنوں کالج میں پڑھتا تھا، یہ عورت چھوٹا موٹا سودا سلف بھی اسی کے ہاتھ شہر سے منگوالیا کرتی، اس کا خاوند کسی فیکٹری میں مزدوری کرتا تھا، اتفاق کی بات ہے کہ اس کے ہاں نرینہ اولاد نہ تھی، تمام بچیاں ہی بچیاں تھیں، ماڈرن بننے کا شوق، گھر میں بچیوں کی کثرت، پھر بے دینی کی انتہاء، یہ ایسی چیزیں تھیں کہ جن کہ وجہ سے وہ عورت پریشان رہتی، اس بار جب وہ امید سے ہوئی تو اس نے اس لڑکے کو پیسے دیئے کہ کل جب وہ کالج جائے تو اسقاط حمل کی گولیاں لا دے۔ وہ لڑکا ہمارے پاس بیٹھتا تھا جس کی وجہ سے وہ ان مسائل کو بھی جانتا تھا، چنانچہ اس نے بازار سے فیرس سلفیٹ کی چند گولیاں لا کر دے دیں، جو فولاد کی کمی پوری کرتی اور حمل کو مستحکم و مضبوط کرتی ہیں۔ اس نے عورت سے کہا کہ وہ روزانہ صبح دوپہر شام ایک ایک گولی پانی کیساتھ استعمال کرتی رہے، ایک ڈیڑھ ماہ میں حمل ساقط ہوجائے گا، وہ بے چاری بنتی تو ماڈرن تھی لیکن تھی ان پڑھ۔ چنانچہ بےفکری سے گولیاں کھاتی رہی، اور انتظار میں تھی کہ حمل کب گرتا ہے، ادھر اللہ کی قدرت کہ اس کا خاوند دل کے دورہ سے فیکٹری میں ہی فوت ہوگیا۔ اب عورت کا کوئی سہارا نہ تھا، یہ خاوند کے غم میں اسقاط حمل بھول گئی، ایک دن اس دوست سے گفتگو ہو رہی تھی تو ضمناً اس عورت کا ذکر بھی آ گیا، اس نے مجھے یہ سارا واقعہ سنایا کہ اس عورت نے مجھے ایک مرتبہ اس مقصد کے لئے پیسے دیئے تھے لیکن میں نے آپ کے بتائے ہوئے مسائل کی وجہ سے اسے اسقاط حمل کی بجائے دوسری گولیاں لا دی تھیں، اب ہوا یہ کہ اس کے خاوند کی وفات کے بعد جلد ہی اللہ تعالیٰ نے اس کو جڑواں بچے دیئے جو بڑے صحت مند اور خوبصورت تھے، ان بچوں کی پیدائش نے اس کے سارے غم دور کردیئے، اب وہ بچے جوان ہیں کمائی کرتے ہیں اور سارے گھر کا انتظام چلا رہے ہیں، وہ اپنی تین بہنوں کی شادی بھی کر چکے ہیں، اب دیکھیں کہ اگر وہ عورت خاندانی منصوبہ بندی پر عمل پیرا ہوتی تو اس کے گھر کا نقشہ کیا ہوتا؟۔(۱)

(۱) اسلام اور جدید میڈیکل سائنس (ص ۸۵)

اجتماعی فیملی پلاننگ کی شرعی حیثیت

فیملی پلاننگ کی اجتماعی صورت بالاتفاق ناجائز اور حرام ہے، حقیقت یہ ہے کہ عقلاً اور اخلاقاً بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں بنتی اور اب ماہرین معاشیات بھی اس بات کے قائل ہونے لگے ہیں کہ خاندانی منصوبہ بندی سے معیشت کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس میں مختلف قسم کے نقصانات اور مفاسد ہیں، اس کی تفصیل کیلئے استاد محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا رسالہ ''ضبط ولادت کی عقلی و شرعی حیثیت'' ملاحظہ کیا جائے، یہاں صرف شرعی حیثیت کے بارے میں چند وضاحتیں پیش نظر ہیں۔

عدم جواز کے دلائل

اجتماعی فیملی پلاننگ شرعاً ناجائز ہے، اس کا پرچار کرنا، اس ادارے میں شامل ہو کر تعاون کرنا اور اس منصوبہ پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، اس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

۱)..... شریعت سے فیملی پلاننگ کی جو صورتیں ثابت ہیں وہ ساری کی ساری انفرادی اور شخصی نوعیت کی اور عارضی ہیں، ہر شخص ذاتی طور پر اپنے بارے میں اس کا فیصلہ کر کے عارضی منصوبہ بندی کر سکتا ہے، لیکن اسے ایک عالمگیر تحریک بنا کر پرچار کرنا قرآن وسنت کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔

۲)..... تحریکی اور اجتماعی فیملی پلاننگ کی غرض بھی شرعاً فاسد اور باطل ہے، اس کے محرکین کی غرض صرف اتنی ہے کہ آبادی زیادہ ہو جائے گی جبکہ وسائل رزق کم ہیں، یعنی فقر و فاقہ اور غربت و افلاس کے خوف سے فیملی پلاننگ کی جاتی ہے لیکن یہ بات نصوص شرعیہ کے بالکل خلاف ہے، زمانہ جاہلیت میں بھی اس قسم کا نظریہ کارفرما تھا جس کی وجہ سے وہ بچوں کو قتل کر دیا کرتے تھے، جاہلیت میں دو قسم کے نظریہ کے حامل لوگ بچوں کو قتل کیا کرتے تھے:

۱..... بعض واقعتاً یہ غریب و مفلس ہوتے تھے اور بچوں کو کھلانے پلانے کی استطاعت نہ رکھتے تھے۔

۲......بعض وہ لوگ بھی تھے جو غنی اور مالدار تھے لیکن ان کو خطرہ رہتا تھا کہ اگر بچے زیادہ ہو گئے تو آئندہ ہم غربت وافلاس میں مبتلا ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان دونوں قسم کے لوگوں کو قتل اولاد سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ، نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ﴾۔(۱)

یعنی اپنی اولاد کو فقر وفاقہ کی وجہ سے قتل نہ کرو ہم تم کو اور ان کو رزق دیں گے، یہ خطاب فقراء اور مساکین کو ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِنْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ﴾۔(۲)

یعنی فقر اور تنگدستی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل مت کرو ہم آپ کو اور ان کو رزق دیں گے، یہ خطاب اغنیاء اور مالداروں کو ہے، اور یہ حکم صرف حقیقی قتل کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ﴿خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ اور ﴿ مِنْ اِمْلَاقٍ﴾ میں ممانعت کی علت بیان کر کے حکم کو عام کر دیا یعنی افلاس یا افلاس کے خوف سے جس طرح بھی تحدید نسل کی جائے وہ منع ہے، حرام ہے، نیز فیملی پلاننگ میں اگر چہ حقیقی قتل نہیں لیکن حکمی قتل موجود ہے، اصل مقصد انسان کو نابود کرنے سے منع کرنا ہے، قتل میں وجود کے بعد نابود کیا جاتا ہے اور فیملی پلاننگ میں اسے وجود میں آنے سے قبل ہی نابود کر دیا جاتا ہے اور یہ دونوں منع ہیں۔

۳)......یہ کہنا کہ انسانی آبادی بڑھ جائے تو کھائیں گے کہاں سے؟ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کے خلاف بات ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں بلکہ جانوروں اور چرند پرند کا رزق اپنے ذمہ لے رکھا ہے، چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔

(۱) ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا﴾ (۳)

اور زمین میں چلنے والی کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ نہ لے لیا ہو۔

---

(۱) الانعام(۱۵۱)

(۲) الاسراء(۳۱)

(۳) ہود(۶:)

(۲)﴿ وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ﴾ (۱)

اورہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اورہم اسے متعین مقدار میں ہی اتارتے ہیں۔

(۳)﴿ اِنَّا كُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ (۲)

اورہم نے ہر چیز کو متعین مقدار میں پیدا کیا ہے۔

(٤)﴿ وَلَوۡ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزۡقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَلٰكِنۡ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ﴾ (۳)

اوراگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے رزق متعین مقدار سے زیادہ کردے تو وہ زمین میں بغاوت کردیتے، لیکن اللہ اپنی مشیت کے مطابق متعین مقدار میں نازل فرماتے ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مخلوق کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے، اور اللہ تعالیٰ ضرورت کے مطابق رزق نازل فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہر شخص اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ سکتا ہے، تاریخ شاہد ہے کہ جس زمانے میں جس چیز کی جتنی ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا کردیتے ہیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱)...... پہلے زمانے میں اچھی سواری گھوڑا تھا، چونکہ بنیادی ضرورت تھی لہذا گھوڑوں کی کثرت تھی، اب دوسری بے شمار سواریاں آچکی ہیں اس لئے گھوڑوں کی تعداد میں کمی آچکی ہے

۲)...... پہلے پٹرول کی ضرورت کم تھی، صرف کشتیوں پر ملا جاتا تھا، اسلئے اس کی کمی بھی تھی اب اس کی شدید ضرورت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے عام کردیا ہے۔

لہذا اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ جوں جوں انسان کی تعداد بڑھے گی وسائل رزق میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا، اور مشاہدہ بھی ہے کہ انسانوں کی تعداد بڑھنے کے ساتھ اسباب رزق میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔ چنانچہ الیکٹرانک کے سامان، کمپیوٹر اور اس کے متعلقات، عام فون، موبائل فون، عینک، ہر قسم کی گاڑیوں کا کتنا وسیع کاروبار اور عمدہ تجارت ہے، پہلے ان چیزوں کا تصور تک نہ تھا۔

---

(۱) حجر(۲۱:)

(۲) قمر(٤۹:)

(۳) شوریٰ(۲۷:)

نیز ابھی کتنی دنیا بے آباد پڑی ہے، جتنی آبادی زیادہ ہوگی زمین قابل استعمال بن کر کام آئے گی، اور یہ صرف زمین کی بات ہے، سائنسدانوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ آئندہ سو برس میں چاند پر بھی آبادی ممکن ہے، معلوم ہوا کہ وسائل معاش زیادہ ہیں اور انسان بہت کم ہیں، اس بات کی ضرورت ہے کہ انسانوں میں اضافہ ہوتا کہ ان وسائل کو کارآمد بنا کر استفادہ کیا جاسکے۔

۴)......نکاح کے بہت سے مقاصد ہیں ان میں سے اہم اور بڑا مقصد حصول اولاد ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں:

الفائدة الاولیٰ الولدوهوالاصل وله وضع النكاح والمقصودابقاء النسل وان لا يخلص العالم عن جنس الانس۔(۱)

نکاح کا پہلا مقصد اور فائدہ اولاد کا حصول ہے، اور یہی نکاح کی جڑ اور بنیاد ہے، اور اس کے لئے نکاح مشروع کیا گیا ہے اور نکاح کا مقصود نسل انسانی کا ابقاء ہے اور یہ بات کہ دنیا نوع انسانی سے خالی نہ ہو۔

علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

ان الشارع قصد بالنكاح مثلا التناسل اولاثم يتبعه التعفف مماحرم الله اونحوذلك۔(۲)

نکاح سے شریعت کا اولین مقصد تناسل وتوالد ہے پھر عفت اور پاک دامنی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ صورتوں سے بچنا ہے۔

جب شریعت میں نکاح کا بنیادی مقصد ہی حصول اولاد اور سلسلہ تناسل وتوالد کو جاری رکھنا ہے تو اجتماعی اور دائمی فیملی پلاننگ اس مقصد کی ضد ہے اور اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

عبدالحمید محمود طہماز لکھتے ہیں:

فلا تحديد للنسل فى الاسلام ولكن يوجد فى الاسلام فكرة منع الحمل و يجوز ان يلجاء اليهابعض الناس بصفة فردية مستقلة لمعالجة بعض

(۱) احياء العلوم(۲/۲۲۵)

(۲) الموافقات(۱/۲٤٤)

الحالات الطارئة والاعذار المشروعة اللتی تمر بهم و لایجوز استعمالها کسیاسة جماعیة موجهة تودی الی تحدید النسل فی المجتمع۔(۱)

۴)...... مستقل فیملی پلاننگ کے عدم جواز کے جتنے بھی دلائل ہیں (جن کا ذکر آگے آتا ہے) وہ اجتماعی فیملی پلاننگ کے عدم جواز کے دلائل بھی ہیں۔

انفرادی فیملی پلاننگ

انفرادی فیملی پلاننگ سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص مغربی ذہن وفکر اور وسائل رزق کی کمی والے نظریئے سے متاثر نہیں ہوا لیکن شخصی اور ذاتی طور پر حالات ایسے بن گئے ہیں کہ بچوں کا سلسلہ موقوف کرنا ضروری ہو چکا ہے۔

انفرادی فیملی پلاننگ کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس کی ابتداء تین صورتیں ہیں:

۱)...... مستقل اور دائمی فیملی پلاننگ

۲)...... طویل فیملی پلاننگ

۳)...... عارضی اور وقتی فیملی پلاننگ۔

مستقل اور دائمی فیملی پلاننگ تو شرعاً کسی صورت میں جائز نہیں ہے اور عارضی فیملی پلاننگ بعض صورتوں میں جائز ہے اور بعض میں نہیں، ہر ایک کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

مستقل فیملی پلاننگ کی شرعی حیثیت

دائمی اور مستقل فیملی پلاننگ کرنا کرانا شرعاً جائز نہیں ہے، اس کا بھی وہی حکم ہے جو اجتماعی اور تحریکی فیملی پلاننگ کا ہے، دائمی فیملی پلاننگ کا مطلب یہ ہے کہ مرد یا عورت کے عضو تناسل میں ایسی داخلی یا خارجی تبدیلی کر لی جائے جس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے توالد وتناسل کا سلسلہ منقطع ہو جائے، اور اس میں تناسل کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے۔ پہلے زمانہ میں اس کی صورت یہ تھی کہ مردوں کو خصی کر دیا جاتا تھا اور خصی کرنے کی بھی دو صورتیں تھیں:

(۱) الفقه الحنفی فی ثوبه الجدید(۲ /۳۹)

۱...... خصیتین کو کاٹ کر جدا کر دینا (Castration)۔
۲...... خصیتین کو کاٹ کر جدا نہ کیا جاتا بلکہ انہیں اندر اندر ہی کسی پتھر وغیرہ آلہ سے کوٹ کر معطل اور بے کار کر دیا جاتا، آج کل مردوں کی دائمی فیملی پلاننگ آپریشن (Vasectioni) ہے جبکہ عورتوں کی مستقل فیملی پلاننگ کی مختلف صورتیں رائج ہیں مثلاً:

۱)...... رحم کو نکال لینا یا کاٹ کر جدا کر لینا (Hysterectoray)
۲)...... رحم کی نالیوں کو مستقل بند کر دینا (tubal ligation)
۳)...... رحم کی نالیوں کو گرہ دے کر قطع کر دینا (REsection with ligation)
۴)...... بچہ دانی نکال دینا

☆ اب مردوں کا بھی ایسا آپریشن کیا جاتا ہے کہ جس کے بعد وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتے۔

مستقل فیملی پلاننگ کو قطع نسل اور مصنوعی بانجھ پن (Sterilization) بھی کہا جاتا ہے
علامہ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

یحرم استئصال القدرة علی الانجاب فی الرجل اوالمرأة وهومایعرف ب (العقام)او(التعقیم)مالم تدع الی ذلك ضرورة بمعا ییرها الشرعیة۔(۱)

عدم جواز کے دلائل

اگر مستقل فیملی پلاننگ اس نظریہ سے کیا جائے کہ وسائل رزق کم ہے بچے کہاں سے کھائیں گے تو اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے بلکہ یہ دوگنا گناہ ہے، اور اس کے عدم جواز کے دلائل آنے والے دلائل کے علاوہ وہ بھی ہیں جو اجتماعی فیملی پلاننگ کے بارے میں ہم نے ذکر کر دیئے ہیں، اور اگر یہ نظریہ پیش نظر نہ ہو تو بھی ناجائز اور حرام ہے اور اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) الفقه الاسلامی وادلته(۵۱۵۶/۷)

پہلی دلیل

دائمی فیملی پلاننگ کی صورتیں آج کل طب اور میڈیکل کی ترقی کی وجہ سے متعدد ہیں لیکن عہد نبوی میں اس کی ایک عام صورت اختصاء رائج تھی یعنی مردوں کو خصی کر لینا، رسول اللہ ﷺ نے خصی کرنے کرانے سے سختی سے منع فرمایا ہے اور اسکی علت یہی ہے کہ خصی ہو جانے کے بعد انسان دائمی طور پر سلسلہ ولادت سے محروم ہو جاتا ہے لہذا اصول یہ معلوم ہوا کہ فیملی پلاننگ کی کوئی بھی ایسی صورت اختیار کرنا کہ جس کی وجہ سے آدمی ہمیشہ کے لئے توالد و تناسل کا اہل نہ رہے ناجائز اور حرام ہے۔

"عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال: رد رسول الله ﷺ علی عثمان بن مظعون التبتل ولواذن له لاختصینا"۔(۱)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی تبتل (عورتوں سے علیحدگی) کی درخواست رد کر دی تھی، اور اگر آپ ﷺ اس کی اجازت عطا فرما دیتے تو ہم اپنے آپ کو خصی کر لیتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فان الاختصاء فی الآدمی حرام صغیرًا کان او کبیرًا"۔ (۲)

یعنی انسان کو خصی کرنا حرام ہے چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔

(۲) قال عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ کنا نغزو مع رسول الله ﷺ ولیس لنا شئی فقلنا الا نستخصی، فنهانا عن ذلك۔ (۳)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں تھے اور ہمارے ساتھ بیویاں نہ تھیں تو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا ہم خصی نہ ہو جائیں تو

---

(۱) صحیح المسلم (۱/۴۴۹) کتاب النکاح باب استحباب النکاح...... الخ، وکذا فی صحیح البخاری (۲/۷۵۹) کتاب النکاح۔

(۲) شرح المسلم (۱/۴۴۹)

(۳) صحیح البخاری (۲/۷۵۹)

آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع کردیا۔

(۳)عن ابی هريرةؓ قال قلت يا رسول الله انی رجل شاب واناا خاف علی نفسی العنت ولا اجد ما اتزوج به النساء فسكت عنی ثم قلت مثل ذلك فسكت عنی ثم قلت مثل ذلك ،فسكت عنی ثم قلت مثل ذلك،فقال النبی ﷺ یااباهريرة جف القلم بماانت لاق فاختص علی ذلك اوذر۔(۱)

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول میں جوان آدمی ہوں اور مجھے اپنے بارے میں بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے اور میں عورتوں سے نکاح کی استطاعت بھی نہیں رکھتا (لہذا مجھے خصی ہونے کی اجازت دیدیں) آپ علیہ السلام خاموش رہے، میں نے پھر کہا، آپ خاموش رہے، میں نے پھر اسی طرح کہا آپ خاموش رہے چوتھی مرتبہ میرے کہنے پر فرمایا کہ اے ابو ہریرہ جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور جس پر قلم خشک ہو چکا ہے وہ ہو کر رہے گا خواہ تم خصی ہو یا نہ ہو۔

مجوزین کی طرف سے اعتراض

فیملی پلاننگ کے مجوزین اس دلیل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ فیملی پلاننگ اور خصی کرنے میں دو بڑے فرق ہیں:

۱)......خصی کئے جانے کے بعد انسانی شہوت بالکلیہ ختم ہو جاتی ہے، اور انسان جماع کے قابل نہیں رہتا لیکن فیملی پلاننگ کی صورت میں صرف مادہ تولید ختم ہوتا ہے انسان اس کے باوجود جماع پر قادر ہوتا ہے۔

۲)......خصی کرنا مردوں کے ساتھ خاص ہے جبکہ فیملی پلاننگ مرد وعورت دونوں کر سکتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ ان دونوں فرقوں سے بھی مستقل فیملی پلاننگ کے عدم جواز پر اثر نہیں پڑتا اور اس کے باوجود خصی کرنے سے ممانعت فیملی پلاننگ کے عدم جواز کی دلیل بن سکتی ہے، دوسرا

(۱) صحیح البخاری(۲/۷۵۹) ایضاً

فرق تو ویسے ہی نظر انداز کردینے کے قابل ہے، کیونکہ اس زمانے میں اختصاء مذکر کے ساتھ خاص تھا، فیملی پلاننگ بھی اختصاء کی جدید صورت ہے اور مردوں کے ساتھ خاص نہیں ہے، لیکن نہی کی علت تو موجود ہے۔ جہاں تک پہلے فرق کا تعلق ہے تو اس کے دو جواب ہیں۔

پہلا جواب

یہ کہنا کہ اختصاء کی صورت میں قوت جماع ختم ہو جاتی ہے اور نس بندی کی صورت میں قوت جماع ختم نہیں ہوتی یہ فرق محل نظر ہے، اختصاء کی بعض صورتوں میں بھی قوت جماع باقی رہتی ہے، فقہاء کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے، بلکہ فرمایا ہے کہ خصی جماع میں زیادہ سخت ہوتا ہے ،یہی وجہ ہے کہ اس سے پردہ ضروری ہے، اور اس کی بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہو تو وہ خصی سے ثابت النسب ہوگا، بلکہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ مجبوب یعنی مقطوع الذکر کا بھی انزال ہوسکتا ہے وہ بھی جماع کے قابل ہے اور اس کے بھی بچے کا نسب ثابت ہوگا۔

ہدایہ میں ہے:

والخصی فی النظر الی الاجنبیة کالفحل...... لانه فحل یجامع و کذا المجبوب لانه یسحق وینزل۔(۱)

خصی آدمی اجنبی عورت کی طرف دیکھنے میں (عدم جواز میں) عام نر کی طرح ہے...... کیونکہ وہ بھی نر ہے جماع کرسکتا ہے، اور یہی حکم مقطوع الذکر کا ہے کیونکہ وہ رگڑ کر انزال کرسکتا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

حتی قیل اشدالجماع جماع الخصی لان آلته لاتفتر۔(۲)

یہاں تک کہا گیا ہے کہ جماع میں سب سے سخت خصی کا جماع ہے کیونکہ اس کے آلہ تناسل میں فتور نہیں آتا۔

---

(۱) الهدایة(۷/٤٦٦) کتاب الکراهیة

(۲) البنایه شرح الهدایه(۱٤/٥٠٤)

مجبوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولهذا لو جاء ت امرأته بولد يثبت نسبه منه فصار هو و الفحل بمنزلة واحدة۔

یہی وجہ ہے کہ اگر اس کی بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا تو اس کا اسی سے نسب ثابت ہوگا لہذا وہ اور نر آدمی ایک ہی مرتبہ کے ہوئے۔

معلوم ہوا کہ خصی انسان بھی جماع پر قدرت رکھتا ہے، اس کی صرف قوت تولید ضائع ہو جاتی ہے، نس بندی بعینہ اختصاء ہی کی صورت قرار پائی لہذا اختصاء کی طرح وہ بھی حرام اور ناجائز ہے کیونکہ اختصاء کی تمام صورتیں حرام ہیں۔

ومن ضرب عضوا فاذهب منفعته ففيه دية كاملة كاليد اذا شلت والعين اذا ذهب ضوؤها لان المتعلق تفويت جنس المنفعة لا فوت الصورة ومن ضرب صلب غيره فانقطع ماؤه يجب الدية لتفويت جنس المنفعة۔(۱)

اگر کسی نے عضو پر مارا اور اس کے منفعت کو زائل کر دیا (اگر چہ وہ عضو باقی رہے) تو اس میں کامل دیت ہے جیسے ہاتھ جب شل ہو جائے اور جب آنکھ کی بینائی چلی جائے، کیونکہ دیت کے وجوب کا تعلق منفعت کی جنس کے فوت کرنے سے بھی ہے، نہ کہ صرف صورت فوت ہونے سے اور جس نے دوسرے کی پشت پر وار کیا اور اس کا مادہ تولید (منی) ختم ہو گیا تو منفعت جنس فوت کرنے کی وجہ سے دیت واجب ہے۔

دوسرا جواب

عام جنایات میں دو قسم کی اشیاء مدنظر ہوتی ہیں (۱) عضو (۲) عضو کی منفعت، دونوں کا ضائع کرنا جرم اور ناجائز ہے، عضو کے ضیاع سے منفعت کا ضیاع خود بخود ہو جاتا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ منفعت زائل ہو تو عضو بھی ضائع ہو، بعض اوقات عضو ضائع نہیں ہوتا بلکہ منفعت ختم ہو جاتی ہے، یہ بھی شرعاً جنایت ہے اور اس پر باقاعدہ ضمان آتا ہے۔

(۱) الهداية (٤/٥٨٣) كتاب الديات

جہاں تک آلات تناسل میں جنایت کا تعلق ہے تو یہاں تین چیزیں ہوتی ہیں (۱) عضو (۲) قوت شہوتیہ (۳) قوت تولید، ان تینوں کا ازالہ جرم اور ناجائز ہے، یہی وجہ ہے کہ اختصاء کی ہر صورت حرام ہے حالانکہ اختصاء میں عضو تناسل موجود ہوتا ہے، اور بعض اوقات خصیتین نکالے بھی نہیں جاتے، بلکہ وہ ویسے ہی معطل اور بے کار کر دیئے جاتے ہیں جس کی وجہ سے قوت شہوتیہ ختم ہو جاتی ہے۔

فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی کو اس طرح مارا کہ عضو تو ضائع نہ ہو لیکن اس کی منفعت ختم ہو جائے تو بھی کامل دیت واجب ہے۔ ہدایہ میں ہے:

ومن ضرب عضوافاذهب منفعته ففيه دية كاملة كاليد اذاشلت والعين اذا ذهب ضوئهالان المتعلق تفويت جنس المنفعة لافوت الصورة ومن ضرب صلب غيره فانقطع ماؤه يجب الدية لتفويت جنس المنفعة۔(۱)

اور اگر کسی نے عضو پر وار کیا اور اس کی منفعت کو ختم کر دیا تو اس میں کامل دیت ہے جیسے ہاتھ پر مارا اور وہ شل ہو گیا اور آنکھ پر مارا اور اس کی بینائی ختم ہو گئی اس لئے کہ دیت کا تعلق جنس منفعت فوت کرنے سے بھی ہے صرف صورت فوت کرنے سے نہیں ہے، اور اگر کسی نے دوسرے کی پشت پر مارا اور اس کی منی ختم ہو گئی تو دیت واجب ہے جنس منفعت فوت کرنے کی وجہ سے۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

واماالذى فيه دية كاملة فالكلام فيه فى موضعين......اماالسبب فهوتفويت المنفعة المقصودة من العضوعلى الكمال وذلك فى الاصل بأحذامرين : ابانة العضواواذهاب معنى العضومع بقاء العضو صورة......واماذهاب معنى العضومع بقاء صورته نحو العقل والبصروالشم والذوق والجماع والايلاد بان ضرب على انسان فذهب عقله او سمعه او كلامه اوشمه اوذوقه او جماعه اوايلاده......واماالسمع والبصروالكلام والشم والذوق والجماع و

(۱) الهندية(٤/) كتاب الديات

الایلاد فکل واحدمنھما منفعة مقصودة وقدفوتھا کلھا۔(۱)
یعنی کسی پر جنایت کرنے کی وجہ سے جو کامل دیت واجب ہوتی ہے اس کا سبب عضو کے منفعت مقصودہ کو کامل طور پر فوت کرنا ہے، اور منفعت مقصودہ فوت ہونے کی دو صورتیں ہیں (۱) عضو کو علیحدہ کر کے پھینک دینا (۲) عضو باقی رہے مگر اس کا بنیادی مقصد فوت کر دیا جائے ...... عضو کی صورت باقی رہنے کے باوجود اس کی منفعت ختم کرنے کی صورت یہ ہے کہ کسی انسان کو اس طرح مارا کہ اس کی عقل یا شنوائی یا بینائی یا سونگھنے و چکھنے کی قوت یا جماع کرنے یا بچہ جننے کی قوت ختم ہوگئی...... کیونکہ سننا، دیکھنا، بات کرنا، سونگھنا، جماع کرنا، اور بچہ جننا ان میں سے ہر ایک منفعت مقصودہ ہے اور اس نے ساری منفعت کو ضائع کیا ہے۔

علامہ کاسانیؒ کی بات سے دوٹوک واضح ہو گیا کہ دو قسم کی جنایتیں شدید ہیں اور ان میں کامل دیت واجب ہوتی ہے (۱) عضو کا ختم کر دینا (۲) عضو باقی ہو مگر اس کا بنیادی مقصد فوت کر دیا جائے، اور اس میں یہ صورت بھی شامل ہے کہ آپریشن وغیرہ سے انسان کی قوت تولید (ایلاد) یا قوت جماع ختم کردی جائے، اگرچہ اس کا عضو باقی ہو، فیملی پلاننگ میں بعینہ یہی صورت ہوتی ہے کہ عضو اور قوت جماع باقی رہتی ہے مگر قوت ایلاد کو ختم کر دیا جاتا ہے لہذا یہ ناجائز اور حرام ہے۔

دوسری دلیل

مستقل فیملی پلاننگ تغییر لخلق اللہ میں داخل ہے اور تغییر لخلق اللہ ناجائز اور حرام ہے، یہ شیطانی عمل ہے کیونکہ شیطان جب اللہ تعالیٰ کے دربار سے مردود ہوا تو اس نے چند باتوں کی دھمکی دی تھی ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں حضرت آدمؑ کی اولاد کو تغییر لخلق اللہ کا حکم دوں گا۔(۲)

(۱) بدائع الصنائع (۶/۳۹۲) کتاب الجنایات

(۲) النساء: (۱۱۹)

تغییر لخلق اللہ کی حقیقت کے بارے میں مفسرین عظام کے اقوال مختلف ہیں، قدر مشترک یہ ہے کہ انسان کے جسم میں ایسی تبدیلی کرنا جس سے اس کی تخلیق کا مقصد اصلی فوت ہو جائے، تغیر خلق اللہ ہے، اس کے پیش نظر مستقل فیملی پلاننگ کی کوئی بھی صورت لی جائے وہ تغیر خلق اللہ میں شامل ہے مثلاً آپریشن کر کے نس بندی کر لی یا بچہ دانی نکال ڈالی یا رحم کی نالیاں بند کر دیں تو یہ ایسی تبدیلی ہے کہ جس کی وجہ سے عورت تولید کے قابل نہیں رہتی جبکہ تولید ہی اس کی تخلیق کا مقصد اصلی ہے۔ شاہ ولی اللہ میں فرماتے ہیں:

وكان اعظم سباب النسل واكثرها وجودا وافضاها اليه واحثها عليه هو شهوة الفرج فانها كالمسلط عليهم منهم يقهرهم على ابتغاء النسل اشاء وام ابوا، وفي جريان الرسم باتيان الغلمان ووطء النساء في ادبارهن تغيير خلق الله...... وكذلك جريان الرسم بقطع اعضاء النسل واستعمال الادوية القامعة للباءة والتبتل وغيرها تغيير لخلق الله عزوجل واهمال لطلب النسل فنهى النبي ﷺ عن كل ذلك۔(۱)

اسباب نسل میں سب سے بڑا، اکثری اور اس پر سب سے زیادی برانگیختہ کرنے والا سبب شہوت فرج ہے گویا کہ انسان اس کی وجہ سے نسل کی طلب پر مجبور ہیں وہ چاہیں یا نہ چاہیں اور اغلام بازی اور عورتوں سے غیر فطری عمل کرنے کی رسم میں تغیر خلق اللہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا تھا اس سے روکا جا رہا ہے، اور اسی طرح اعضاء نسل کو کاٹنا اور قوت باہ کو ختم کرنے والی ادویہ کا استعمال کرنا اور تجردی زندگی اختیار کرنے کی رسم بھی تغییر خلق اللہ اور طلب نسل کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔

تیسری دلیل

اجتماعی اور مستقل فیملی پلاننگ کے عدم جواز کی تیسری دلیل یہ ہے کہ مستقل فیملی پلاننگ مثلہ یا مثلہ کی طرح عمل ہے اور مثلہ شریعت میں ناجائز اور حرام ہے۔ مثلہ (Mutilation) کہتے

(۱) حجة الله البالغه (۲/۱۳٤) آداب المباشرة

ہیں زندہ یا مردہ انسان کے بعض اعضاء کاٹ کر اس کی خلقی ہیئت اور وضع کو بگاڑ دینا۔
ابن الاثیر جزری میں فرماتے ہیں:

فيه انه نهى عن المثلة يقال: مثلت بالحيوان امثل به مثلا اذاقطعت اطرافه و شوهت به ومثلت بالقتيل اذ اجدعت انفه اواذنه اومذاكيره اوشئيامن اطرفه۔(۱)

یعنی میں نے حیوان کا مثلہ کیا یہ تب کہو گے جب تم اس کے اعضاء کاٹ دو اور اسے بد شکل بنا دو اور میں نے مقتول کا مثلہ کیا یہ تب کہو گے جب تم اس کی ناک یا اس کے کان یا اس کے اعضاء تناسل یا اس کے دیگر اعضاء کاٹ ڈالو۔

مثلہ زندہ کا بھی ہوتا ہے

معجم اللغۃ الفقہاء میں ہے:

المثلة بضم فسكون مصدر مثل يمثل ج مثلات، العقوبة والتنكيل، التشويه بقطع اعضاء اللحى والميت۔(۲)

یعنی زندہ اور مردہ انسان کے اعضاء کاٹ کر اس کی ہیئت اور وضع کو بدل دینا۔

مذکورہ حوالوں سے ثابت ہوا کہ زندہ انسان کے اعضاء تناسل کا کاٹ دینا مثلہ ہے اور مثلہ بننے کے لئے پورے اعضاء کا کاٹنا ضروری نہیں ہے بلکہ بعض حصہ کاٹ دینا یا اس میں ایسی تبدیلی کرنا بھی مثلہ ہے جس سے عضو کی تخلیق کا بنیادی مقصد ہی فوت ہو جائے اور مستقل فیملی پلاننگ میں ایسا ہی ہوتا ہے لہذا یہ بھی مثلہ یا مثلہ کی طرح ہے اور حرام و ناجائز ہے۔

چوتھی دلیل

اجتماعی اور مستقل خاندانی منصوبہ بندی اسلامی تعلیمات اور مقصد شریعت کے سراسر خلاف

(۱) النهاية فى غريب الحديث والاثر (۴/۲۹۴) باب الميم مع الثاء

(۲) معجم اللغة الفقهاء (۴۰۴) المادة ميم

ہے، اسلامی تعلیم یہ ہے کہ نکاح کیا جائے اور اولاد و نسل کو بڑھایا جائے، بلکہ زیادہ بچے جننے والی عورت سے نکاح کرنے اور حتی الامکان بانجھ سے نکاح کرنے سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

عن معقل بن یسارؓ قال قال رسول الله ﷺ تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم۔ رواه ابوداؤد والنسائی۔(۱)

معقل بن یسارؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ محبت کرنے والی کثرت سے بچے جننے والی عورت سے نکاح کیا کرو کیونکہ میں تمہاری (کثرت) کی وجہ سے امتوں پر فخر کروں گا۔

مستقل فیملی پلاننگ کے جواز کی صورت

آیا مستقل فیملی پلاننگ کے جواز کی کوئی صورت بنتی ہے، بعض حضرات نے بعض اعذار کی وجہ سے اجازت لکھی ہے۔(۲)

لیکن یہ بات محل نظر ہے، بندہ کے خیال میں ان سب اعذار کا حل عارضی خاندانی منصوبہ بندی میں موجود ہے، لہٰذا بوقت ضرورت اس سے کام لیا جاسکتا ہے کیونکہ کسی بھی ڈاکٹر کے پاس ایسا کوئی پیمانہ نہیں کہ جس کا بناء پر یہ کہا جاسکے کہ فلاں عورت پندرہ بیس سال کے بعد بھی بچوں کی ولادت کے قابل نہ رہے گی بلکہ اکثر و بیشتر دیکھا گیا ہے کہ مستقل طور پر نس بندی کرنے والی خواتین بعد میں اس کے قابل ہوجاتی ہیں اور ان کو بچوں کی خواہش بھی ہوتی ہے، لیکن اس وقت وہ اس عظیم گناہ کے مکافات عمل کا شکار ہوچکی ہوتی ہیں، البتہ بعض اوقات طویل عرصہ تک اولاد کا سلسلہ موقوف کرنا ضروری ہوجاتا ہے اور عارضی فیملی پلاننگ محدود مدت تک ہوتی ہے اور بار بار خرچہ بھی آتا ہے، اس کا حل یہ ہے کہ طویل خاندانی منصوبہ بندی اختیار کر لی جائے، مثلاً رحم کو الٹا کردیا جائے، اسے آپریشن کے ذریعہ مدت طویلہ کے بعد درست کیا جاسکتا ہے، مستقل فیملی پلاننگ کسی صورت میں جائز نہیں اسکی دلیل یہ ہے کہ اس کے عدم جواز کی نظیر اختصاء

(۱) مشکوۃ المصابیح(۲۶۷/۶)

(۲) فتاوی محمودیه(۲۹۱/۱۸)

ہے اور اختصاء کسی صورت جائز نہیں ہے البتہ ایک صورت جواز کی یہ بن سکتی ہے کہ عورت کا رحم یا بچہ دانی خراب ہو جائیں یا ان کو کینسر ہو جائے اور اس سے جان کو خطرہ ہو تو اسے نکالے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو پھر نکالنا جائز ہے۔

جواز کے دلائل اور ان کے جوابات

جو حضرات مستقل اور اجتماعی فیملی پلاننگ کو جائز کہتے ہیں وہ بھی کچھ دلائل پیش کرتے ہیں جن میں سے اہم دلائل دو ہیں۔

پہلی دلیل: عزل پر قیاس

بعض مجوزین نے مروجہ مستقل فیملی پلاننگ کو عزل پر قیاس کیا ہے عزل کا مطلب یہ ہے کہ دخول کے بعد جب انزال ہونے لگے تو مرد اپنے عضو مخصوص کو عورت کی شرمگاہ سے نکال دے اور باہر فارغ ہو جائے، اس طرح مرد کا مادہ تولید عورت کے رحم میں نہیں پہنچ سکے گا اور حمل ٹھہرنے کا خطرہ ختم ہو جائے گا اور عزل کا جواز احادیث سے ثابت ہے لہذا فیملی پلاننگ بھی جائز ہے۔

جواب اول

عزل کا جواز مطلق نہیں ہے، اس بارے میں دونوں قسم کی احادیث مروی ہیں، بعض میں اس کی اجازت منقول ہے اور بعض میں اس سے منع کیا گیا ہے، اور بعض میں عزل کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے، نمونہ کے لئے ایک ایک روایت ملاحظہ ہو۔

(۱) عن ابی الزبیر عن جابر بن عبداللہؓ قال: کنا نعزل علی عهد رسول الله ﷺ فبلغ ذلك النبی ﷺ فلم ینهنا عنه۔ (۱)

---

(۱) صحیح المسلم (۱/۴٦٥)

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عزل کیا کرتے تھے اس کی خبر نبی ﷺ تک پہنچی اور آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع نہ فرمایا۔

نبی ﷺ کی تقریر سے معلوم ہوا کہ عزل جائز ہے۔

(۲)عن عائشة عن جدامة بنت وهب ......ثم سألوه عن العزل فقال رسول الله ﷺ ذلك الوأد الخفي...... وهي ﴿إِذَا الْمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ﴾-(۱)

حضرت جدامہ بنت وہب سے روایت ہے کہ لوگوں نے نبی ﷺ سے عزل کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وأدی خفی ہے یعنی خفیہ طور پر بچوں کو زندہ درگور کرنا ہے، اور یہی بات قرآن مجید میں ہے کہ زندہ درگور کی گئی بچی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عزل جائز نہیں ہے۔

(۳)عن ابى سعيد...... فقال لاعليكم ان لاتفعلوا ما كتب الله خلق نسمة هى كائنة الى يوم القيامة الا استكون-(۲)

ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا تم پر کوئی ضرر نہیں کہ عزل نہ کرو، کیونکہ قیامت تک جتنے انسان پیدا ہونے کا اللہ نے فیصلہ کرلیا ہے وہ پیدا ہو کر رہیں گے۔

امام مسلمؒ اس حدیث کے بارے میں حضرت ابن سیرین اور حسن بصریؒ کے اقوال یوں نقل فرماتے ہیں۔

(۱)ابن سیرین فرماتے ہیں: لاعليكم اقرب الى النهى یعنی نبی ﷺ نے جو فرمایا کہ نہ کرنے میں ضرر نہیں ہے۔ یہ الفاظ نہی کے زیادہ قریب ہیں۔

(۲)حسن بصری فرماتے ہیں: والله لكأن هذا زجر اللہ کی قسم ایسے لگتا ہے کہ گویا یہ ڈانٹنے کے لئے فرمایا ہے۔

---

(۱) صحيح المسلم(۱/٤٦٦)

(۲) صحيح المسلم(۱/٤٦٤)

سب احادیث کو سامنے رکھ کر فقہاء کرام کا فیصلہ یہ ہے کہ عزل ہے تو جائز لیکن پسندیدہ نہیں ہے، لہذا عزل کو بنیاد بنا کر خاندانی منصوبہ بندی کی مروجہ تحریک کو جائز کہنا کسی طرح بھی درست نہیں۔

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

"المصلحة النوعية ان لايعزل ليتحقق كثرة الاولادوقيام النسل"۔(۱)

نوعی مصلحت یہ ہے کہ عزل نہ کیا جائے تا کہ اولاد کی کثرت اور نسل کے قیام کا تحقق ہو سکے۔

دوسرا جواب

عزل کو جو فقہاء کرام نے جائز قرار دیا ہے وہ جائز اور صحیح اغراض کے لئے ہے اور وہ بھی عارضی، وقتی اور شخصی ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، اور مروجہ خاندانی منصوبہ بندی اجتماعی اور قومی سطح کا معاملہ ہے اور ہے بھی مستقل اور دائمی۔

تیسرا جواب

عزل اور خاندانی منصوبہ بندی میں کئی اعتبار سے فرق ہے لہذا فرق کی وجہ سے مروجہ خاندانی منصوبہ بندی کو عزل پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، وہ فرق مندرجہ ذیل ہیں:

۱)......عزل صرف میاں بیوی کا ذاتی عمل ہے اور اس میں غیر متعلقہ شخص کا کوئی عمل دخل نہیں ہے لیکن خاندانی منصوبہ بندی محض میاں بیوی کا عمل نہیں بلکہ اس میں تیسرے فرد یعنی ڈاکٹر کی خدمات لی جاتی ہیں، اس کے تعاون کے بغیر یہ ناممکن ہے۔

۲)......عزل میں آپریشن اور عمل جراحی کی ضرورت نہیں پڑتی جبکہ خاندانی منصوبہ بندی اور نس بندی میں باقاعدہ آپریشن اور عمل جراحی کی ضرورت پیش آتی ہے، اس کے بغیر ممکن نہیں ہے

---

(۱) حجة الله البالغه(۲/۱۳٤)

۳)......عزل میں کسی غیر محرم کے سامنے ستر کا کھولنا لازم نہیں آتا، جبکہ خاندانی منصوبہ بندی اور نس بندی میں ڈاکٹر کے سامنے بلاضرورت شرعیہ ستر ہی نہیں بلکہ عورت غلیظہ کا کھولنا بھی لازم آتا ہے، اور بلاضرورت دوسرے کے سامنے ستر کھولنا حرام ہے، عورت غلیظہ کا کھولنا تو بہت ہی قبیح، خلاف فطرت اور غیر انسانی فعل ہے۔

۴)......عزل میں اعضاء تناسل نہ معطل ہوتے ہیں نہ اس سے کچھ ضائع اور خراب ہوتا ہے، اور نہ ہی ان کی قوت ومنفعت ختم ہوتی ہے صرف مادہ منویہ ضائع ہوتا ہے جبکہ مستقل خاندانی منصوبہ بندی میں قوت تولید اور عضو کی تخلیق کا اصل مقصد اور منفعت ختم ہو جاتی ہے، اور آئندہ اس کے اعادہ کی کوئی صورت نہیں ہے، بعض صورتوں میں بحالی کے امکانات ہوتے ہیں لیکن اول تو وہ عارضی منصوبہ بندی کی صورتیں ہیں ان کا حکم آگے آتا ہے، دوسرے مستقل نس بندی کے بعد قوت تولید کو بحال کرنے کی جو بات کی جاتی ہے یہ اس لئے محل نظر ہے کہ یہ بات محض امکان تک ہے عملاً ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ قوت تولید ضائع ہو جانے کے بعد بحال ہوئی ہو۔

۵)......میاں بیوی کو عزل کرنے نہ کرنے کا ہمیشہ اختیار رہتا ہے لیکن نس بندی کر لینے کے بعد انسان ہمیشہ کے لئے قوت تولید سے محروم ہو جاتا ہے۔

۶)......عزل میاں بیوی کا شخصی اور ذاتی معاملہ ہے جبکہ مروجہ خاندانی منصوبہ بندی ایک اجتماعی عمل، قومی نظریہ اور عالمگیر تحریک ہے۔

۷)......عزل میں تغیر خلق اللہ لازم نہیں آتا جبکہ نس بندی میں تغیر خلق اللہ لازم آتا ہے، اور تغیر خلق اللہ نص قطعی کی وجہ سے حرام ہے۔

۸)......عزل ایک غیر مضر عمل ہے، اس کا زوجین کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس کے برعکس مستقل خاندانی منصوبہ بندی کی جتنی صورتیں رائج ہیں آپ کو دیانت دار خدا ترس ڈاکٹر صحیح طور پر بتا سکتے ہیں کہ ان کا انسانی صحت پر برا اثر پڑتا ہے، تکلیف میں اضافہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر شوکانی لکھتے ہیں:

مانع حمل گولیاں، کیپسول اور انجکشن ابھی تک تمام کے تمام غیر صحتمند ثابت ہوتے ہیں اور نا قابل اعتبار بھی، مجھے اپنے کلینک پر کئی عورتوں نے بتایا کہ وہ انتہائی صحت مند تھیں

کہ اچانک ان کی صحت خراب ہونے لگی، میں نے وجہ پوچھی تو انہوں نے منصوبہ بندی کا آپریشن وجہ بتائی کہ جس کے بعد وہ طرح طرح کی مشکلات کا شکار ہیں۔(۱)

لہٰذا عزل اور نس بندی کے درمیان مذکورہ وجہ فرق کی وجہ سے علی وجہ البصیرہ کہا جاسکتا ہے کہ نس بندی عزل کی طرح نہیں ہے بلکہ اختصاء کی طرح ہے اور اختصاء حرام ہے۔

دوسری دلیل: سدفم الرحم پر قیاس

کچھ حضرات نے اجتماعی اور مستقل فیملی پلاننگ کو سدفم الرحم کے جواز پر قیاس کیا ہے، سدفم الرحم کا معنی ہے کہ عورت کے رحم کا منہ بند کر دینا تا کہ مرد کا مادہ تولید اس میں داخل نہ ہو سکے، وہ فرماتے ہیں کہ سدفم الرحم جائز ہے، صاحب النہر الفائق نے اس کے تصریح فرمائی ہے۔

النہر الفائق میں ہے:

قال في البحر: وينبغي ان يكون سدالمرأة فم رحمها كما تفعله النساء بغيراذن الزوج غير جائزقياسًا على عزله بغيراذنهااقول فيه نظر لان لها ان تعالج نفسها في اسقاطهاالولدقبل اكتمال الخلقة كماسيأتي بشرطه فمنع سببه بالجوازاحرى۔

بحر میں ہے مناسب یہ ہے کہ عورتیں جو شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے رحم کا منہ بند کر دیتی ہیں (عورت کی اجازت کے بغیر عزل درست نہیں ہے) اس پر قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ سدفم رحم بھی جائز نہ ہو میں کہتا ہوں کہ اس میں نظر ہے کیونکہ اعضاء پورے ہونے سے قبل عورت اسقاط حمل کر سکتی ہے تو حمل کا سبب روکنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

جواب

سدفم الرحم عزل کی طرح ایک عارضی، وقتی اور شخصی تدبیر ہے اور بوقت ضرورت ایسی عارضی

(۱) اسلام اور جدید میڈیکل سائنس (ص ۸۷)

(۲) النہر الفائق (۲/۲۷۶) کتاب النکاح باب نکاح الرقیق

تدبیر اختیار کرنا بالاتفاق جائز ہے، اور اسکے جواز کے قائل صرف صاحب النہر نہیں بلکہ سب ہی قائل ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اس کیلئے شوہر کی اجازت ضروری ہے صاحب النہر شوہر کی اجازت کے بغیر بھی جواز کے قائل ہیں، علامہ شامی نے صاحب بحرؒ کے قول کو اصل مذہب اور صاحب نہر کے قول کو مشائخ کا مذہب قرار دیا ہے۔(۱)

لیکن چونکہ یہ عزل کی طرح عارضی طریقہ ہے لہٰذا اس پر مستقل طریقوں کو قیاس کرنا غلط ہے ،سدفم اور مستقل فیملی پلاننگ کے درمیان وہی وجوہ فرق پائے جاتے ہیں جو عزل اور مستقل فیملی پلاننگ کے طریقوں میں پائے جاتے ہیں، سدفم الرحم کے عارضی تدبیر ہونے کے دلیل یہ ہے کہ اس زمانے میں سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے سدفم الرحم کو مستقل باقی رکھنا ممکن نہ تھا اس سے مختلف قسم کی بیماریوں، خرابیوں اور بدبو پھیلنے کا خطرہ رہتا تھا بلکہ اب بھی عورت کے رحم میں جدید طریقہ سے جو بھی چیزیں رکھی جاتی ہیں ان کو بھی بدلا جاتا رہتا ہے۔

طویل فیملی پلاننگ

طویل فیملی پلاننگ، مستقل نس بندی اور عارضی نس بندی کے درمیان ایک صورت ہے، اسے عارضی اور مستقل بنانا اپنے اختیار میں ہوتا ہے، پہلے زمانہ میں اس کی صورت سدفم الرحم کی تھی یعنی رحم کا منہ بند کر دیا جاتا تھا، جس کی وجہ سے مرد کا مادہ تولید رحم میں نہ پہنچ سکتا تھا، یہ عمل طویل عرصہ کے لئے بھی ممکن تھا اور ہے، اور جب بھی چاہتے سد (بندش) کو ختم بھی کیا جاسکتا تھا، آج کل اس کی متعدد صورتیں رائج ہیں مثلاً:

۱)......رحم کو آپریشن کر کے الگ کر دیا جائے، یہ استقرار حمل سے مانع ہو جائے گا لیکن بعد میں جب بھی چاہیں آپریشن کے ذریعہ رحم کو درست کیا جاسکتا ہے۔

۲)......رحم کو گرہ لگادی جائے، یہ گرہ بھی بعد میں ختم کی جاسکتی ہے۔

طویل فیملی پلاننگ کا حکم یہ ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کی اجتماعی تحریک سے متاثر ہو کر یہ طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح اسے مستقل طور پر اپنانا بھی جائز نہیں ہے، ہاں عارضی

(۱) رد المحتار (۱۷٦/۳) باب نکاح الرقیق

تدبیر کے طور پر اسے اختیار کرنا درست ہے، اپنی ضرورت کے وقت اسے اختیار کرلیا جائے جب ضرورت ختم ہوجائے تو توالد کا سلسلہ جاری کردیا جائے۔لأن الضرورة تتقدر بقدر الضرورة۔

عارضی اور وقتی فیملی پلاننگ کا حکم

عارضی خاندانی منصوبہ بندی کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی تحریک وفکر سے متاثر نہیں ہے لیکن اس کے حالات ایسے بن گئے ہیں کہ بچوں میں وقفہ ضروری ہے اور وہ بچوں میں وقفہ کی تدبیر ایسی اختیار کرتا ہے کہ اس سے فی الحال ضرورت بھی پوری ہوجاتی ہے اور آئندہ اس تدبیر کو ختم کر کے بروقت بچوں کا سلسلہ جاری بھی رکھا جاسکتا ہے، مثلاً مرد کا عضو مخصوص پر کنڈم اور غبارہ لگا کر جماع کرنا، عزل کرنا، مانع حمل ادویہ استعمال کرلینا، ٹیکہ لگا کر چند ماہ یا سال دو سال تک قرار حمل سے بچنا وغیرہ، ایسی عارضی منصوبہ بندی کا حکم یہ ہے کہ اس کا جواز اور عدم جواز غرض کے تابع ہے، اغراض صحیحہ کے لئے ایسی تدبیر اختیار کرنا درست ہے اور اغراض فاسدہ کے لئے جائز نہیں ہے، اغراض صحیح اور اغراض فاسدہ کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

اغراض صحیحہ

مندرجہ ذیل اغراض ومقاصد شریعت کی رو سے صحیح اور معتبر ہیں لہذا ان کی وجہ سے عارضی خاندانی منصوبہ بندی کرنا شرعاً جائز ہے۔

(۱) کمزوری کی وجہ سے تحمل نہ ہو:

کوئی خاتون جسمانی طور پر اتنی کمزور اور نحیف ہے کہ حمل کا بار ہی نہیں اٹھا سکے گی، حمل کی وجہ سے سخت بیمار ہوجائے گی، یا حمل کی وجہ سے سخت تکلیف ہوگی اور اس کا غالب گمان ہو یا پہلے اس کا تجربہ ہو چکا ہو جیسا کہ بعض خواتین کو دوران حمل سخت کھانسی یا بخار ہوتا ہے، ایسی صورت میں عارضی نس بندی درست ہے۔

(۲) سخت مریض اور بیمار ہو

خاتون کسی دائمی اور مستقل یا طویل مرض میں مبتلا ہے مثلاً ٹی بی، کینسر وغیرہ اور اسے علاج کرنا ہے، قرار حمل سے اسے تکلیف ہو اور وہ اس کا تحمل کرنے سے قاصر ہو تو ایسی عورت عارضی مانع حمل تدبیر اختیار کرسکتی ہے۔

(۳) رحم یا بچہ دانی میں تحمل نہ ہو

عورت نہ بیمار ہے اور نہ کمزور ہے لیکن رحم یا بچہ دانی کمزور ہے، بچے کا تحمل نہیں کرسکتے یا ان میں شدید تکلیف ہے تو ایسی عورت بھی عارضی تدبیر اختیار کرسکتی ہے، رحم اور بچہ دانی کا علاج بھی جاری رکھے جب عذر ختم ہو جائے تو بچوں کا سلسلہ بھی جاری کردے۔

(۴) ولادت میں موت کا خطرہ

عورت کو دوران حمل تو زیادہ تکلیف نہیں ہوتی لیکن وضع حمل کے وقت نا قابل برداشت تکلیف ہوتی ہے، یا مرنے کا غالب گمان ہے تو ایسی عورت منع حمل کی عارضی تدبیر اختیار کرسکتی ہے، لیکن اگر معمول کے مطابق تکلیف ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

امداد المفتین میں ہے:

سوال: ایک عورت کو بوقت زائیدگی بچہ از حد تکلیف ہوتی ہے، ایسی صورت میں وہ کوئی ایسا علاج کرسکتی ہے جس سے آئندہ بچہ نہ ہو؟

الجواب: خاوند کی اجازت کے بغیر ایسا حیلہ کرسکتی ہے جس سے حمل قرار نہ پائے اور اگر خاوند اجازت نہ دے اور بچہ پیدا ہونے کی صورت میں اپنی جان ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو بلا اجازت خاوند کے بھی ایسا حیلہ کرنا جائز ہوگا۔(۱)

نظام الفتاویٰ میں ہے:

بچے کی پیدائش ماں کی جسمانی صحت، دماغی صحت یا اس کی زندگی کے لئے خطرہ ہو اور خطرہ واقعی اور ظن غالب کے درجہ میں ہو، محض معمولی یا موہوم نہ ہو۔(۲)

(۱) امداد المفتین (ص ۹۷۵) کتاب الحظر والاباحۃ

(۲) نظام الفتاویٰ (۱/۳۷۷)

المشقة تجلب التيسير،المشاق علی قسمين...... الثانية مشقة خفيفة كأدنی وجع في اصبع اوادنی صداع في الرأس اوسوء مزاج خفيف فهذالا اثرله ولا التفات اليه۔(۱)

مشقت اور تکلیف کی دو قسمیں ہیں......دوسری خفیف اور ہلکی مشقت ہے جیسے انگلی میں تھوڑی سی تکلیف یا سر میں تھوڑا سا درد یا مزاج کی تھوڑی سے خرابی تو اس کا شرعی احکام میں کوئی اثر نہیں ہے، اور نہ اس کی طرف توجہ دی جاتی ہے۔

(۵) پہلے بچے کو دودھ کی ضرورت ہو

کسی عورت کا ایک بچہ موجود ہے، اور وہ شیر خوار ہے اسے شرعاً دو سال تک دودھ پلایا جاسکتا ہے اور استقرار حمل سے والدہ کے دودھ کے خشک ہونے یا مضر بن جانے کا خطرہ ہو جس کی وجہ سے شیر خوار کی حق تلفی ہوتی ہے یا اس کی صحت متاثر ہوتی ہے تو اس صورت میں دو سال تک عارضی نس بندی کرانے کی اجازت ہے۔

قال الله تعالیٰ ﴿ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَاَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ﴾(۲)

اور عورتیں اپنی اولاد کو مکمل دو سال دودھ پلائیں اس کے لئے جو دودھ کی مدت پوری کرے۔

تفسیر عثمانی میں اسی آیت کے تحت ہے:

"یعنی ماں کو حکم ہے کہ اپنے بچے کو دو سال تک دودھ پلائے اور یہ مدت اس کے لئے ہے جو ماں باپ بچہ کے دودھ کی مدت کو پورا کرنا چاہیں، ورنہ اس میں کمی بھی جائز ہے، جیسا کہ آیت کے اخیر میں آتا ہے"۔(۳)

جدید طبی تحقیقات اس بات پر متفق ہیں کہ بچے کی صحت اور بہترین نشو نما کے لئے والدہ کے دودھ سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے، اگر مدت رضاعت میں بچے کو والدہ کا دودھ نہ پلایا گیا

(۱) الاشباه والنظائر(۱/۲٤٥) القاعدة الرابعة۔

(۲) البقره:(۲۳۳)

(۳) تفسير عثمانی (ص٤٧)

تو حقیقت یہ ہے کہ اس کی تلافی نہیں ہوسکتی البتہ دوسرے تیسرے درجہ میں متبادل یہ ہوسکتا ہے کہ بچے کا تعلق متمول، معاشی طور پر مستحکم اور خوشحال گھرانے سے ہو اور زر کثیر خرچ کر کے بچے کو معقول اور مناسب غذا فراہم کی جائے لیکن تیسرے درجہ کا یہ متبادل بھی عام لوگوں کے دسترس سے باہر ہے، لہذا پہلے بچے کی غذاء کے پیش نظر عارضی وقفہ کرنا جائز ہے، حدیث سے بھی اس کی تائید ملتی ہے۔

عن اسماء بنت یزید قالت: سمعت رسول الله ﷺ یقول: لاتقتلوااولادکم سرافان الغیل یدرك الفارس فیه غثره عن فرسه۔رواہ ابو داؤد(۱)

اسماء بنت یزیدؓ کہتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ اپنی اولاد کو خفیہ طور پر قتل مت کرو کیونکہ (جس دودھ پلانے والی عورت سے جماع کیا جائے اور وہ حاملہ ہو جائے اس کا) دودھ گھوڑسوار پر اثر ظاہر کرتا ہے اور اسے گھوڑے سے گرادیتا ہے۔

ملا علی قاریؒ مرقاۃ المفاتیح میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

توضیحه ان المرأة اذاجومعت وحملت فسدلبنهاواذااغتذی به الطفل بقی اثره فی بدنه وافسد مزاجه واذاصاررجلا فرکب فرساً فرکضها فربما یدرکه ضعف الغیل فیسقط من متن فرسه وکان ذلك کالقتل فنهی النبی ﷺ عن الارضاع حال الحمل و یحتمل ان یکون النهی للرجال ای لاتجامعوا فی حال الارضاع کیلاتجعل نسائکم فیهلك الارضاع فی حال الحمل اولادکم وهذا نهی تنزیه لاتحریم۔(۲)

اس کی وضاحت یہ ہے کہ عورت سے جب جماع کیا جائے اور وہ حاملہ ہو جائے تو اس کا دودھ فاسد ہو جاتا ہے اور جب بچہ دودھ پیتا ہے تو اس کا اثر اس کے بدن میں باقی رہ جاتا ہے، اور اس کا مزاج خراب ہو جاتا ہے، اور جب بڑا ہو کر گھوڑسواری کرتا ہے اور ایڑ لگاتا ہے تو بعض اوقات اس دودھ کی کمزوری اسے پالیتی ہے اور وہ گھوڑے کی پشت سے گر جاتا ہے، اور یہ قتل کے مانند ہے، اس لئے نبی ﷺ نے حمل کی حالت میں

(۱) مشکوٰۃ المصابیح(۲/۲۷۶)

(۲) ملا علی قاریؒ مرقاۃ المفاتیح(۶/۲٤۱)

دودھ پلانے سے منع فرمایا ہے اوراس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ مردوں کو دودھ پلانے کی حالت میں عورتوں سے جماع نہیں کرنا چاہئے تاکہ عورتوں کو قرار حمل نہ ہو ورنہ حالت حمل میں دودھ پلانا، بچوں کی ہلاکت کا سبب بنے گا اور یہ نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں ہے۔

واضح رہے کہ نبی ﷺ نے یہ بات اپنے اجتہاد سے فرمائی تھی، پھر اہل فارس وغیرہ کے تعامل کو مدنظر رکھتے ہوئے حالت رضاع میں جماع کی اجازت دے دی تھی، لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب دوسرا حمل ٹھہرنے سے پہلے بچے کا نقصان ہو خواہ وہ کسی بھی نوعیت کا ہو تو کوئی عارضی مانع حمل تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے، چنانچہ ملاعلی قاریؒ نقل فرماتے ہیں:

قال الطيبي: نفيه لاثر الفيل في الحديثين السابقين كان ابطالا لاعتقاد الجاهلية كونه مؤثرا واثباته له هنالانه سبب في الجملة مع كون المؤثر الحقيقي هوالله تعالىٰ۔ (۱)

سابقہ دوحدیثوں میں غیل کے اثر کی جونفی کی گئی ہے وہ زمانہ جاہلیت کے اسی عقیدے کے ابطال کے لئے کی گئی ہے کہ غیل اس میں مؤثر ہے اوراس حدیث میں غیل کا اثر ثابت کیا ہے کیونکہ وہ فی الجملہ ضعف کا سبب ہے اگر چہ حقیقی مؤثر اللہ تعالیٰ ہے۔

واضح رہے کہ حمل، ولادت اور بچے کو دودھ پلانے کی جو عام تکلیف ہے اور ہر خاتون کو ہوتی ہے، اس کو بنیاد بنا کر نس بندی کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، یہ بھی شدید تکلیف اور سخت مشقت ہے لیکن اس سے مفر نہیں ہے، آج کل بہت سی خواتین اس تکلیف سے بھی بچنے کے لئے بچوں کا سلسلہ منقطع کردیتی ہیں، یہ بلاشبہ حرام اور ناجائز ہے، قرآن کریم بتاتا ہے کہ یہ تکلیف خواتین کو یقیناً ہوتی ہے، اوراسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے والدہ کو فضیلت دی ہے، اور والدین کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ط حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ط وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ (۲)

(۱) مرقاة المفاتيح (۲٤۱/٦)

(۲) سورة

اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور مشقت کے ساتھ اس کو جنا اور اس کو اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینوں میں ہے۔

تفسیر مواھب الرحمٰن میں ہے:

یعنی فرزند کے حمل میں اس کی ماں کو متلی شروع ہوتی ہے جس سے وہ بار بار قے کرتی ہے اور غذا ہضم نہ ہونے سے بیمار کی طرح زرد پڑ جاتی ہے اور جب پیٹ میں بچہ بڑا ہوتا ہے تو تعب و مشقت کیساتھ اس کے بوجھ کو اٹھائے رکھتی ہے...... پھر جب اس کو جنتی ہے تو اس حالت میں بھی جننا ایسی درد و تکلیف کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس کی جان پر نوبت آجاتی ہے...... الخ (۱)

اور احادیث میں حمل اور دردزہ کی تکالیف برداشت کرنے پر بہت ثواب کا ذکر آیا ہے۔

(۱) عن عبادة بن صامتؓ قال: عاد رسول الله عبدالله بن رواحة فما تحوز له عن فراشه فقال: من شهداء امتي قالوا: قتل المسلم شهادة قال: ان شهداء امتي اذا لقليل قتل المسلم شهادة والطاعون شهادة والبطن والغرق و المرأة يقتلها ولدها جمعاء۔ (۲)

حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے تو عبداللہ بن رواحہؓ (شدت مرض سے) آپ کے لئے اپنے بستر سے نہ ہٹ سکے پھر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ میری امت میں شہید کون ہیں؟ صحابہؓ نے فرمایا کہ مسلمان کا قتل کرنا اس کی شہادت ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر تو میری امت کے شہداء بہت کم ہیں، مسلمان کا قتل بھی شہادت ہے، طاعون سے مرنا بھی شہادت ہے، پیٹ کے درد سے مرنا اور پانی میں غرق ہونا بھی شہادت ہے، اور عورت ولادت کے دوران نفاس کی حالت میں فوت ہو جائے تو وہ بھی شہید ہے۔

---

(۱) تفسیر مواھب الرحمن (۲۱/۲۶)

(۲) مسند الامام احمد بن حنبلؒ (۳۹۵/۸) مسند الانصار

(۲)عن ابی امامۃؓ قال: جاء ت امرأۃ الی رسول ﷺ معھاابنان لھاوھی حامل فماسألتہ یومئذٍالااعطاھاثم قال: حاملات والدات رحیمات لولاما یأتین الی ازواجھن دخلن الجنۃ۔ (۱)

ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ ایک حاملہ عورت اپنے دو بیٹوں کو لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں آئی، اس نے اس دن جو بھی مانگا آپ ﷺ نے دے دیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ حمل کا بوجھ اٹھانے والی، ولادت کی تکلیف برداشت کرنے والی، بچوں پر ترس کھانے والی عورتیں اگر اپنے شوہروں کو تکلیف نہ دیں تو جنت میں داخل ہو جائیں گی۔

(۳)قال ﷺ: المرأۃ فی حملھا الی وضعھا الی فصالھا کالمرابط فی سبیل اللہ وان ماتت فیمابین ذلک فلھا اجر شھید۔(۲)

طبرانی میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورت حالت حمل سے وضع حمل اور دودھ چھڑانے تک اس مجاہد کیطرح ہے جو اللہ کی راہ میں اسلامی سرحدات کی حفاظت کرتا ہے، اور اگر وہ اس دوران فوت ہو جائے تو اسے شہید کے برابر ثواب ملتا ہے۔

(۶) قدرتی غفلت کی وجہ سے دیکھ بھال نہ ہو سکے

کوئی خاتون اس قدر مغفل اور فطرۃً لاپرواہ ہے کہ وہ زیادہ بچوں کی تربیت اور پرورش نہیں کر سکتی، جس کی وجہ سے بچوں کے دین و مذہب سے عاری رہنے اور اسلامی آداب وتعلیمات سے محرومی کا شدید خطرہ ہے، اس بات کے پیش نظر عارضی وقفہ کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے، اول تو ایسی صورت میں بچوں کی تربیت والد کو کرنی چاہئے وہ اس کا انتظام کرے اور بیوی کا بھرپور ساتھ دے یا کسی سے نگہداشت کرائے لیکن اگر اس کی بھی

(۱) مسند احمد بن حنبل(۸/۳۰۸)

(۲) کنزالعمال(۱۶ /۱۷۱)عن الطبرانی عن ابن عمر)

گنجائش نہ ہو تو پھر وقفہ کرنا جائز ہے اور اگر عورت فیشن پرستی یا دوسری وجوہات کی بناء پر بچوں کی تربیت اور پرورش میں دلچسپی نہیں لیتی تو یہ کوئی شرعی عذر نہیں ہے، وہ عارضی وقفہ بھی نہیں کر سکتی۔

(۷) فساد زمانہ اور معاشرہ کی خرابی کی وجہ سے

اگر زمانہ خراب اور فاسد ہو، معاشرہ میں طرح طرح کی غیر اخلاقی سرگرمیاں جاری ہوں، فتنہ فساد ہو اور قوی اندیشہ ہو کہ بچے اس معاشرے میں بگڑ جائیں گے، اس کے پیش نظر عارضی مانع حمل تدبیر اختیار کرنا درست ہے۔

درمختار میں ہے:

فی الخانية انه يباح فی زماننالفساده قال الكمال۔۔۔ وفی الشامية(قوله فی الخانية) عبارتها علی مافی البحر:ذكر فی الكتاب انه لايباح بغير اذنها وقالوافی زمانناياح لسوء الزمان(قوله قال الكمال)عبارته:وفی الفتاویٰ ان خاف من الولدالسوء فی الحرة يسعه العزل بغير رضاها لفساد الزمان فليعتبرمثله من الاعذارمسقطالاذنهااه

فقدعلم ممافی الخانية ان منقول المذهب عدم الاباحة وان هذاتقييدمن مشائخ المذهب لتغيربعض الاحكام بتغيرالزمان واقره فی الفتح وبه جزم القهستانی ايضًا، حيث قال:وهذااذالم يخف علی الولد السوء لفساد الزمان والا فيجوزبلا اذنها......الخ(۱)

وفی الفتاویٰ ان خاف من الولدالسوء فی الحرة يسعه العزل بغير رضاها لفساد الزمان فلتيعتبرمثله من الاعذارمسقطالاذنها وفی الكفاية تحته:وفی كراهة الفتاویٰ ان خاف من الولد السوء يسعه ان يعزل عنها وان كانت حرة لسوء الزمان ۔(۲)

---

(۱) الدرالمختار(۱۷۵/۳)

(۲) فتح القدير(۲۷۳/۳)باب نكاح الرقيق۔وكذا فی الهندية (۱۱۲/٤)

فسادِ زمانہ کی کیا حد اور معیار ہے؟ فقہاء کرام نے اس کی تعیین نہیں کی بلکہ اتنا فرمایا ہے کہ معاشرہ اتنا خراب اور بے دینی اتنی پھیلی ہوئی ہے کہ بچوں کے اخلاق بگڑنے اور ان کے ضائع ہونے کا غالب گمان ہے، ہر زمانہ کے لوگ اپنے زمانہ کو برا کہتے آرہے ہیں، لیکن اس میں حقیقت کم اور مبالغہ زیادہ ہوتا ہے، اور جب تک مبالغہ سے کام نہ لیا جائے اصلاح کی توقعات بھی کم ہوتی ہیں اس لئے واعظانہ طور پر فسادِ زمانہ کا جو معیار ہے وہ یہاں معتبر نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فضل ہے مسلمانوں کا معاشرہ دینی اعتبار سے اتنا گیا گزرا بھی نہیں ہے، مساجد، مدارس اور مراکزِ دینیہ کی کثرت ہے، علماء کرام موجود ہیں اور ہر شخص اپنے بچوں کو دینی و اسلامی اقدار کا حامل اور اسلامی تعلیمات سے آراستہ کرا سکتا ہے، لہذا فسادِ زمانہ کو بہانہ بنا کر نسل کشی کا مرتکب ہونا غیر معقول ہے، فقہاء کرام نے جس فسادِ زمانہ کا ذکر کیا ہے اس طرح کی نوبت بہت کم ہی پیش آتی ہے۔

(۸) عورت دیوانہ اور مجنون ہو

عورت دیوانہ اور مجنون اور ذہنی اعتبار سے مفلوج ہے اور بچے سنبھالنے کی اہل نہیں ہے، اس کے بچوں کی تولید کی صلاحیت بالکل ختم کر دینا تو صحیح نہیں ہے کیونکہ اسے بھی اولاد کی ضرورت ہے جو بعد میں اس کا سہارہ بن سکے، لہذا اس کے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری رکھنا ضروری ہے، اور والد پر لازم ہے کہ بچوں کی پرورش اور تربیت کا انتظام کرے، رشتہ دار خواتین کی خدمات حاصل کرے ورنہ انا رکھے ہاں البتہ چونکہ پرورش دوسری خواتین سے کرانی ہے اگر اس میں دقت پیش آتی ہو تو بچوں کے درمیان عارضی وقفہ کرنا اور وقتی مانع حمل تدبیر اختیار کرنا جائز ہے۔

نظام الفتاویٰ میں ہے:

”ان حالات میں بھی کوئی ایسا عمل کرنا جس سے بچہ پیدا ہونے کی صلاحت ختم ہو جائے درست نہیں البتہ ایسی تدبیر کر دینا کہ جس سے بحالی صحت تک جماع کی خواہش ختم یا مضمحل ہو جائے گنجائش رہے گی“۔(۱)

(۱) نظام الفتاوی (۱/۳۹۷)

(۹) طلاق اور جدائی کا قوی امکان ہو

بیوی بد اخلاق ہے جس کی وجہ سے میاں بیوی کے تعلقات انتہائی کشیدہ ہیں اور شوہر عزم کر چکا ہے کہ آئندہ اسے طلاق دے کر جدا کرنا ہے، اگر اس سے بچہ پیدا ہو تو اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں عارضی مانع حمل تدبیر اختیار کرنا شرعاً جائز ہے۔

فتاوی شامی میں ہے:

ویحتمل انه ارادالحاق مثل هذاالعذربه كأن يكون فی سفر بعيد اوفی دارالحرب فخاف علم الولداو كانت الزوجة سيئة الخلق ويريدفراقها فخاف ان تحبل۔(۱)

(۱۰) سفر طویل درپیش ہو

شوہر کو مسلسل طویل سفر پیش ہے اور اس کی عدم موجودگی میں بچے کی تربیت کا مسئلہ ہے یا خود عورت کو لمبے سفر مثلاً حج وعمرہ کے لئے جانا ہے اور قرار حمل ہو تو عورت کو سفر میں سخت دشواری کا سامنا ہوگا یا افعال حج وعمرہ کی ادائیگی میں دقت پیش آئے گی، فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ ایسے طویل سفر کی وجہ سے عارضی مانع حمل تدبیر اختیار کرنا جائز ہے۔

لیکن فقہاء کرام نے جس وقت یہ بات لکھی تھی اس وقت پیدل سفر ہوتا تھا اور واقعی سخت مشقت اٹھانی پڑتی تھی، اب صورت یکسر بدل چکی ہے، اتنا لمبا سفر مفقود ہو چکا ہے، اسی طرح شوہر جتنے بھی لمبے سفر میں ہو اس کا رابطہ رہتا ہے، خرچہ بڑی آسانی سے بھیجا جا سکتا ہے، لہذا اب یہ عذر نہیں رہا۔

ہاں افعال حج کی ادائیگی میں واقعی مشکل پیش آتی ہے بلکہ پہلے سے زیادہ پیش آتی ہے، لیکن آج کل حج اپنا اختیاری عمل نہیں رہا بلکہ پہلے درخواست دینی پڑتی ہے، درخواست بھی منظور

(۱) الشامیة (۱۷۶/۳)

ہوجاتی ہے اور کبھی مستر دنیز درخواست منظور ہو بھی جائے تو حج کے ایام کے قریب ہی ہوتے ہیں، اس وقت اگر قرار حمل ہو جائے تو بھی وہ چند دنوں یا چند ماہ کا ہوتا ہے اس کا بوجھ نا قابل برداشت نہیں ہوتا، لہذا یہ منع حمل کا عذر نہیں، اور نہ اس صورت میں حمل کا استقاط جائز ہے، ہاں اگر کسی طرح طے ہو جائے کہ ایام حج میں خاتون کا حمل چھ سات مہینوں کا ہوگا اور اسے افعال حج کی ادئیگی میں واقعی مشکل پیش آئے گی تو وہ پہلے سے مانع حمل تدبیر اختیار کر سکے گی، لیکن اسقاط حمل اس صورت میں بھی جائز نہیں ہے، اگر زیادہ مشقت کا خطرہ ہو تو حج مؤخر کیا جا سکتا ہے، حمل کا بوجھ بھی تاخیر حج کا عذر بن سکتا ہے۔

(۱۱) شوہر کا دار الحرب میں ہونا

شوہر کا دار الحرب میں ہونا بھی عذر ہے، ایسی صورت میں بھی عورت عارضی مانع حمل تدبیر اختیار کر سکتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے آدمی کی واپسی یقینی نہیں ہوتی، بچے کے خرچہ اور تربیت کا مسئلہ پیش آسکتا ہے۔

فتاوی شامی میں ہے:

ویحتمل انه ارادالحاق مثل هذاالعذربه كأن يكون فی سفر بعيد اوفی دار الحرب فخاف علم الولداو كانت الزوجة سيئة الخلق ويريدفراقها فخاف ان تحبل-(۱)

صحیح یہ ہے کہ دار الحرب میں ہونا مستقل عذر نہیں ہے بلکہ یہ سفر طویل ہی کی ایک صورت ہے کیونکہ کوئی شخص دار الحرب میں ہے تو قرار حمل کیسے ہوگا؟ اور عزل کی کیا صورت ہوگی، جبکہ فقہاء کرام نے اسے عزل کے اعذار میں لکھا ہے لہذا اسکے دو محمل ہو سکتے ہیں:

۱)......شوہر کو آئندہ دار الحرب کا سفر درپیش ہے تو اب بھی منع حمل کی تدبیر کر سکتا ہے، یہ وہی سابقہ والی صورت ہے۔

۲)......قرار حمل کے بعد شوہر دار الحرب چلا گیا ہے، بیوی کے لئے ایسی صورت میں اسقاط

(۱) الشامية(۱۷٦/۳)

حمل جائز ہے، لہٰذا اس کا تعلق اسقاط حمل سے ہوگا کہ نہ منع حمل سے۔
لیکن یہ بھی واضح رہے کہ دارالحرب وہ کافر ملک کہلاتا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ حالت جنگ میں ہو، آج کل جتنے غیر مسلم ممالک ہیں یا تو مسلمانوں کے ساتھ مصالحت ہے یا کم از کم مسالمت ہے، لہٰذا آج کل جو مسلمان تارکین وطن یورپ وغیرہ کے ممالک میں ملازمت کے لئے جاتے ہیں وہ اس حکم میں ہرگز شامل نہیں ہیں۔

(۱۲) تعلیم وتربیت اور نگہداشت کا مسئلہ ہو

پہلے سے کئی چھوٹے بچے موجود ہیں اگر مزید پیدا ہوں تو ماں صحیح طور پر ان سب کی تربیت ، پرورش اور نگہداشت کرنے سے قاصر ہوگی اور ان کی پرورش کے لئے دوسرا انسان بھی دستیاب نہیں ہے جس کی وجہ سے سب بچوں کا ضائع ہونے اور ضروری تعلیم سے واقعی کورہ رہنے کا قوی خطرہ ہو تو ایسی صورت میں عارضی مانع حمل تدبیر اختیار کرنا درست ہے۔

نظام الفتاویٰ میں ہے:

”دو بچوں کے درمیان مناسب وقفہ نہ ہونے کی صورت میں ماں کی توجہ اور نگہداشت دونوں میں تقسیم ہو جانے کی بناء پر کسی کی طرف کامل طور پر نہ ہو سکے گی اور ماں کی جانب سے بھرپور نگہداشت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا بہت امکان ہے کہ دونوں بچوں کی صحت متاثر ہو جائے اور ایام طفولیت و رضاعت کا ضعف آخری عمر تک رہ جائے جس کی جانب حدیث مذکورہ میں اشارہ ہے۔

میاں بیوی دونوں کا دارالحرب میں ہونا شرعی عذر ہے، یعنی اگر وہ کسی وجہ سے دارالحرب میں ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ موقع ملے تو دارالاسلام آ جائیں گے، اگر قرار حمل ہو جائے تو آنے میں دشواری ہوگی ، یا دارالحرب ہی میں کسی وجہ سے طویل عرصہ تک رہنا ضروری ہو گیا ہے اور وہاں بچوں کی تربیت کا مسئلہ ہے، ماحول اس قدر خراب ہے کہ بچے مذہب غیر قبول کر کے ہاتھ سے نکل جائیں گے، ایسی صورت میں بھی عارضی مانع حمل تدبیر اختیار کرنا درست ہے ، اسی طرح اگر حمل ٹھہر چکا ہے

اور عورت اکیلی دارالحرب میں ہے، شوہر پاس موجود نہیں ہے تو اس کے لئے چار ماہ سے قبل حمل کا اسقاط جائز ہے۔(۱)

(۱۳) بچوں کی نشو نما نہ ہونا

تسلسل کے ساتھ بچوں کی پیدائش کی صورت میں اگر واقعی بچوں کی نشو ونما، بڑھوتری، جسمانی قوت وطاقت پر گہرا اثر پڑتا ہو تو اس خطرہ کے پیش نظر عارضی منصوبہ بندی کرنا درست ہے، لیکن یہ نازک معاملہ ہے، اسے بہانہ بنا کر خاندانی منصوبہ بندی کا راستہ کھولنے سے احتراز ضروری ہے، کیونکہ ایسی صورت شاذ ونادر ہی پیش آسکتی ہے۔

مولانا برہان الدین سنبھلی فرماتے ہیں:

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جلد جلد بچے پیدا ہونے سے بچوں کے جسم کا عمر کے لحاظ سے نشو ونما نہیں ہو پاتا لیکن یہ وجہ ایسی نہیں ہے کہ ہر حال میں وہ بچہ کے لئے نہایت مضر ہو اور پھر عمر کے لحاظ سے جسم کا ''بڑھنا نہ بڑھنا'' جاننے کے لئے کوئی ایسا معیار متعین اور قطعی نہیں ہوتا کہ اس کا حتمی فیصلہ آسان ہو۔

علاوہ ازیں یہ کہ علاقوں، غذاؤں اور معاشرتوں کے اختلاف سے بھی اس میں اختلاف ہو سکتا ہے، بنا بریں تنہا اس احتمال پر ہر صورت میں منع حمل کی اجازت نہ ہوگی، بلکہ بعض میں ہوگی یعنی جب کہ یہ واضح طور پر ثابت ہو جائے کہ جلد جلد کی ولادت بچہ کی صحت غیر معمولی طور سے اثر انداز ہو رہی ہے اور گویا وہ بچہ فقہی اصطلاح میں ''مریض'' رہتا ہو، اس کا قوی خطرہ ہو ورنہ نہیں ہوگی۔(۲)

اغراض فاسدہ

جن اغراض ومقاصد کے لئے عارضی مانع حمل تدبیر اختیار کرنا جائز نہیں ان کو اغراض فاسدہ

---

(۱) نظام الفتاویٰ (۱/۳۷۷)

(۲) جدید مسائل کا شرعی حل (ص۲۰٤)

کہا جاتا ہے، ایسے اغراض مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) قلت وسائل اور کثرت اولاد کا خوف

اس وقت یہ نظریہ عام ہو چکا ہے کہ رزق کے وسائل واسباب محدود اور قلیل ہیں، اگر بچے زیادہ ہو گئے تو وہ کہاں سے کھائیں گے، والدین کیلئے ان کو کھلانا پلانا مشکل ہو گا، بہت سے لوگ اس مشکل سے بچنے کے لئے مانع حمل تدبیر اختیار کرتے ہیں، شرعاً اس مقصد کے لئے عارضی مانع حمل تدبیر اختیار کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

(۲) اپنے آپ کو تندرست وتوانا رکھنے کے لئے

حمل اور وضع حمل کی تکالیف لازمی شے ہے، اور اس کی وجہ سے عورت کمزور بھی ہوتی ہے اس سے کوئی مفر نہیں ہے، اس کمزوری، نقاہت اور ضعف کا حل یہ ہے کہ مقوی ادویہ اور غذائیں کھائی جائیں، بہت سی خواتین اس لئے بچوں کا سلسلہ موقوف کر دیتی ہیں کہ ان کی صحت پر کوئی اثر ہی نہ پڑے، اور وہ ہمیشہ چاق وچوبند اور تندرست وتوانا ہوں، شرعاً یہ غرض فاسدہ ہے، اورا س مقصد کے لئے وقتی مانع حمل تدبیر کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

(۳) حسن وجمال برقرار رکھنے کے لئے

بعض خواتین اپنا حسن وجمال برقرار رکھنے کے لئے بچوں کا سلسلہ موقوف کر دیتی ہیں، کیونکہ جب بچے پیدا ہوتے ہیں تو عورتوں کے حسن وجمال میں کمی آجاتی ہے، یہ مقصد بھی فاسد اور غلط ہے، شریعت نے اس مقصد کا اعتبار نہیں کیا ہے، لہذا اس مقصد کے لئے عارضی اور وقتی مانع حمل تدبیر کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ اس کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱)..... خواتین کے لئے فطری حسن وجمال کو برقرار رکھنا جائز ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ اس کے لئے کسی ناجائز کام کا ارتکاب نہ کرنا پڑے، اور بچوں کا سلسلہ موقوف کرنا ناجائز ہے لہٰذا اس کی گنجائش نہیں ہے۔

۲)......زیب وزینت اور حسن وجمال کے بقاء یا حصول کے لئے حرام کام کا ارتکاب جائز نہیں ہے، اس کی دلیل وہ احادیث کثیرہ ہیں جن میں خواتین کو زیب وزینت کے لئے جسمانی تغیر وتبدل سے منع کیا گیا ہے۔

(۳) عن ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ لعن الواصلة و المستوصلة والواشمة والمستوشمة...... و فی روایة عبدالله بن مسعودؓ والنامصات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله ۔الحديث(۱)

رسول اللہ ﷺ نے بال ملانے والی اور ملوانے والی، جسم کو گودنے والی اور گدوانے والی، بھنویں باریک کرنے والی اور باریک کروانے والی اور حسن وجمال کے لئے دانتوں کے درمیان خلا بنانے والی، اللہ کے خلق میں تبدیلی کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

(۲) عن اسماء بنت ابی بکرؓ قالت: جائت امرأة الى النبی ﷺ فقالت یا رسول الله ﷺ ان لی ابنة عریسا اصابتها حصبة فتمرق شعرها افاصله فقال لعن الله الواصلة والمستوصلة۔(۲)

اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں ایک عورت نے آ کر کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میری ایک نئی نویلی دلہن بیٹی ہے اس کے سر میں پھوڑے ہونے کی وجہ سے اس کے سر کے بال گر گئے ہیں کیا میں اسے بال لگا سکتی ہوں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بال لگانے اور لگوانے والی پر لعنت کرتے ہیں

بعض حضرات نے حسن وجمال برقرار رکھنے کیلئے عارضی مانع حمل تدبیر کی اجازت دی ہے۔

امام غزالیؒ میں فرماتے ہیں:

الثانية: استبقاء جمال المرأة وسمنها دوام التمتع واستبقاء حياتها خوفا من خطر الطلق وهذا ایضًا لیس منهیا عنه۔(۳)

(۱) صحیح المسلم(۲/۲۰۴)

(۲) صحیح المسلم(۲/۲۰۴)

(۳) احیاء العلوم (۲/۷۲)

دوسرا محرک اور سبب عورت کے جمال اور اس کے موٹاپے کو استمتاع کے دوام کے لئے باقی رکھنا اور اس کی ازدواجی زندگی کو باقی رکھنا ہے درد زہ کے خطرات کے خوف سے، اور یہ بھی منع نہیں ہے۔

لیکن یہ امام غزالی کی رائے ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں ذکر نہیں کی گئی ہے، جبکہ ہمارے سابقہ دلائل سے اس کا عدم جواز واضح ہے لہذا اسکی گنجائش نہیں ہے۔

یہ کہنا کہ بچوں کی پیدائش سے حسن و جمال ختم ہو جاتا ہے، یا خاتوں کی صحت متاثر ہوتی ہے کلیۃً درست نہیں ہے، بہت سی خواتین کا حسن و جمال اور صحت وتندرستی ولادت کے بعد بھی برقرار رہتی ہے اور بہت سی خواتین کی صحت اور حسن و جمال ویسے کسی مرض کی وجہ سے بھی ختم ہو جاتا ہے۔

مولانا برہان الدین سنبھلی لکھتے ہیں:

بعض مرد وعورتیں صرف حسن کو برقرار رکھنے کے لئے کثرت اولاد سے بچنا چاہتی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ ایسی وجہ نہیں ہے کہ جس سے منع حمل جائز ہو سکے۔(۱)

جدید فقہی مباحث میں ہے:

اسی طرح حسن باقی رکھنے یا سماجی امور میں دلچسپی لینے کی وجہ سے ضبط تولید کی اجازت شرعاً نہیں ہے، کیونکہ یہ ایسے معتبر عذر نہیں ہیں جن کی وجہ سے ایک ناجائز اور مکروہ امر کی اجازت مل سکے۔(۲)

(۴) آزادانہ زندگی اور عیش وعشرت

بہت سے جوڑے اس لئے بچے بند کر دیتے ہیں کہ کچھ مدت آرام سے آزادانہ زندگی گزاریں اور بچوں کی پرورش اور سنبھالنے کی تکلیف سے محفوظ رہیں، آزادانہ زندگی گزارنا، زندگی انجوائے کرنا اب ایک فیشن بن چکا ہے، یہ غرض بھی فاسد اور ناجائز ہے، اس مقصد کے

(۱) جدید مسائل کا شرعی حل (ص ۲۰٤)

(۲) جدید فقهی مباحث (۱/۳٦٦)

لئے عارضی منع حمل تدبیر کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

(۵) لڑکی پیدا ہونے کا خوف

بعض میاں بیوی اس لئے خاندانی منصوبہ بندی کرتے ہیں تاکہ لڑکی پیدا نہ ہو، یہ بھی مشاہدہ ہے کہ جن کے ہاں لڑکے ہوتے ہیں وہ منصوبہ بندی کر کے اولاد کا سلسلہ ختم کر دیتے ہیں، کیونکہ لڑکے موجود ہیں اور لڑکیوں کی ضرورت نہیں سمجھتے، لڑکی پیدا ہونے کے خوف سے اولاد کا سلسلہ موقوف کرنا بھی ناجائز اور حرام ہے، اگرچہ عارضی اور وقتی ہو، شرعی تعلیمات یہ ہیں کہ لڑکا نعمت اور لڑکی رحمت ہے لہذا رحمت سمیٹنے سے انکاری ہونا جہل کے سوا کچھ نہیں۔

(۶) کم عمر جوڑے کا شرم وحیا کی وجہ سے منصوبہ بندی کرنا

بعض جوڑے بلوغ کے بعد کم عمری میں رشتہ ازدواج سے منسلک ہو جاتے ہیں ان کو خوف ہوتا ہے کہ اگر جلد بچہ پیدا ہو گیا تو دوست احباب مذاق اڑائیں گے، ہمیں اہل وعیال والا کہا جائے گا، ہم ماں باپ بن جائیں گے، لوگ کہیں گے خود بھی بچے ہیں اور بچوں والے بھی ہیں، لیکن یہ شرعی عذر نہیں ہے، لوگوں کے غلط طعنوں سے شرعی احکام نہیں بدلا کرتے، شریعت نے بلوغ کے بعد جلد از جلد شادی کا حکم دیا ہے، اور اولاد کا جلدی ہونا فطری بات ہے، لہذا اس مقصد کے لئے منصوبہ بندی کرنا جائز نہیں ہے۔

(۷) ملازمت اور سماجی مصروفیات

بعض خواتین ملازمت کرتی ہیں یا کسی سماجی کام میں مشغول ہوتی ہیں، بچے پیدا ہوں تو ان کی ملازمت اور سماجی خدمات میں خلل آتا ہے، اس لئے بچوںؑ کا سلسلہ موقوف کر دیتی ہیں، یہ بھی شرعاً ناجائز غرض ہے اور اس کے لئے خاندانی منصوبہ بندی جائز نہیں ہے۔

احیاء العلوم میں ہے:

الرابعة:الخوف من الاولاد الاناث لما يعتقدفى تزويجهن فى المعرة كماكانت من عادة العرب فى قتلهم الاناث فهذه نية فاسدة لوترك بسببهااصل النكاح اواصل الواقاع اثم بها......الخ(۱)

(۸) نفاس ورضاعت کے خوف سے

کوئی عورت اس لئے بچوں کا سلسلہ منقطع کرتی ہے کہ وہ طہارت ونظافت کو پسند کرتی ہے، بچے پیدا ہوں تو نفاس کا خون آئے گا، خود بچوں کے بول و براز وغیرہ سے صفائی متاثر ہوگی، یہ غرض بھی فاسداور ناجائز ہے، مسلمانوں میں ایک فرقہ خوارج گزرا ہے ان کی عورتیں اسی مزاج کی تھیں۔

احیاء العلوم میں ہے:

الخامسة:ان تمنع المرأة لتعززهاومبالغتها فى النظافة و التحرزعن الطلق و النفاس والرضاع وكان ذلك عادة نساء الخوارج لمبالغتهن فى استعمال المياه حتى كن يقضين صلوات ايام الحيض ولايدخلن الخلاء الاعراة فهذه بدعة تخالف السنة فهى نية فاسدة واستأذنت واحدة منهن على عائشةؓ لماقدمت البصرة فلم تأذن لهافيكون القصدهوالفاسددون منع الولادة۔ (۲)

(۹) اگلی نسل میں نقائص کا امکان ہو

بعض جدید طریقوں سے یہ بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ فلاں آدمی کے توالد وتناسل کا سلسلہ جاری رہا تو خطرہ ہے کہ اس کی اگلی نسل میں جسمانی اور بدنی نقائص ہوں گے، اس بناء پر ایسے شخص کو خاندانی منصوبہ بندی کا حکم دیا جاتا ہے، شرعاً یہ احتمال وامکان شرعی عذر نہیں ہے، اور محض وہم کی

(۱) احیاء العلوم(۲/۷۲) کتاب آداب النکاح،

(۲) احیاء العلوم(۲/۷۲)

بنیاد پر تناسل کا سلسلہ منقطع کرنا جائز ہے۔اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کے ایک فیصلہ میں ہے:

''اگر جینٹک ٹیسٹ کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ کسی شخص کی اگلی نسل میں پیدائشی نقائص کے امکانات ہیں تو اس اندیشہ کے پیش نظر سلسلہ تولید کو روکنا قطعاً ناجائز ہے''۔(۱)

(۱۰) دینی خدمت اور سلسلہ تدریس کے پیش نظر اولاد کا سلسلہ بند کرنا

دینی خدمت کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا، دعوت وتبلیغ کا کام کرنا، درس و تدریس کرنا وغیرہ، بعض خدام دین اور نیک مسلمان اس نیت سے عارضی طور پر بچوں کا سلسلہ موقوف کردیتے ہیں کہ اگر بچے پیدا ہوں گے تو دینی خدمت میں رکاوٹ پیدا ہوگی بالخصوص آج کل بچیوں کے مدارس کی کثرت ہے، جہاں معلمات بھی پڑھاتی ہیں، ان کے ہاں یہ صورت حال زیادہ پیش آتی ہے۔شرعاً دینی خدمت کے لئے بچوں کا سلسلہ موقوف کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ عارضی اور وقتی وقفہ کیا جائے۔

فتاویٰ رحیمیہ میں اسی طرح کے سوال کے جواب میں ہے:

''نکاح کا مقصد توالد وتناسل ہے اور کثرت اولاد حضور ﷺ کے لئے فخر کا سبب ہے ......لہٰذا صورت مسئولہ میں وقتی طور پر بندش اولاد کیلئے جو بات پیش کی گئی ہے، اسے شرعی عذر قرار نہیں دیا جاسکتا، دینی خدمت میں مشغول ہونا بھی دین ہے اور موجب اجر وثواب ہے، اولاد کی پرورش وغیرہ بھی دین اور موجب اجر وثواب ہے، اولاد میں کوئی ایسا بھی ہوسکتا ہے جو اپنے زمانے کا عالم ربانی، ولی کامل ہو اور وہ اپنے والدین خاندان بلکہ پوری بستی اور عامۃ الناس کی ہدایت ونجات کا ذریعہ بن جائے، اس لئے اولاد کے سلسلے میں دل تنگ نہ کرنا چاہئے اور جو کچھ تکلیف اور پریشانی پیش آئے اسے بخوشی برداشت کرنا چاہئے''۔(۲)

---

(۱) ڈی این اے ٹیسٹ (ص ۱۶)

(۲) فتاویٰ رحیمیہ (۱۰/۱۸۷)

تخلیق انسانی کے سات درجات

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے جو انسان کو عدم سے وجود بخشتے ہیں، یہ تخلیق ہے، اور یہ تخلیق آنی شے نہیں بلکہ انسان مختلف مراحل سے گزر کر اس شکل میں آتا ہے، قرآن کریم نے کئی مقامات پر انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے، ان میں سب سے جامع مقام سورۃ المومنون کی آیت نمبر ۱۲، ۱۳ اور ۱۴ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ، ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ، ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴾(۱)

اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (غذا) سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا جو ایک محفوظ مقام (رحم مادر) میں رہا پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنایا پھر بوٹی (کے بعض حصوں) کو ہڈیاں بنادیا پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا پھر ہم نے اسے (روح ڈال کر) دوسری مخلوق بنادیا۔

ان آیات میں تخلیق انسانی کے سات درجات بیان فرمائے ہیں:

۱)...... مٹی سے پیدا کرنا یعنی مٹی سے غذا تیار ہوتی ہے، اور غذا سے نطفہ، لہٰذا مٹی بھی انسانی تخلیق کا ایک درجہ ہے۔

۲)...... نطفہ اور مادہ تولید یعنی منی۔ ۳)...... خون کا لوتھڑا

۴)...... لوتھڑے کا گوشت میں بدل جانا۔ ۵)...... ہڈیاں بننا۔

۶)...... ہڈیوں پر گوشت چڑھنا۔ ۷)...... روح کا پھونکنا۔

اللہ تعالیٰ ان تمام درجات کو آن واحد میں طے کر کے انسان کی تخلیق کر سکتے ہیں لیکن سات مراحل بنا کر انسان کو تعلیم دے دی کہ ہر کام سلیقہ اور نظم وضبط سے کیا جائے، پھر انسانی عقل وقیاس کے حساب سے ان سات مراحل میں جتنی مدت درکار ہوتی ہے قرآن کریم میں ان کی

---

(۱) سورۃ المومنون، آیت نمبر ۱۲-۱۳-۱۴

طرف اشارہ کر دیا چنانچہ جس مرحلہ سے دوسرے مرحلہ تک زیادہ مدت درکار ہے وہاں لفظ ثم ذکر فرمایا اور جہاں ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ تک کم مدت چاہئے وہاں حرف فاء کو ذکر فرمایا۔

ان مراحل میں اسقاط حمل، نطفہ کے رحم میں منتقل ہو کر قرار پکڑنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے ،اب قرار حمل کے بعد روح پھونکنے تک کتنا عرصہ لگتا ہے؟ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تین چلے یعنی چار ماہ/۱۲۰ دن لگتے ہیں۔

عن عبداللہ بن مسعودؓ......ان احدکم یجمع خلقه فی بطن امه اربعین یومًا ثم یکون فی ذلك علقة مثل ذلك ثم یکون فی ذلك مضغة مثل ذلك ثم یرسل الله الملك فینفخ فیه الروح ...... الخ(۱)

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ایک نطفہ کی صورت میں ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے پھر اتنی مدت میں علقہ پھر اتنی مدت میں مضغہ بن جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتے ہیں وہ آ کر روح پھونک دیتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ چار ماہ میں بچے میں روح پھونک دی جاتی ہے، اگرچہ درمیان کے مراحل کی مدت مختلف بھی ہو سکتی ہے کسی میں کم کسی میں زیادہ۔

امام نووی لکھتے ہیں:

"ظاهره ان ارساله یکون بعد مأة وعشرین یوماً"۔ (۲)

ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کو روح پھونکنے کے لئے ایک سو بیس دن کے بعد بھیجا جاتا ہے۔

نیز یہیں فرماتے ہیں:

"اتفق العلماء علی إن نفخ الروح لایکون إلا بعد أربعة أشهر"۔

علماء کرام کا اتفاق ہے کہ چار ماہ بعد ہی روح پھونکی جاتی ہے۔

☆ بعض ڈاکٹر حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ چار ماہ سے قبل بھی روح پھونکی جاتی ہے لیکن وہ

(۱) صحیح المسلم(۲/۳۳۲) کتاب القدر

(۲) شرح المسلم(۲/۳۳۲)

(۳) شرح المسلم(۲/۳۳۲)

حقیقت میں روح نہیں ہوتی بلکہ روح کے آنے کے آثار ہوتے ہیں۔

☆اسی طرح بعض کتب فقہ میں لکھا ہے کہ تخلیق کے بعد اسقاط جائز نہیں ہے، تخلیق سے مراد روح پھونکنا ہے، ورنہ حقیقی تخلیق روح پھونکنے سے بہت پہلے شروع ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

وهل يباح الاسقاط بعدالحبل يباح مالم يتخلق شئي منه ثم في غيرموضع قالوا: ولايكون ذلك الابعدمأئة وعشرين يومًاوهذايقتضى انهم ارادوا بالتخليق نفخ الروح والا فهوغلط لان التخليق يتحقق بالمشاهده قبل هذه المدة۔(۱)

☆حمل میں جان اگرچہ چار ماہ بعد پڑتی ہے مگر اس کے اعضاء کی تخلیق پہلے شروع ہو جاتی ہے اور اب جدید آلات USG جنیٹک ٹیسٹ وغیرہ سے چار ماہ قبل بھی یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ رحم میں پرورش پانے والا بچہ ناقص الاعضاء ہے یا بالکل صحیح سالم ہے۔

---

(۱) فتح القدير(۲۷٤/۳)

(۲۰)

اسقاط حمل:(Abortion)

اسقاط حمل بنیادی طور پر عارضی تدابیر میں شامل ہے، کیونکہ اسقاط حمل کے بعد دوبارہ قرار حمل ہوتا ہے، لیکن حکم کے اعتبار سے عارضی تدابیر میں اسقاط حمل کی شناعت زیادہ ہے کیونکہ باقی تدابیر میں قرار حمل کو ہی روک لیا جاتا ہے اور اس میں قرار حمل کے بعد اسے ضائع کر دیا جاتا ہے، والامتناع من الشیء اولی من رفعه لہٰذا جن اعذار شرعیہ کی بناء پر عارضی مانع حمل تدابیر اختیار کرنا جائز ہے ان اعذار کی وجہ سے چار ماہ سے کم مدت کے حمل کا اسقاط بھی جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے سے ہی عارضی مانع حمل تدبیر اختیار کر لی جائے، تاکہ نہ قرار حمل ہو اور نہ اس کے اسقاط کی نوبت آئے۔

فتح الملہم میں ہے:

وينتزع من حكم العزل حكم معالجة المرأة اسقاط النطفة قبل نفخ الروح فمن قال بالمنع هناك ففي هذه اولى ومن قال بالجواز يمكن ان يلتحق به هذا و يمكن ان يفرق بانه اشد لان العزل لم يقع فيه تعاطى السبب و معالجة السقط تقع بعد تعاطى السبب ......الخ (۱)

شرعی حیثیت

اسقاط حمل کا حکم یہ ہے کہ اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) چار ماہ کے بعد اسقاط حمل (۲) چار ماہ سے پہلے اسقاط حمل۔

(۱) فتح الملهم(۳/۱٤٥)، عن فتح الباری

چار ماہ کے بعد اسقاط حمل

چار ماہ کے بعد بچے میں روح پیدا ہوتی ہے، آثار زندگی رونما ہو جاتے ہیں، اور وہ حمل ایک زندہ نفس کا روپ دھار لیتا ہے، کیونکہ تفصیل آچکی ہے کہ 120 دن کے بعد بچے میں روح آجاتی ہے، لہذا اس کا اسقاط اور گرانا قتل نفس میں داخل ہو کر حرام اور ناجائز ہے۔

قاموس الفقہ میں ہے:

روح اور آثار زندگی پیدا ہو جانے کے بعد اسقاط حمل کی حرمت میں تو شرعاً کسی کلام کی گنجائش نہیں ہے، اسلئے کہ جب حمل میں زندگی پیدا ہوگئی تو ایک زندہ نفس اور اس کے درمیان اس کے سوا اور کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا کہ ایک پردہ رحم میں لپٹا ہوا ہے اور دوسرا اس دنیائے آب وگل میں آچکا ہے، قتل نام ہے کسی زندہ وجود کو زندگی سے محروم کر دینے کا، یہ جرم اگر بطن مادر میں ہو تو بھی نفس کشی ہے اور اس دنیا میں آنے کے بعد ہو تو بھی نفس کشی ہے، دواؤں اور گولیوں کی طاقت سے انجام پائے تو بھی قتل ہے اور تلوار اور لاٹھی کا سہارا لیا جائے تو بھی قتل ہے ﴿لَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ﴾ کے مخاطب اگر بچوں کو زندہ درگور کر دینے والے ہیں تو آخر وہ لوگ اس سے کیوں دامن کش ہو سکتے ہیں جو رحم مادر میں پلنے والے بچوں کو زندگی کی نعمت سے محروم کرتے ہیں؟ (۱)

اجماع واتفاق

چار ماہ سے زیادہ مدت کا حمل ساقط کرنا جائز نہیں، اس پر ائمہ اربعہ اور تمام علماء امت کا اتفاق واجماع ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

شیخ احمد علیش مالکیؒ فرماتے ہیں:

" والتسبب فی اسقاطه بعد نفخ الروح فیه محرم اجماعًا و هو من قتل النفس"۔ (۲)

(۱) قاموس الفقه (۲/ ۱۳٤)

(۲) فتح العلی المالك (۱/ ۳۹۹)

حمل میں روح پڑ جانے کے بعد اس کے اسقاط کی تدبیر کرنا بالاجماع حرام ہے اور یہ قتل نفس میں شامل ہے۔

فقہ حنفی میں ہے:

"أمـا بـعد ذلك فلا يجوز بحال من الاحوال لانه باستكمال تخلقه وحياته اصبح نفسا انسانية حية محترمة الحقوق فلايجوزقتله و اسقاطه"۔(۱)

چار ماہ کے بعد کسی حالت میں بھی حمل کا اسقاط جائز نہیں ہے کیونکہ وہ حمل اپنی خلقت کی تکمیل اور زندگی کے آثار پیدا ہونے کی وجہ سے ایک ذی روح زندہ انسان بن چکا ہے، جس کے حقوق قابل احترام ہیں لہٰذا اس کا قتل اور اسقاط جائز نہیں ہے۔

وأدہ صغریٰ کا مصداق

بعض احادیث میں عزل کو جو واٗدۃ صغریٰ (زندہ در گور کرنے کی چھوٹی صورت) اور سخت گناہ کہا ہے، کئی صحابہ کرامؓ نے اس کا مصداق چار ماہ سے زائد حمل کا اسقاط بتایا ہے۔

و قـد اتـفـق عمرؓ وعلیؓ انهالاتكون موؤدة حتى تمرعليها التارات السبع، اسـند ابو يعلى وغيره عن عبيد بن رفاعة عن ابيه قال جلس الى عمروعلى و الـزبير و سعد فى نفرمن اصحاب رسول الله ﷺ فتذاكرواالعزل فقالوالا بـأس به فقال رجل منهم انهم يزعمون انهاالموؤدة الصغرىٰ فقال على:لا تـكـون موؤدة صغرىٰ حتى تمرعليهاالتارات السبع حتى تكون سلالة من طيـن ثـم تـكـون نـطـفة ثم تكون مضغة ثم تكون عظاماثم تكون لحماثم تكون خلقاآخرفقال عمر:صدقت اطال الله بقائك ۔(۲)

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا اتفاق ہے کہ عزل موؤدت صغریٰ نہیں جب تک اس پر انسانی تخلیق کے سات درجات نہ گزر جائیں ابویعلی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر،

(۱) الفقه الحنفى فى ثوبه الجديد(۲/۴۰)

(۲) فتح القدير(۳/۲۷۳)

علی، زبیر اور سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ حضرات صحابہ کرام کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی، عزل کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں، ان میں سے ایک شخص نے فرمایا کہ لوگوں کے خیال میں عزل موؤدت صغریٰ ہے تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب تک بچے کی تخلیق کے سات مراحل نہ گزرے ہوں عزل کرنا موؤدت صغریٰ نہیں ہے، پھر انہوں نے سات مراحل بیان فرمائے، حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ آپ کی عمر دراز کرے آپ نے صحیح فرمایا۔

چار ماہ سے کم حمل کا اسقاط

اگر حمل چار ماہ سے کم کا ہے تو اصل حکم یہ ہے کہ اس کا اسقاط کرنا بھی جائز نہیں ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ فقیہ علی بن موسیٰؒ سے نقل فرماتے ہیں:

”فان الماء بعد ماوقع فی الرحم مآله الحیوۃ فیکون له حکم الحیوۃ کمافی بیضة صید الحرم ونحوه فی الظهیریة“۔(۱)

روح پڑنے سے قبل بھی اسقاط درست نہیں اس لئے کہ جو مادہ رحم میں پڑ جاتا ہے اس کا مآل بھی حیوۃ اور زندگی ہے لہٰذا اس کا حکم بھی حیوۃ والا ہے۔ جیسے حرم میں شکار کے انڈے کا یہی حکم ہے۔

لہٰذا اگر کسی نے بلا عذر شرعی چار ماہ سے کم مدت کے حمل کو ساقط کیا تو وہ بھی گناہ گار ہے البتہ بعض شرعی اعذار کی وجہ سے ایسے حمل کا اسقاط جائز ہے، ایسے اعذار دو قسم کے ہیں:

(۱) عام اعذار (۲) خاص اعذار۔

عام اعذار

جن اعذار کی وجہ سے عارضی اور وقتی مانع حمل تدبیر اختیار کرنا جائز ہے ان کی وجہ سے اسقاط حمل بھی جائز ہے، چونکہ یہ اعذار اسقاط حمل کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ان کی وجہ سے عارضی

(۱) الشامیة(۳/۱۷۶)

خاندانی منصوبہ بندی بھی درست ہے، لہذا یہ عام اعذار کہلاتے ہیں، ان اعذار کی تفصیل پہلے آچکی ہے، اور خلاصہ ان کا مندرجہ ذیل ہے:

۱)......عورت کمزور ہونے کی وجہ سے حمل کا تحمل نہ کرسکتی ہو۔

۲)......عورت کو قرار حمل ہو چکا لیکن کسی دائمی اور طویل مرض میں مبتلا ہو۔

۳)......رحم یا بچہ دانی میں حمل برداشت کرنے طاقت نہ ہو۔

۴)......ولادت کیس اتنا سخت اور تکلیف دہ ہے کہ عورت کی موت کا خطرہ ہو۔

۵)......پہلے سے شیر خوار بچہ موجود ہے اور اگر حمل کا اسقاط نہ کیا گیا تو شیر خوار بچے کی حق تلفی ہوگی اور اس کی صحت متاثر ہوگی۔

۶)......عورت کو قرار حمل ہو چکا ہے لیکن عورت فطرۃً اس قدر مغفل ہے کہ وہ بچے کی دیکھ بھال کے ہرگز قابل نہ ہو۔

۷)......قرار حمل ہو چکا ہے، مگر معاشرہ اور زمانہ اس قدر ابتر ہو چکا ہے کہ بچے کا ضیاع یقینی ہے۔

۸)......قرار حمل ہو چکا ہے مگر عورت دیوانی اور مجنونہ ہے۔

۹)......قرار حمل ہو چکا ہے مگر میاں بیوی کے درمیان کسی وجہ سے آئندہ جدائی اور طلاق یقینی ہو چکی ہے۔

۱۰)......مرد یا عورت کو طویل سفر درپیش ہے، اور جب سفر کا وقت آئے گا تو حمل زیادہ مدت کا ہو چکا ہوگا اور اس کا بوجھ اٹھانا عورت کے لئے انتہائی تکلیف دہ ہوگا۔

۱۱)......شوہر قرار حمل کے بعد دار الحرب چلا گیا ہے۔

اغراض فاسدہ کا خلاصہ

جن اغراض فاسدہ کے پیش نظر عارضی خاندانی منصوبہ بندی جائز نہیں ان کی وجہ سے چار ماہ سے قبل اسقاط حمل بھی جائز نہیں ہے، ان اغراض کی تفصیل پہلے آچکی ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر قرار حمل ہو چکا ہو تو اگرچہ حمل چار ماہ سے کم مدت کا ہو مندرجہ ذیل صورتوں میں اس کا اسقاط

جائز نہیں ہے:

۱)......قلت وسائل اور کثرت اولاد کا خوف ہو یعنی بچے زیادہ ہو گئے تو کہاں سے کھائیں گے؟

۲)......عورت کا مقصد اپنے آپ کو تندرست وتوانا اور طاقت ور رکھنا ہو۔

۳)......حسن وجمال برقرار رکھنے کے لئے۔

۴)......آزادانہ زندگی گزارنا مقصود ہو۔

۵)......لڑکی پیدا ہونے کا خوف ہو۔

۶)......عورت ملازمت اور سماجی خدمات میں مصروف رہنا چاہتی ہو۔

۷)......میاں بیوی کم عمر ہیں بچہ پیدا ہو تو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔

خاص اعذار

یعنی جن اعذار کی وجہ سے عارضی خاندانی منصوبہ بندی جائز ہوتی ہے پہلے وہ اعذار موجود نہیں تھے جس کی وجہ سے منصوبہ بندی نہ ہوسکی اور حمل ٹھہر گیا لیکن اب کوئی عذر پیش آ گیا ہے اگر وہ معتبر عذر ہے تو حمل کا اسقاط جائز ہے اور اگر معتبر عذر نہ ہو تو حمل کا اسقاط جائز نہیں ہے۔

(۱) ناقص الخلقت جنین کا اسقاط

اگر حمل چار ماہ سے کم کا ہے اور جدید طبی آلات کے ذریعہ یقین یا غالب گمان پیدا ہو جائے کہ اس حمل سے پیدا ہونے والا بچہ ناقص الخلقت معذور اور جسمانی اعتبار سے غیر معتدل ہوگا اور نقص ناقابل علاج ہوگا، اور اس طرح وہ دوسروں کے علاوہ خود اپنے لئے بھی بوجھ ہوگا، تو ایسی صورت میں ایسے جنین کا اسقاط جائز ہے، اس کا ناقص الخلقت ہونا ایک شرعی عذر ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

العلاج لا سقاط الولداذااستبان خلقه کالشعرو الظفرو نحو هما لا یجوز و

ان كان غير مبين الخلق يجوزامافي زماننافيجوزعلى كل حال وعليه الفتوىٰ ۔(۱)

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی اسلامی فقہ اکیڈمی نے بھی اس صورت میں اسقاط حمل کی اجازت دی ہے۔

عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل میں ہے:

''اگر حمل پر ایک سو بیس دن نہ گزرے ہوں اور ماہر قابل اعتماد اطباء کی کمیٹی کی رپورٹ اور تجرباتی وسائل اور آلات کے ذریعہ فنی تحقیقات کی بنیاد پر یہ ثابت ہو رہا ہو کہ بچہ خطرناک طور پر ایسا ناقص الخلقت ہے جو نا قابل علاج ہے اور اگر وہ باقی رہ کر اپنے وقت پر پیدا ہوتا ہے تو اس کی زندگی ایک بوجھ اور اس کے اور گھر والوں کے لئے الم رساں رہے گی تو ایسی صورت میں والدین کے مطالبہ پر اس کا اسقاط جائز ہے، اجلاس اس فیصلہ کے ساتھ ہی اطباء اور والدین سے اس معاملہ میں اللہ کا خوف اور احتیاط ملحوظ رکھنے کی سفارش کرتا ہے''۔(۲)

اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کا فیصلہ بھی یہی ہے، چنانچہ ڈی این اے ٹیسٹ اور جینیٹک سائنس سے متعلق شرعی مسائل (ص۱۶) میں ہے:

''اگر جینیٹک ٹیسٹ کے ذریعہ ثابت ہو جائے کہ رحم مادر میں پرورش پانے والا بچہ ایسا ناقص العقل اور ناقص الاعضاء ہے جو نا قابل علاج ہے، اور پیدائش کے بعد اس کی زندگی ایک بوجھ اور اس کے گھر والوں کیلئے تکلیف دہ رہے گی تو ایسی صورت میں حمل پر ایک سو بیس دن گزرنے سے پہلے پہلے والدین کے لئے اس کا اسقاط جائز ہے''۔

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

''وہ صورتیں کہ جس میں کسی طبی آلہ کے ذریعہ اس بات کا ظن غالب حاصل ہو جائے کہ اس حمل کے ذریعہ پیدا ہونے والا بچہ کسی خطرناک موروثی مرض، کوئی خلقی نقص اور جسمانی اعتبار سے غیر معتدل ہوگا اور حمل بھی اس مرحلہ میں نہ پہنچا ہو کہ اسکے اندر روح

(۱) الهندية (۴/۱۱۲)

(۲) عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل (ص۲۴۵)

پیدا ہوئی ہوتو اسقاط حمل کی اجازت دی جاسکتی ہے"۔(۱)

☆ واضح رہے کہ اگر چار ماہ کے بعد معلوم ہو کہ بچہ ناقص الخلقت ہے تو اب اس کا اسقاط ہر گز جائز نہیں ہے، کیونکہ اب اس میں روح پڑ چکی ہے، اور وہ زندہ نفس بن چکا ہے، جس طرح عام معذور شخص کو قتل کرنا جائز نہیں بلکہ رشتہ داروں اور اسلامی معاشرہ پر اس کی نگہبانی لازمی اور ضروری ہے اور اس پر ان کو انشاء اللہ تعالی اجر وثواب ملے گا، اسی طرح اس ناقص الخلقت جنین کو پالنا اور اس کی خدمت کرنا ضروری ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان و آزمائش سمجھ کر صبر تحمل سے کام لینا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ۔(۲)

اور البتہ ہم تم کو کچھ خوف اور بھوک اور مالوں اور نفسوں اور پھلوں میں کمی کے ذریعہ آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیں۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

سوال......ایک عورت ہے جس کا حمل پانچویں مہینے میں چل رہا ہے، لیکن صورت حال یہ ہے کہ ڈاکٹروں نے کئی مرتبہ بچے کا اسکین (خصوصی مشین سے دیکھنا) کیا اور بتلایا کہ بچے کی حالت اچھی نہیں ہے، اس کی ماں کی جان بھی خطرے میں ہوسکتی ہے، کیونکہ بچے کے اندر کئی قسم کے نقصانات ہیں:

(۱) دل بائیں جانب کی بجائے دائیں جانب ہے۔

(۲) دل میں بجائے چار منافذ کے ایک منفذ ہے۔

(۳) بچہ کے دل کے خون کا اختلاط ہو رہا ہے، آکسیجن و بغیر آکسیجن والے خون کی وجہ سے بچہ اگر عندالولادت زندہ بھی رہا تو نیلا رنگ ہوگا، نیز پیدا ہوتے ہی اس کا آپریشن

---

(۱) كتاب الفتاوى(۶/۲۲۳)

(۲) سورة

کرنا ہوگا اوراس کے بعد بچہ کی حیات بھی موہوم ہے اور ولادت کے وقت تکلیف بھی بہت ہوگی، اس کی ماں پران باتوں کا بڑا اثر ہے.....ایک عالم دین اور ایک حکیم حاذق نے بھی یہی رائے دی ہے......

جواب: حمل کا پانچواں مہینہ ہے بچہ کے اعضاء مکمل ہو چکے ہوں گے اور روح پڑ چکی ہوگی، ایسی حالت میں اسقاط حمل کی اجازت نہیں، ڈاکٹر جو بات کہہ رہے ہیں اس کا سو فیصد صحیح ہونا ضروری نہیں ہے، حال ہی میں ایک جنین سے متعلق ڈاکٹری رپورٹ یہ تھی کہ بچہ کا صرف ایک پیر ہے دوسرا پیر نہیں ہے، ماشاء اللہ وہ بچہ صحیح سالم پیدا ہوا اور دونوں پیر صحیح ہیں، لہذا اللہ پر اعتقاد کرتے ہوئے اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔(۱)

☆ ہاں اگر اس بچہ کی وجہ سے ماں کی جان کو یقینی خطرہ ہو تو پھر اسقاط حمل کی گنجائش ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کی اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فیصلہ میں ہے:

''اگر حمل ایک سوبیس (۱۲۰) دنوں کا ہو تو اس کا اسقاط جائز نہیں، خواہ طبی تشخیص سے یہ ثابت ہو کہ بچہ ناقص الخلقت ہے البتہ اگر ماہر قابل اعتماد اطباء کی کمیٹی کی رپورٹ سے ثابت ہو رہا ہو کہ حمل کا باقی رہنا ماں کی زندگی کے لئے یقیناً خطرہ ہے تو ایسی صورت میں بڑے نقصان کا ازالہ کے لئے بچے کا اسقاط جائز ہے، خواہ وہ ناقص الخلقت ہو یا نہ ہو''۔(۲)

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

''البتہ نفخ روح کے بعد ان حالات میں بھی اسقاط کی اجازت نہیں ہوگی، اس لئے یہ صورت بالکل ایسی ہو جائے گی، کہ گویا کسی زندہ وجود کو محض خطرناک امراض اور جسمانی اعتبار سے غیر معتدل ہونے کی بناء پر قتل کر دیا جائے ...... اگر بچہ بطن مادر میں زندہ ہو اور اس کے اسقاط کے بغیر ماں کی زندگی بچانا ناممکن ہو تو اس وقت بھی (اسقاط حمل) کی اجازت ہونی چاہئے، اس لئے کہ ان دو ضرورتوں میں سے ماں کی موت ضرر اعلیٰ ہے اور بچے کی موت ضرر اہون ہے نیز ماں کا زندہ وجود شاہد و معاین ہے اور

(۱) فتاویٰ رحیمیہ (۱۰/۱۹۲)

(۲) عصر حاضر کے جدید مسائل کا شرعی حل (ص ۲۴۵)

بچہ کا مظنون اور اس کی نظیر یہ ہے کہ فقہاء نے استحساناً ان مسلمانوں کے قتل کرنے کی اجازت دی ہے جنہیں کفار اپنے لشکر کے آگے ڈھال بناتے ہیں۔

"منها جواز الرمی الی الکفار تترسوا بصبیان المسلمین"۔(۱)

کیونکہ مملکت اسلامیہ کا اہل اسلام کے ہاتھ سے نکل جانا چند مسلمانوں کی موت کے مقابلہ میں بڑا ضرر ہے۔(۲)

(۲) موروثی اور خطرناک مرض میں مبتلا کا اسقاط

اگر جدید آلات طب سے یقین ہو یا غالب گمان پیدا ہو جائے کہ حمل کسی خطرناک یا متعدی مرض میں مبتلا ہے اور پیدائش کے بعد اس کی زندگی وبال جان بن جائے گی اور ڈاکٹروں کا مشورہ اس کے اسقاط کا ہو تو شرعاً چار ماہ سے کم حمل کا اس عذر کی وجہ سے اسقاط جائز ہے۔ البتہ چار ماہ کے بعد اسقاط جائز نہیں ہے خواہ بیماری کتنی ہی خطرناک ہو۔

(۳) ایڈز کی وجہ سے اسقاط

جو عورت ایڈز کے مرض میں مبتلا ہو اس کا یہ مرض اس کے بچے کی طرف منتقل ہو سکتا ہے، کیونکہ ایڈز متعدی امراض میں سے ہے اور اس مرض کے پھیلنے سے جو نقصانات ہوتے ہیں اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے، لہذا عورت کا ایڈز میں مبتلا ہونا ایک شرعی عذر ہے جس کی وجہ سے مانع حمل تدبیر اختیار کر سکتی ہے، اور اسقاط حمل سے بہتر یہ ہے کہ مانع حمل کی تدبیر اختیار کر لی جائے، تاہم اگر کسی وجہ سے قرار حمل ہو چکا ہو اور حمل کی مدت چار ماہ سے کم ہے تو اس کا اسقاط جائز ہے بلکہ ایڈز کے اثرات پورے ملک اور معاشرہ پر پڑتے ہیں، اس لئے اگر کوئی خاتون اسقاط نہ کرے اور شوہر، اہل خاندان یا حکومت کی طرف سے اسقاط کا اصرار ہو تو عورت کو اسقاط پر مجبور بھی کیا جا سکتا ہے۔(۳)

---

(۱) الاشباہ والنظائر (ص ۸۷)

(۲) کتاب الفتاوی (۲۲۴/۶) (۳) جدید فقہی مسائل (۳۴/۵)

(۴) مرض جنون کی وجہ سے اسقاط

اگر حاملہ عورت مجنون اور دیوانی ہے مگر اس کا جنون اس حد تک نہیں پہنچا کہ وہ حمل کو ضائع کر بیٹھے گی یا بچہ پیدا ہونے کے بعد اس کی جان لے لے گی تو ایسی عورت کے حمل کا اسقاط کرانا جائز نہیں ہے اگر چہ حمل چار ماہ سے کم کا ہو، اہل خانہ پر لازم ہے کہ اس کا اور اس کے بچے کا خیال رکھیں، اور اگر اس کا جنون اس حد تک ہے کہ اس سے واقعۃً بچے کی جان کو خطرہ ہے اور بچے کو سنبھالنے والا کوئی نہیں یا وہ حمل کا بار ہی نہیں اٹھا سکتی ہے اور حمل کی مدت چار ماہ سے کم ہے تو اس کے اسقاط کی گنجائش ہے۔(۱)

(۵) جنون کے علاج کے لئے اسقاط

اگر کسی خاتون کا حمل چار ماہ سے کم کا ہے مگر خاتون مرض جنون میں مبتلا ہے اور متعدد ڈاکٹروں کی رائے یہ ہے کہ اس کا جنون خطرناک ہے اور جب تک اسقاط حمل نہ کیا جائے اس کے جنون کا علاج نہیں ہوسکتا اور وضع حمل تک کی مدت میں اس سے جانی و مالی شدید نقصان کا خطرہ ہے تو ان حالات میں اسقاط کی گنجائش ہے تاہم اگر جنون زیادہ نہ ہو یا زیادہ ہے مگر وضع حمل تک علاج مؤخر کیا جاسکتا ہے اور وہ حمل کا بار بھی اٹھا سکتی ہے یا حمل چار ماہ سے زیادہ کا ہے تو ان صورتوں میں اسقاط جائز نہیں ہے۔(۲)

(۶) حمل بالزنا کا اسقاط

حمل بالزنا کا اسقاط جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ حمل بالزنا کی ابتداء دو صورتیں ہیں:

۱)......زنا بالرضا یعنی لڑکی نے رضامندی سے زنا کا ارتکاب کیا ہو۔

(۱) مستفاد من نظام الفتاویٰ(۱/۳۹۷)

(۲) ماخذه كتاب الفتاویٰ(۶/۲۱۵)

۲)......زنا بالجبر یعنی اس کے ساتھ زبردستی زنا کیا گیا ہو۔

پھر لڑکی غیر شادی شدہ ہوگی یا شادی شدہ، نیز حمل چار ماہ سے زائد کا ہوگا یا چار ماہ سے قبل کا۔

حمل بالزنا کو اگر ساقط نہ کیا جائے تو اس میں دو مشکلات پیش آسکتی ہیں:

۱)...... بچے کا ضیاع، کیونکہ وہ ثابت النسب نہ ہوگا، معاشرے میں اس کی کوئی قدر نہ ہوگی، باپ کی طرف سے سہولیات اور حقوق نہیں مل سکیں گے۔

۲)......عورت کی عزت اور خاندان کی شرافت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

شادی شدہ عورت کا شوہر اگر عرصہ سے الگ ہو اور عورت سے زنا کا ارتکاب ہو جائے تو یہاں بھی معاشرے میں مذکورہ خرابیاں پیش آسکتی ہیں۔

لیکن شرعاً حمل بالزنا کا اسقاط جائز نہیں ہے، خواہ زنا بالرضا ہو یا زنا بالجبر اور خواہ حمل چار ماہ کا ہو یا چار ماہ سے کم مدت کا اور خواہ عورت شادی شدہ ہو یا کنواری، کسی حالت میں بھی حمل بالزنا کا اسقاط جائز نہیں ہے۔ بچہ کا ضیاع یا عورت کی عزت ختم ہونا شرعاً کوئی قوی عذر نہیں ہے کہ جس کی وجہ اسقاط حمل جائز ہو سکے۔ بچے کے ضیاع کا کوئی معنی نہیں ہے کیونکہ شریعت نے ولدالزنا کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک روا نہیں رکھا، ولدالزنا اور ثابت النسل کے احکام میں شرعاً کوئی فرق نہیں ہے، اور عورت کی عزت اور خاندان کی سبکی والی بات بھی درست نہیں ہے، کیونکہ اگر زنا بالجبر ہوا ہے تو عورت قصوروار نہیں ہے بلکہ مظلوم ہے، اس کے ساتھ ہمدردی ہونی چاہئے، اسے بدنام کرنا یا اس کے خاندان پر انگلی اٹھانا غلط اور ناجائز ہے اور اگر زنا بالرضا ہوا ہے تو یہ عورت کا قصور ہے اس نے خود اپنی اور خاندان کی عزت کو پامال کیا ہے، شریعت کی رو سے حمل قابل احترام ہے خواہ وہ زنا کے نتیجے میں ہو، حمل کا کوئی قصور اور گناہ نہیں ہے، قصور زانی اور مزنیہ کا ہے، پھر بچے کے ضیاع اور عورت کی عزت کی بات تب چل سکتی ہے کہ عورت کنواری ہو، اگر شادی شدہ ہے وہ یہ مشکلات بھی پیش نہیں آسکتیں، کیونکہ شادی شدہ عورت کا بچہ شوہر سے ثابت النسب ہی شمار ہوتا ہے، جب تک شوہر اس کی نفی نہ کرے، خواہ شوہر دور ہو، میاں بیوی کا ملاپ نہ ہوا ہو تو بھی بچہ باپ سے ثابت النسب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ زنا اسقاطِ حمل کا شرعی عذر نہیں ہے، اسقاط حمل کے دیگر شرعی اعذار میں سے کوئی عذر موجود نہ ہو تو حمل بالزنا کا اسقاط جائز نہیں ہے، چار ماہ کے بعد اسقاط حمل کی ویسے بھی کوئی صورت نہیں ہے اور حمل بالزنا کا چار ماہ سے قبل بھی اسقاط صحیح نہیں ہے، اگر چہ بعض فتاویٰ سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔(۱)

فتاویٰ محمودیہ کا فتویٰ جامع الفتاویٰ میں بلا تبصرہ نقل کیا گیا ہے، لیکن باقی سب مفتیان عظام عدم جواز کے قائل ہیں۔(۲)

نظام الفتاویٰ میں حمل زنا بالجبر خواہ عورت شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، کے بارے میں ہے۔(۳)

یہ شرط بھی شرعاً صحیح نہیں ہے اس لئے کہ غیر شادی شدہ عورت کے حمل کو اگر چہ حمل بالزنا کہہ دیں اور زانی اور زانیہ کو جتنا چاہیں قصوروار قرار دیں جو سزا مناسب ہو دے دیں، اس حمل کا، خواہ زنا بالجبر سے یا زنا بالرضا سے ہو، کوئی قصور نہیں، اس کو ضائع کرنا ظلم ہوگا، اس کے ساقط کرنے میں بھی اور گرانے میں بھی وہی تفصیل وقیودات ہیں جو ابھی مذکور ہوئیں۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

"فان الماء بعد ما وقع فی الرحم ماله الحیوة فیکون له حکم الحیوة"۔

اس لئے جب تک وہ شرائط وقیود متحقق نہ ہو جائیں گرانے کی شرعاً گنجائش واجازت نہ ہوگی، اور شادی شدہ عورت سے اگر زنا کا صدور متحقق وثابت بھی ہو جائے خواہ زنا بالجبر کی صورت میں یا زنا بالرضا کی شکل میں ہو اور خواہ اس کی سزا غیر شادی شدہ عورت سے کتنی ہی زیادہ اور سخت ہو مگر اس کے حمل کو زنا سے کہنا یا اس کو حرام کہنا درست نہیں ہے، حدیث شریف میں ہے الولد للفراش وللعاھر الحجر حتی کہ اگر عورت اس حمل کے بطریق لعان بالزنا ہونے کا اقرار کرے جب بھی جب تک خود شوہر بھی اس کے بارے میں اپنا ہونے کا انکار نہ کرے اور بحلف انکار نہ کرے حرامی نہ کہا جاوے گا اور بغیر ان اعذار ومجبوریوں کے اور بغیر ان شرائط وقیود کے جن کا ذکر تفصیل سے

(۱) ملاحظہ ہو: فتاویٰ رحیمیہ (۱۰/۱۷۹) وفتاویٰ محمودیہ (۱۸/۳۲۱)

(۲) جامع الفتاویٰ (۳/۳۲۵)

(۳) نظام الفتاویٰ (۱/۳۸۹)

پہلے آ چکا ہے، گرانا شرعاً کسی طرح جائز نہ ہوگا۔

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

''حمل بالزنا کے ذریعہ جو بچہ ہوگا وہ عام حالات میں ان تمام حقوق اور سہولتوں سے محروم ہوگا جو اس کو باپ کی طرف سے ملتی ہیں اور یہ ایک طرح کا ضرر ہے اور دفع ضرر کے لئے بعض امور کی اجازت دی جاتی ہے مگر یہاں اتنا سنگین اور اس درجہ کا ضرر نہیں جس کی بناء پر شریعت اس اقدام (اسقاط حمل) کی اجازت دیدے۔ چنانچہ خود عہد رسالت میں دوبار لعان کا ذکر ملتا ہے۔ (صحیح بخاری (۲/۸۰۰)

اور ظاہر ہے لعان کے بعد ہونے والے بچے کی الزام لگانے والے شوہر سے نفی کر دی جاتی ہے پھر خود حضرت غامدیہؓ کے اقرار زنا اور استقرار حمل کا واقعہ ملتا ہے (صحیح مسلم) ان پر دو موقعہ پر فی الجملہ یہ ضرر موجود تھا اگر اسقاط حمل جائز ہوتا اور یہ اس درجہ کا ضرر ہوتا کہ اسے قابل قبول سمجھا جائے تو ضرور تھا کہ رسول اللہ ﷺ ازراہ دفع ضرر اس کا حکم فرماتے اور رہنمائی کرتے جیسا کہ فقہاء متقدمین کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی ''تبرید'' وغیرہ کے ذریعہ ایسا کیا جاسکتا تھا۔(۱)

اسقاط حمل کی سزا

ڈاکٹر کے لئے اسقاط حمل ...... کافر سے تعاون

☆ بعض لوگوں کو شبہ ہو جاتا ہے کہ اگر کافر کے ہاں اسقاط حمل جائز ہے تو مسلمان اس کا تعاون کیوں نہیں کرسکتا؟ یہ شبہ غلط ہے کیونکہ مسلمان اپنے مذہب کا پابند ہے، مسلمان جو کام کرے اس کا شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہے، کافر کے نزدیک شراب حلال ہے لیکن مسلمان اسے نہ شراب پلا سکتا ہے اور نہ شراب اٹھا کر اس کی مدد کرسکتا ہے۔

---

(۱) کتاب الفتاوی (۶/۲۲۲)

خاندانی منصوبہ بندی کے دینی اور دنیاوی مفاسد

احسن الفتاویٰ میں ہے:

ضبط تولید اور اسقاط حمل کی ناجائز صورتوں میں عدم جواز کے علاوہ دینی اور دنیوی لحاظ سے مفاسد کثیرہ پائے جاتے ہیں۔ مثلاً

(۱) زنا اور امراض خبیثہ کی کثرت: عورتوں کو اللہ تعالیٰ کے خوف کے علاوہ دو چیزیں اخلاق کے اعلیٰ معیار پر قائم رکھتی ہیں اور زنا کی برائی سے بچاتی ہیں، ایک فطری حیاء اور دوسرا یہ خوف کہ حرامی بچہ کی پیدائش اس کو معاشرہ میں ذلیل ورسوا کردے گی۔

ان میں سے پہلے مانع کو تو جدید مغربی تہذیب نے بڑی حد تک دور کردیا، بازاروں، دفتروں، کالجوں، یونیورسٹیوں، مختلف تقریبات اور محفلوں میں بے پردہ عورتوں کی مردوں کے ساتھ بے محابا شرکت کے بعد حیا کہاں باقی رہ سکتی ہے۔

ضبط تولید کے رواجِ عام نے دوسرے مانع یعنی حرامی بچے کی پیدائش کے خوف کو باقی نہ رکھا، عورتوں اور مردوں کو زنا کی عام رخصت مل گئی ہے اور کثرت زنا کی وجہ سے طرح طرح کے امراض خبیثہ کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔

(۲) طلاق کی کثرت اور اس کے نتیجے میں خاندانوں کے درمیان لڑائی جھگڑے اور فسادات کا ہونا: عورت اور مرد کے درمیان ازدواجی تعلق کو مضبوط کرنے میں اولاد کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے، اور جب اولاد نہ ہوگی تو ایک دوسرے کو چھوڑ دینا آسان ہوگا۔

(۳) بعض اخلاقی خصائص کا فقدان: والدین میں بعض اخلاقی خصائص صرف تربیت اولاد ہی سے پیدا ہوتے ہیں، ضبط تولید کے باعث دونوں خصائص سے محروم رہتے ہیں۔

جس طرح والدین اولاد کی تربیت کرتے ہیں اسی طرح بچے بھی والدین کی تربیت کا ذریعہ بنتے ہیں، بچوں کی تربیت سے والدین میں محبت، ایثار اور قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، عاقبت اندیشی، صبر وتحمل اور ضبط نفس کی مشق ہوتی ہے، سادہ معاشرہ وقناعت

اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں ضبط تولید سے ان تمام اخلاقی فوائد کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

(۴) بچوں کے اخلاق کا نقصان: بچوں کی تربیت صرف ماں باپ ہی نہیں کرتے بلکہ وہ خود بھی ایک دوسرے کی تربیت کرتے ہیں، ان کا آپس میں رہنا ان کے اندر محبت، ایثار، تعاون اور دوسرے عظیم اوصاف پیدا کرتا ہے، وہ ایک دوسرے پر نکتہ چینی کر کے اپنے اندر سے بہت سے اخلاقی عیوب دور کر لیتے ہیں، جس بچے کو چھوٹے اور بڑے بھائیوں، بہنوں کے ساتھ رہنے سہنے، کھیلنے کودنے اور معاملات کرنے کا موقع نہیں ملتا وہ بہت سے اعلیٰ اخلاقی خصائص سے محروم رہ جاتا ہے، جو لوگ ضبط تولید پر عمل کر کے اپنی اولاد کو صرف ایک ہی بچے تک محدود کر لیتے ہیں یا دو بچوں کے درمیان اتنا وقفہ کرتے ہیں کہ ان میں عمر کا بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے وہ دراصل اپنی اولاد کو بہتر اخلاقی تربیت سے محروم کر دیتے ہیں۔

(۵) صحت کی خرابی: ضبط تولید کی وجہ سے زوجین کی صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے، مرد کی نسبت عورت کی صحت پر زیادہ اثر پڑتا ہے، ضبط تولید کی خاطر جو تدابیر اختیار کی جاتی ہیں بالخصوص گولیاں اور دوائیں استعمال کی جاتی ہیں وہ عورت کی صحت کے لئے انتہائی نقصان دہ ہیں، عمر گزرنے سے ان کے مضر اثرات آہستہ آہستہ رونما ہوتے ہیں، مثلاً عصبی نظام میں برہمی، بدمزاجی اور چڑچڑاپن، حافظہ کی خرابی، جنون اور سرطان، اگر کبھی حمل ہو بھی جائے تو وضع حمل کی وقت سخت تکلیف ہوتی ہے۔(۱)

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

(۶) عورت کا بچے پیدا کرنا ایک فطری عمل ہے، جو عورتیں اس فطری عمل کو روکنے کیلئے غیر فطری تدابیر اختیار کرتی ہیں، وہ اپنی صحت کو برباد کر لیتی ہیں اور بلڈ پریشر سے لے کر کینسر تک کے روگ ان کی زندگی بھر کے ساتھ ہو جاتے ہیں، اور وہ جلد سے جلد قبر میں پہنچنے کی تیاری کر لیتی ہیں۔ گویا ضبط تولید کی گولیاں اور دوسری غیر فطری تدابیر ایک

---

(۱) احسن الفتاویٰ (۳۴۸/۸)

زہر ہے جوان کے جسم میں اتارا جاتا ہے۔

(۷) اس زہر کا اثر ان کی اولاد پر بھی ظاہر ہوتا ہے، چونکہ ایسی خواتین کی اپنی سوچ گھٹیا ہوتی ہے اس لئے ان کی اولاد بھی ذہنی و جسمانی طور پر تندرست نہیں ہوتی بلکہ یا تو جسمانی طور پر معذور ہوتی ہے یا ذہنی بلندی سے عاری، کام چور، کھیل کود کی شوقین، والدین کی نافرمان اور جوان ہونے کے بعد نفسانی و جنسی امراض کی مریض، اس طرح ضبط تولید کی یہ تحریک جس پر حکومت قوم کا کروڑوں اربوں روپیہ غارت کر چکی ہے اور کر رہی ہے، درحقیقت ایک معذور اور ذہنی طور پر اپاہج معاشرہ وجود میں لانے کی تحریک ہے۔

(۸) ہمارے معاشرے میں مرد و زن کے اختلاط پر کوئی پابندی نہیں، تعلیم گاہوں (جن کو نئی نسل کی قتل گاہیں کہنا زیادہ صحیح ہوگا) میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مخلوط تعلیم حاصل کرتے ہیں، عقل ناپختہ اور جذبات کی فراوانی کے اس ماحول میں نوجوان نسل بجائے فنی تعلیم حاصل کرنے کے عشق لڑانے کی مشق کرتی ہے اور جنسی ملاپ کو منتہائے محبت تصور کرتی ہے، اس راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ اگر جنسی ملاپ کا نتیجہ ظاہر ہوگیا تو دنیا میں رسوائی ہو جائے گی، اس برتھ کنٹرول کی تحریک نے ان کے راستے کی یہ مشکل حل کر دی، اب لڑکیاں اس غلط روی کے خوفناک انجام سے بے فکر ہو گئی ہے، اور اگر برتھ کنٹرول کے باجود ''نتیجہ بد'' ظاہر ہو ہی جائے تو ہسپتال میں جا کر صفائی کرالی جاتی ہے۔(۱)

محکمہ خاندانی منصوبہ بندی کی ملازمت

محکمہ خاندانی منصوبہ بندی کی بنیادی سوچ اور نظریہ ہی غلط ہے، شریعت کی رو سے خاندانی منصوبہ بندی کی اجتماعی اور قومی سطح پر مہم چلانا اور اس کی حوصلہ افزائی کرنا ناجائز اور حرام ہے، خواہ لوگ اس سے متاثر ہو کر عارضی خاندنی منصوبہ بندی کریں۔ اور حرام و ناجائز کام کی نوکری اور

(۱) آپ کے مسائل اور ان کا حل (۳۶۲/۷)

تنخواہ بھی حرام ہوتی ہے کیونکہ اس سے ناجائز کام میں تعاون لازم آتا ہے اور ناجائز کام میں تعاون بھی ناجائز ہے۔لہذ اخاندانی منصوبہ بندی کے محکمہ کی ملازمت جائز نہیں ہے نہ عام ملازمت اور نہ ڈاکٹروں کی ملازمت۔

فتاویٰ محمودیہ میں نس بندی کی ملازمت کے بارے میں سوال کے جواب میں ہے:

جو کام ناجائز ہے اس کام کی نوکری بھی ناجائز ہے،دوسرا ذریعہ معاش تلاش کرے اور اس نوکری کو چھوڑ دے۔

قال الله﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾(١)

اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقویٰ کے معاملے میں اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو۔(۲)

اجرت اور فیس کا حکم

خاندانی منصوبہ بندی کے عمل کے عوض فیس اور اجرت کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ:

ا)...... اجتماعی خاندانی منصوبہ بندی کے نظریہ سے متاثر ہونے والے شخص سے خاندانی منصوبہ بندی کا تعاون کرنا اور اس کی اجرت لینا صحیح نہیں ہے۔

۲)...... جو شخص مستقل فیملی پلاننگ کر رہا ہے نہ اسکا تعاون جائز ہے اور نہ اس کی اجرت جائز ہے

۳)...... عارضی منصوبہ بندی کے بارے میں تفصیل ہے کہ اس کی جو صورتیں شرعاً جائز ہیں ان میں تعاون کرنا اور ان کی اجرت لینا بھی جائز ہے،اور جو صورتیں ناجائز ہیں ان کے بارے میں تعاون کرنا اور ان کی اجرت لینا بھی ناجائز حرام ہے۔

پرائیویٹ کام اور سرکاری کام میں کوئی فرق نہیں،فیس اور تنخواہ دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

(١) سورة

(۲) فتاویٰ محمودیہ(۱۲۱/۱۷)

کافر کی نس بندی کا حکم

فیملی پلاننگ کی جو صورتیں ناجائز ہیں ان کے بارے میں عموم ہے کہ خواہ کافر کررہا ہو یا مسلمان، لہذا مسلمان ڈاکٹر کا غیر مسلم کی نس بندی کرنا بھی جائز نہیں ہے، اگرچہ کافر کے مذہب میں اسکی اجازت ہو، جیسے شراب اور خنزیر کافر کے مسلک میں جائز اور حلال ہیں لیکن مسلمان کے لئے اس بارے کافر کا تعاون کرنا یا اس کے ہاتھوں شراب اور خنزیر بیچنا جائز نہیں ہے۔

جبری نس بندی کا حکم

اس وقت بعض غیر مسلم ممالک میں خاندانی منصوبہ بندی قانون کا حصہ ہیں اور ہر شہری اس کا پابند بھی ہے مثلاً ایک ملک کا قانون ہے کہ ہر جوڑے کا ایک ہی بچہ ہو سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں اور اس میں مسلم وغیر مسلم برابر ہیں، اور اس بارے بہت سختی کی جاتی ہے جبکہ ایسے ممالک میں مسلمانوں کی بڑی تعداد آباد ہوتی ہے اور ان میں بہت سے وہ بھی ہیں جو وہاں کے اصل باشندے ہوتے ہیں ان کے لئے ملک چھوڑنا بھی بہت مشکل ہوتا ہے، شرعی لحاظ سے ایسی صورت میں وہاں کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے قانون کے خلاف آواز اٹھائیں اور اس کے ختم کرنے کی جدوجہد کریں یا کم از کم مسلمانوں کے لئے اس سے استثناء حاصل کریں، اور اس قانون کی خلاف ورزی کرنے میں اگر ناقابل تحمل مصائب کا سامنا نہ کرنا پڑتا ہو تو اس کی خلاف ورزی کریں لیکن اگر قانون سخت ہے اور اس پر عمل کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے تو عارضی مانع حمل تدابیر سے کام لیں اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر مجبوری ہے اس پر بادل نخواستہ عمل کریں اور ساتھ ساتھ توبہ واستغفار بھی کرتے ہیں۔

بعض ملازمین کو مجبور کرنا

بعض سرکاری محکموں کے ملازمین کو نس بندی پر مجبور کیا جاتا ہے اور نس بندی نہ کرانے کی

صورت میں ان کو مختلف طریقوں سے پریشان کیا جاتا ہے، بعض اوقات مختلف سہولیات سے محروم کردیا جاتا ہے اور بعض اوقات ملازمت سے بھی سبکدوش کردیا جاتا ہے، شرعاً ملازمت کی مجبوری یا سہولیات کے لئے نس بندی جائز نہیں ہے خواہ سرکاری محکمہ کی ملازمت ہو یا پرائیویٹ کی، اگر نس بندی نہ کرنے کی وجہ سے ملازمت سے فارغ ہونا پڑے تو فارغ ہوجائے لیکن نس بندی جائز نہیں ہے، ہاں اگر دوسری جگہ ملازمت بالکل نہ ملتی ہو اور استعفاء کے بعد معاشی پریشانی کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے تو جب تک متبادل ملازمت نہ ملے وہاں ملازمت کرتا رہے اور عارضی منصوبہ بندی اختیار کرے۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

> ملازمت قائم رکھنے یا ملازمت کی سہولتیں اور آسائشیں حاصل کرنے کے لئے خود کا یا اپنی عورت کا آپریشن کرا کر ہمیشہ کے لئے اولاد سے محروم ہوجانا اور خصی ہوجانا کفران نعمت ہے اور شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔(۱)

مانع حمل تدابیر کے نقصانات

۱)...... رحم کے اندر ملٹی لوڈ وغیرہ رکھنے کی صورت میں بعض دفعہ ایک عارضی رطوبت خارج ہوتی ہے جو کچھ دن بعد بند ہوجاتی ہے لیکن بعض دفعہ یہ رطوبت بدبودار مادے میں تبدیل ہو جاتی ہے تو اس سے انفیکشن ہوجاتا ہے۔

۲)...... اکثر عورتوں کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔

۳)...... ماہواری کے نظام میں خلل آتا ہے۔

۴)...... بعض دفعہ دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی ہے۔

۵)...... بے آرامی، کمر درد، اور بدن کے درد جیسے امراض پیدا ہوجاتے ہیں۔

۶)...... بعض دفعہ ان عارضی تدابیر کو اختیار کرنے والا مکمل طور پر سلسلہ توالد وتناسل سے محروم ہوجاتا ہے۔

(۱) فتاویٰ رحیمیہ (۱۰/۱۸۳) ماخذہ ایضاً فتاویٰ محمودیہ (۱۸/۲۹۹) و ۱۸/۲۹۷)

۷)......دل کے امراض، شوگر، بلڈ پریشر، ڈپریشن، سانس پھولنا، ٹھنڈے پسینے جیسے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

۸)......بعض دفعہ مانع حمل گولیاں خون میں چربی کی مقدار خطرناک حد تک کم کر دیتی ہیں۔

۹)......کنڈوم چونکہ عضو تناسل اور اندام نہانی کے درمیان پردہ بن جاتا ہے اور براہ راست آپس میں چھو نہیں پاتے اس لئے فطری مباشرت کی لذت کم ہو جاتی ہے۔

۱۰)......اعصابی کمزوری اور کم شہوتی قوت والے مردوں کے لئے کنڈوم کا استعمال مضر ہے، کیونکہ اس سے عضو تناسل کی قوت سرے سے ختم ہو سکتی ہے۔

۱۱)......بعض ڈاکٹروں کا بیان ہے کہ مانع حمل تدابیر سے حافظہ کی خرابی اور مرگی جیسے عوارض پیدا ہو جاتے ہیں، نیز جس عورت کے ہاں زیادہ عرصہ تک بچہ پیدا نہ ہو اس کے اعضاء تناسل میں ایسے تغیرات واقع ہو جاتے ہیں جن سے اس کی قابلیت تولید ختم ہو جاتی ہے اور اگر وہ کبھی حاملہ ہو جائے تو اسے وضع حمل میں سخت تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔

۱۲)......جہاں طبی لحاظ سے منع حمل کی ضرورت نہ ہو وہاں منع حمل کی تدابیر کے نتیجے میں عورت کے عصبی نظام میں سخت برہمی پیدا ہو جاتی ہے، اس میں بدمزاجی اور چڑچڑاپن پیدا ہو جاتا ہے، جب تک اس کے جذبات کی تسکین نہیں ہوتی تو شوہر کیساتھ اس کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں۔

۱۳)......ضبط تولید کی بعض گولیوں کے استعمال سے کینسر کا مرض لاحق ہونے کی رپورٹیں آئی ہیں۔

۱۴)......انسانی زندگی میں اس کے صنفی غدود کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے جو غدود تولیدی قوت پیدا کرتے ہیں وہی انسان میں چستی اور توانائی بھی پیدا کرتے ہیں، زمانہ بلوغ کے قریب جب ان غدودوں کا عمل تیز ہو جاتا ہے تو جس طرح انسان میں تولیدی استعداد پیدا ہوتی ہے، اسی طرح اس میں خوبصورتی، ذہنی قوت، شگفتگی، جسمانی اور جوانی کی طاقت پیدا ہوتی ہے، اگر ان غدودوں کے فطری مقاصد پورے نہ کئے جائیں تو وہ اپنے ضمنی فعل (تقویت) بھی چھوڑ دیں گے، خاص طور پر عورت کو استقرار حمل سے روکنا دراصل اس پوری مشین کو بے کار اور بے مقصد بنانا ہے۔

۱۵)...... جب مرد کو ازدواجی تعلقات میں جنسی خواہشات کی تکمیل حاصل نہ ہوگی تو اس کی عائلی زندگی کی خوشیاں غارت ہو جائیں گی اور وہ دوسرے ذرائع سے تسکین حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، جو اس کی صحت کو برباد کرسکتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے امراض خبیثہ میں مبتلا کردیں۔

فطری ضبط تولید

ضبط تولید یا خاندانی منصوبہ بندی کی ایک صورت فطری بھی ہے، یعنی کوئی عمل کر کے نس بندی یا عارضی مانع حمل تدبیر اختیار نہ کی جائے بلکہ جن بعض مخصوص ایام میں قرار حمل کا زیادہ امکان ہوتا ہے ان ایام میں جماع کرنے سے پرہیز کیا جائے، شرعی لحاظ سے یہاں کوئی فعل یا عمل نہیں کیا جارہا بلکہ ایک عمل سے رکنا پڑ رہا ہے جس میں خلاف شرع کوئی بات نہیں ہے۔ لہذا ایسی فطری ضبط تولید فی نفسہ جائز ہے البتہ اس میں حصول اولاد سے بچنے کی نیت نہ کی جائے ورنہ یہ ترک عمل بھی کراہت سے خالی نہ ہوگا۔ لأن الأمور بمقاصدها۔

شادی کے بعد ایک دو سال تک وقفہ

آج کل لوگوں میں یہ رواج بھی بڑھتا جارہا ہے کہ شادی کے دو تین سال بعد تک اولاد کا سلسلہ روک لیتے ہیں، کچھ مدت گزرنے کے بعد اولاد کا سلسلہ شروع کرتے ہیں، شرعاً یہ وقفہ کسی بھی مقصد کے لئے کیا جائے جائز نہیں ہے، نکاح کا مقصد محض خواہشات نفسانی کی تکمیل اور عیش جوئی نہیں ہے، نکاح کا بنیادی مقصد نسل انسانی کا بقاء، اس کی افزائش اور اضافہ ہے، اسلئے نکاح کے بعد بالقصد ایک مدت تک اولاد سے اجتناب واحتراز کرنا صحیح نہیں ہے۔ (۱)

دیر سے شادی کرنا

اس وقت دیر سے شادی کرنے کا رواج عام ہو چکا ہے، خیال ہوتا ہے کہ تعلیم مکمل ہو جائے،

---

(۱) ماخذه: كتاب الفتاوى (۶/۲۳۸)

اچھی ملازمت مل جائے یا کاروبار چل جائے تب شادی کریں گے تا کہ مالی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے بعض اوقات مناسب رشتہ بھی ملتا ہے اور نکاح کرنے کی استطاعت بھی ہوتی ہے لیکن پھر بھی نکاح التواء کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ طرز عمل خلاف شرع ہے، شریعت نے استطاعت اور مناسب رشتہ ملنے پر جلد از جلد نکاح اور شادی کا حکم دیا ہے۔

ان رسول اللہ ﷺ قال: ثلاثة یاعلی لاتؤخرھن الصلوة اذا انت والجنازة اذاحضرت والایم اذاوجدت لھا کفوا۔(۱)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے علی تین کاموں کو مؤخر نہ کرنا (۱) نماز، جب اس کا وقت آجائے (۲) جنازہ، جب حاضر ہو جائے (۳) غیر شادی شدہ (مرد اور عورت کی شادی کرنا) جب تمہیں اس کا ہمسر مل جائے۔

مکافات عمل

خاندانی منصوبہ بندی کی ابتداء غیر مسلموں سے ہوئی ہے اس قبیح و شنیع فعل کا نتیجہ بھی خود ان کو بھگتنا پڑے گا، مسلمان اگر اس منصوبہ سے مجتنب رہ رہے اور کافر ہی اس پر عمل پیرا رہے تو اس سے غیر مسلموں کی خوب نسل کشی ہو سکتی ہے اور اس طرح مسلمانوں کی اکثریت بن سکتی ہے، ذیل میں دو خبریں ملاحظہ ہوں:

۱)......2050 تک روس مسلم اکثریت والا ملک بن جائے گا۔

مجموعی آبادی میں ہر سال سات لاکھ کی کمی جبکہ مسلمانوں کی آبادی 4 فیصد بڑھ رہی ہے۔ اقوام متحدہ۔

ماسکو (مانیٹرنگ ڈیسک) روسی فیڈریشن کی آبادی میں ایک بنیادی تبدیلی آرہی ہے، اس کی مجموعی آبادی میں ہر سال کم از کم سات لاکھ کی کمی واقع ہو رہی ہے جب کہ اس کی

---

(۱) مسند احمد بن حنبل (۱/۲۲۵)

مسلمان آبادی میں ہر سال چار فیصد اضافہ ہو رہا ہے، زیر نظر مضمون میں ہم اس تبدیلی کے اثرات کا جائزہ لیں گے، اقوام متحدہ کے اندازوں کے مطابق 2050ء تک روس کی آبادی میں ایک تہائی کمی آسکتی ہے، بہت سے ماہرین کہتے ہیں کہ روسی آبادی میں شرح پیدائش کی کمی اور مسلمانوں کی اکثریت والے علاقہ میں تبدیل ہو سکتے ہیں، اسٹونیا کی یونیورسٹی آف تارتو کے ایک محقق پال گوبل کہتے ہیں کہ گزشتہ عشرے میں روس کی آبادی میں اہم تبدیلی آئی ہے، ماسکو میں آج کل پیرس سے زیادہ مسلمان آباد ہیں، ماسکو میں ان کی تعداد 25 اور 30 لاکھ کے درمیان ہے، ماسکو میں آبادی کا دوسرا سب سے بڑا گروپ آذر بائیجانیوں کا ہے جن کی تعداد تقریباً دس لاکھ ہے، سینٹ پیٹرز برگ میں دس سے ساڑھے بارہ لاکھ تک مسلمان رہتے ہیں، اور تو اور وہ اب کریلیا، کم چٹکا اور سخالن جیسے مقامات میں بھی موجود ہیں جہاں پہلے ان کا نام ونشان بھی نہیں تھا، اس رجحان کی ایک وجہ یہ ہے کہ 18 سے 55 برس روسی نسل کے لوگوں میں شرح اموات بہت زیادہ ہے، پال گوبل کہتے ہیں روس میں کثرت شراب نوشی، بیماری اور صنعتی کی شرح انتہائی زیادہ ہے۔(۱)

۲)......اسی طرح چند ماہ قبل پاکستان میں چین کے سفارتخانہ سے یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ پچھلے چند سالوں میں چین نے خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعہ کنٹرول حاصل کر لیا ہے، اور اعداد و شمار کے مطابق اب تک پچاس کروڑ کی آبادی کم ہوئی ہے۔

(۱) روزنامہ اسلام جلد ۳ شمارہ ۳۵٤ جمعرات ۱۲ ربیع الثانی۱٤۲۸
بمطابق ۲۸ جون ۲۰۰۷

(۲۰)

میڈیکل انشورنس کا حکم

(بیمہ صحت۔medical Insurance)

پرائیویٹ علاج مہنگا ہونے کی وجہ سے اس زمانے میں سرکاری اور نجی دونوں طریقوں پر کچھ ادارے وجود میں آچکے ہیں جو لوگوں کو بیمہ پالیسی دیتے ہیں، بعض ممالک میں میڈیکل انشورنس قانوناً ضروری ہے، کوئی مسلمان وہاں جائے تو وہ بھی میڈیکل انشورنس کرانے کا پابند ہوتا ہے، چونکہ انشورنس کمپنیاں مختلف ہوتی ہیں اور ان کے طریق کار اور اصول میں بھی فرق ہوتا ہے اور جو اصول طے اور مقرر ہوتے ہیں ان میں تبدیلی بھی ہوتی رہتی ہے، اس لئے ہر کمپنی پر کلی حکم نہیں لگ سکتا تاہم اب تک جو انشورنس کمپنیاں وجود میں آئی ہیں ان میں چند باتوں میں اصولی اشتراک پایا جاتا ہے مثلاً:

۱)...... بیمہ کمپنی اور بیمہ پالیسی ہولڈر کے درمیان ایک مخصوص مدت مثلاً ایک سال، دو سال، یا پانچ سال کا معاہدہ ہوتا ہے، پالیسی خریدنے والا معاہدہ کے مطابق ماہانہ مخصوص رقم کمپنی میں جمع کرتا ہے جسے قسط اور پریمیم کہا جاتا ہے۔

۲)...... پالیسی خریدنے والوں کا باقاعدہ میڈیکل چیک اپ اور طبی معائنہ کیا جاتا ہے، اور صحت اور عمر کے تناسب سے اقساط میں فرق بھی رکھا جاتا ہے، بعض کمپنیاں بوڑھوں کو پالیسی ہی نہیں دیتیں، اور جن کو پالیسی دینے کے قابل سمجھے جاتے ہیں ان کے ساتھ بھی اقساط میں ان کی عمروں صحت اور کمپنی کی طرف سے ملنے والی رقم کے تناسب سے فرق رکھا جاتا ہے، مثلاً پالیسی ہولڈر کی عمر ۲۵ سے ۳۰ سال کے درمیان ہے تو اس کی قسط ایک ہزار ہوگی، اور اگر چالیس سے

پنتالیس سال کے درمیان ہے تو بارہ سو ہوگی، اسی طرح اگر بیمار ہونے پر کمپنی رقم اور سہولیات زیادہ دیتی ہے تو قسط بڑھ سکتی ہے اور اگر کم دیتی ہے تو قسط بھی کم مقرر کی جاتی ہے۔

۳)......معاہدہ کی مدت کے دوران اگر پالیسی ہولڈر بیمار ہوگیا تو کمپنی اس کے علاج و معالجہ کے تمام اخراجات برداشت کرے گی، جو اس کی جمع شدہ اقساط سے کم بھی ہو سکتے ہیں اور زیادہ بھی اور اگر وہ اس دوران بیمار نہ ہو تو اس کی جمع شدہ اقساط کمپنی لے لیتی ہے، اسے واپس نہیں کرتی۔

۴)......کمپنی کس مرض کا علاج اور اس کے اخراجات دینے کی پابند ہے؟ اس بارے میں کمپنی اور پالیسی ہولڈرز کے درمیان معاہدہ ہوتا ہے جو امراض معاہدہ میں شامل ہوں صرف انکے اخراجات کمپنی دیتی ہے، عمومی طریقہ یہ ہے کہ کمپنی معمولی امراض کے اخراجات کا معاہدہ نہیں کرتی جیسے سر درد، بخار، کھانسی نزلہ وغیرہ جس کا پرائیویٹ ڈاکٹر سے علاج کرلیا جاتا ہے، بڑے امراض کے اخراجات کا معاہدہ ہوتا ہے جس میں مریض ہسپتال میں داخل کرایا جاتا ہے۔

۵)......اخراجات ادا کرنے کے عموماً دو طریقے ہوتے ہیں (۱) مریض اپنا علاج کرا کے متعلقہ بل کمپنی کو دیتا ہے، کمپنی جانچ پڑتال اور تصدیق کرنے کے بعد رقم دے دیتی ہے۔(۲) کمپنی کا ملک بھر میں مخصوص ہسپتالوں کے ساتھ معاہدہ ہوتا ہے اور کمپنی پالیسی ہولڈر کو اپنا کارڈ دے دیتی ہے، مریض کارڈز دکھا کر متعلقہ ہسپتال سے اپنا علاج کرالیتا ہے۔

شرعاً مروجہ میڈیکل انشورنس جائز نہیں ہے اور اس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

عدم جواز کی وجوہات

مروّجہ میڈیکل انشورنس تین وجوہ سے ناجائز اور حرام ہے۔

پہلی: وجہ سود (Interest)

یہاں سود اس طرح پایا جاتا ہے کہ انشورنس ہولڈر ماہانہ اقساط کی صورت میں جو رقم جمع کرتا ہے، وہ شرعاً کمپنی کے ذمہ قرض ہے اور بیماری لاحق ہونے کی صورت میں کمپنی جمع شدہ اقساط

سے زیادہ رقم دیتی ہے، اس طرح گویا کہ کم رقم دے کر اس پر اضافہ اور نفع وصول کیا جارہا ہے جو کہ سود ہے۔

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

وکذلک الرباوھوالقرض علی ان یؤدی الیه اکثراوافضل مماا خذ۔(۱)

یعنی سود یہ ہے کہ کوئی دوسرے کو اس شرط پر قرض دے کہ مقروض لیتے ہوئے قرض سے زیادہ یا اس سے بہتر واپس کرے گا۔

دوسری وجہ: قمار، جوا (Gamlling)

یہاں قمار اور جوا اس طرح پایا جاتا ہے کہ اگر انشورنس ہولڈر مقررہ مدت میں بیمار نہ ہوا تو اس کی جمع شدہ اقساط ضبط ہوجاتی ہیں، کمپنی اس کو واپس نہیں دیتی، یعنی اگر بیمار ہوا تو اصل رقم کے ساتھ مزید رقم بھی مل جائے گی اور اگر بیمار نہ ہوا تو اصل رقم بھی ڈوب جاتی ہے، یہی قمار اور جوا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾۔(۲)

بلاشبہ شراب اور جوا...... ناپاک ہیں شیطانی کاموں میں سے ہیں لہذا ان سے بچو تاکہ نجات پاؤ۔

امام ابوبکر جصاص رازیؒ لکھتے ہیں:

لاخلاف بین اھل العلم فی تحریم القماروان المخاطرة من القمار، قال ابن عباسؓ: ان المخاطرة قمار۔(۳)

یعنی جوئے کی حرمت کے بارے میں سب علماء کا اتفاق ہے اور مخاطرہ بھی جوئے میں

---

(۱) حجة الله البالغه (۲/۱۰۶)

(۲) سورة المائدة: (۹۰)

(۳) احکام القرآن (۱/۳۶۶)

شامل ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

’’ہر وہ معاملہ جو نفع اور نقصان کے درمیان دائر اور مبہم ہو، اصطلاح شرع میں قمار اور میسر کہلاتا ہے، اردو زبان میں اس کو جوا کہا جاتا ہے‘‘۔(۱)

اگر کسی کمپنی کا اصول یہ ہو کہ بیمار نہ ہونے کے صورت میں اصل رقم واپس کی جاتی ہو اور کمپنی اس دوران اس رقم پر کمائے گئے منافع ہی رکھتی ہو تو اس صورت میں جوا تو نہیں ہوگا لیکن سود پھر بھی موجود ہے کیونکہ انشورنس ہولڈر نے اس نیت سے رقم جمع کرائی ہے کہ اسے اضافہ ملے جیسا کہ سرکاری پرائز بانڈ میں اصل رقم بہر صورت واپس کی جاتی ہے لیکن پھر بھی ناجائز ہے، کیونکہ پرائز بانڈ خریدنے والوں کی نیت اس پر اضافہ لینا ہوتا ہے۔

تیسری وجہ: غرر (Uncertamty)

غرر اس معاملہ کو کہتے ہیں جس کے اصل اجزاء کے اندر غیر یقینی صورت حال ہو یعنی اسکے انجام کا پتہ نہ ہو۔

کتاب التعریفات لجرجانی میں ہے:

”الغرر: مايكون مجهول العاقبة لايدرى أ يكون ام لا؟“(۲)

یعنی ہر وہ معاملہ غرر کہلاتا ہے جس کا انجام معلوم نہ ہو کہ وہ وجود میں بھی آئے گا یا نہیں؟

بدائع الصنائع میں ہے:

الغرر هوالخطر الذى استوى فيه طرف الوجودوالعدم بمنزلة الشك۔(۳)

غرر اس خطر والے عقد کو کہتے ہیں جس مین وجود اور عدم دونوں اطراف برابر ہوں جیسے شک ہوتا ہے۔

میڈیکل انشورنس میں غرر اس طرح پایا جاتا ہے کہ یہاں انجام اور نتیجہ غیر یقینی صورت حال

(۱) جواهر الفقه(۲/۳٤۲)
(۲) كتاب التعريفات لجرجانى(ص۱۱٥)
(۳) بدائع الصنائع (٥/١٦٣)

سے متصف ہوتا ہے،اول تو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ انشورنس ہولڈر متعینہ مدت میں بیمار ہوگا یا نہیں؟اوراگر ہوگا تو کتنا خرچہ آئے گا؟اور یہی جوا ہے۔

نوٹ: میڈیکل انشورنس کے عدم جواز کی دوسری ضمنی وجوہ بھی ہیں مثلاً ظلم وتعدی پرمبنی ہونا،اثم وعدوان اور گناہ کے کام میں تعاون کرنا وغیرہ، نیز مقررہ مدت میں بیمار نہ ہونے کی صورت میں اصل رقم ضائع ہوتی ہے،لہذا اس صورت میں سودی معاملہ، جوااور فاسد عقد کرنے اور مال ضائع کرنے کا گناہ ہوگا،اور بیمار ہونے کی صورت میں سوداور جوئے اور عقد فاسد کے گناہ کے علاوہ جوزائد رقم کمپنی کی طرف سے ملے گی وہ بھی حرام ہوگی۔احسن الفتاویٰ میں ہے:

سوال: امریکہ میں میڈیکل (علاج،معالجہ) کی سہولتیں پرائیویٹ اداروں کے سپرد ہیں،حکومت وقت کی طرف سے لوگوں کے علاج کیلئے ہسپتال وغیرہ کا انتظام نہ ہونے کے برابر ہے،حکومت کا کہنا ہے کہ مریض کو چونکہ اچھے سے اچھے علاج اور دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے اور پرائیویٹ ادارے زیادہ خوش اسلوبی سے علاج معالجہ کی سہولتیں بہم پہنچاسکتے ہیں،عام لوگوں نے علاج کے لئے پرائیویٹ کمپنیوں سے انشورنس (بیمہ) کرایا ہوتا ہے،ضرورت پڑنے پر مریض کے تمام اخراجات انشورنس کمپنی ہسپتال کوادا کردیتی ہے،انشورنس کمپنی بیمہ کرانے والے سے ماہانہ کچھ رقم وصول کرتی ہے، کیاامریکہ جیسے ماحول اور صورت حال میں اس مقصد کیلئے انشورنس کروانا جائز ہے؟

الجواب باسم ملہم الصواب: جائز نہیں ہے۔(۱)

میڈیکل انشورنس کمپنی میں ملازمت جائز نہیں

میڈیکل انشورنس کمپنی کا طریق کار چونکہ سود ،جوااور غرر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے،لہذا اس میں ملازمت کرنا بھی جائز نہیں، ملنے والی تنخواہ بھی حرام ہے،اگر کوئی اس میں ملازم ہے تو اسے چھوڑنا ضروری ہے تاہم اگر اس کے علاوہ کوئی ذریعہ آمدن نہ ہواور فی

(۱) احسن الفتاویٰ(۷/۲۵)

الحال دوسری جائز ملازمت ملنا بھی مشکل ہو تو تین شرطوں کے ساتھ ایسی ملازمت عارضی طور پر جاری رکھنے کی گنجائش ہے:

۱)......ایمانداری اور دیانتداری سے دوسری جائز ملازمت کی تلاش میں لگا رہے، اور جب بھی بقدر کفایت جائز ملازمت ملے اسے چھوڑ دے۔

۲)......اسے گناہ سمجھتے ہوئے توبہ واستغفار بھی کرتا رہے۔

۳)......جو تنخواہ وصول کی ہے بعد میں اتنی رقم صدقہ کر دے۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں بیمہ کمپنی کی ملازمت کے بارے میں اسی نوعیت کے سوال کے جواب میں ہے:

> آپ فوری طور پر تو ملازمت نہ چھوڑیں البتہ کسی جائز ذریعہ معاش کی تلاش میں رہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے رہیں کہ اس سود کی لعنت سے نجات عطاء فرمائیں، جب کوئی جائز ذریعہ معاش میسر آجائے تو اس ملازمت کو چھوڑ چھوڑ دیں، اس وقت تک اپنے آپ کو گناہ گار سمجھتے ہوئے استغفار کرتے رہیں، اور اگر کوئی صورت ہو سکے کہ آپ کسی غیر مسلم سے قرض لے کر گھر کے خرچہ کے لئے دے دیا کریں اور تنخواہ کی رقم سے اس کا قرض ادا کر دیا کریں تو یہ صورت اختیار کرنی چاہیے۔(۱)

ایسی کمپنی کی چائے پینا

اگر کمپنی کی طرف سے ملازم وغیرہ کو چائے دی جائے تو اس سے بھی بچا جائے، نہیں پینا چاہیے۔(۲)

میڈیکل انشورنس کمپنی سے کمیشن لینا

بعض کمپنیوں نے اپنے ایجنٹ مقرر کئے ہوتے ہیں جو مختلف لوگوں کے پاس جاتے اور ان

---

(۱) آپ کے مسائل اور ان کا حل(۶/۲۵۶)

(۲) آپ کے مسائل اور ان کا حل(۶/۲۵۶)

کو بیمہ پالیسی خریدنے کی ترغیب دیتے ہیں، کمپنی ان کو کچھ کمیشن دیتی ہے، کمیشن بھی ملازمت کی ایک صورت ہے لہذا جس طرح میڈیکل انشورنس کمپنی کا ملازم بننا جائز نہیں، اسی طرح اس کا کمیشن ایجنٹ بن کر کام کرنا اور اس پر اجرت لینا بھی جائز نہیں ہے۔(۱)

نجی اور سرکاری کمپنی میں کوئی فرق نہیں

میڈیکل انشورنس کرانے والی کمپنیاں دو قسم کی ہیں، بعض سرکاری اور بعض نجی اور پرائیویٹ ،شرعاً دونوں کا طریق کارنا جائز ہے، بعض حضرات کا خیال ہے کہ عوام کو تین چیزیں مفت فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، (۱) تعلیم (۲) انصاف (۳) صحت یعنی علاج ومعالجہ۔

لہذا سرکاری کمپنی سے بیمہ پالیسی خریدنا جائز ہے اور حکومت جو زائد رقم دیتی ہے وہ ہمارا حق ہے۔لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر حکومت اپنا فرض پورا نہ کرے تو حق تلفی کی مرتکب ہے، لیکن اس سے اس کے اموال حلال نہیں ہوتے، اس میں سب کا حق ہوتا ہے، دوسرے یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ اصل رقم ہی ڈوب جائے لہذا قمار کی شق اب بھی موجود ہے۔

مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ لکھتے ہیں:

حکومت کی بیمہ کمپنی اپنے قانونِ حکومت کے اعتبار سے جو رقم اپنے بیمہ کرانے والوں کو دے گی اس رقم کا حکم وہی ہوگا جو پرائیویٹ فنڈ میں حکومت یا محکمہ اپنے قانون کے اعتبار سے خواہ کسی نام سے دے ہم اس کو شرعاً عطیہ قرار دے کر اس کا لینا اور استعمال کرنا جائز قرار دیتے ہیں، یا ایکسیڈنٹ وغیرہ میں کسی کی جانی و مالی نقصان کے حادثہ میں جو رقم حکومت دیتی ہے اس کو ہم عطیہ شمار کرتے ہیں، اسی طرح اس رقم کو بھی حکومت کے عطیہ کے قبیل سے قرار دے سکتے ہیں، پس حکومت سے اس ملی ہوئی رقم کو خواہ نیشنل بیمہ کمپنی کے ذریعہ اور واسطہ سے وے اس کو یا اسکے کسی جزء کو ناجائز یا ربوٰ وغیرہ قرار دے کر اخراج عن الملک کا حکم شرعاً نہ ہوگا۔(۲)

---

(۱) آپ کے مسائل (۲۵۸/۶)

(۲) منتخبات نظام الفتاویٰ (۳۶۷،۳۶۶/۲)

لیکن اس فتویٰ سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا، سب علماء کا اتفاق ہے کہ حکومت جو زائد رقم دیتی ہے وہ سود ہی ہے، مفتی نظام الدین صاحبؒ کی مذکورہ توجیہ سرکاری پرائز بانڈ، مالیاتی اداروں صکوک، بینکوں میں بھی جاری ہوسکتی ہے، خاص طور پر جبکہ آپ کا مذکورہ فتوی ہر سرکاری انشورنس کمپنی کے بارے ہے، صرف میڈیکل انشورنس کے بارے نہیں ہے۔

اور اس رقم کو عام انعام اور عطیہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ عام عطیہ محض عطیہ اور ہبہ ہی ہوتا ہے کسی رقم پر اضافہ نہیں ہوتا جبکہ انشورنس کی صورت میں جمع شدہ رقم پر اضافہ دیا جاتا ہے جو کہ سود ہے۔

جبری میڈیکل انشورنس کا حکم

بعض ممالک میں میڈیکل انشورنس قانوناً ضروری ہے، اس کے بغیر رہنے یا وہاں داخل ہونے کی اجازت ہی نہیں ہوتی، اس میں شرعی حکم یہ ہے کہ جو مسلمان وہاں کے اصل باشندے ہیں، یا جو مسلمان واقعی ضرورت کے تحت وہاں ملازمت وغیرہ کے سلسلہ میں جارہے ہیں، تو ان کا وہاں کے قانون کے مطابق میڈیکل انشورنس پالیسی خریدنا جائز ہے، لیکن بیمار ہونے کی صورت میں اپنی جمع شدہ اقساط لینا اور استعمال کرنا درست ہے، اصل رقم پر جو اضافہ ملتا ہے وہ حلال نہیں ہے، وصول کر کے صدقہ کرنا ضروری ہے۔

احسن الفتاویٰ میں گاڑی کے جبری بیمہ کے بارے میں ہے:

چونکہ گاڑی کے مالک کی طرف سے بیمہ کا معاہدہ بطیب خاطر نہیں بلکہ حکومت کی طرف سے یکطرفہ جبر وظلم ہے لہذا بوقت ضرورت گنجائش ہے، لیکن بصورت حادثہ جمع کردہ رقم سے زائد واجب التصدق ہے۔(۱)

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

بیمہ سود اور قمار کی ایک شکل ہے، اختیاری حالت میں کرانا ناجائز ہے، لازمی ہونے کی صورت میں قانونی طور سے جس قدر کم سے کم مقدار میں بیمہ کرانے کی گنجائش ہو اسی

(۱) احسن الفتاویٰ (۲۵/۷)

پر اکتفاء کیا جائے۔(۱)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر کوئی شخص ایسے مقام پر اور ایسے ماحول میں ہو کہ بغیر بیمہ کرائے جان و مال کی حفاظت نہ ہو سکتی ہو، یا قانونی مجبوری ہو تو بیمہ کرانا درست ہے۔(۲)

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

یجوز التأمین الاجباراوالالزامی الذی تفرضه الدولة لانه بمثابةدفع ضريبة للدولة۔(۳)

مزید شرائط

جو مسلمان دوسرے ملک میں کمانے کے لئے جاتے ہیں گزشتہ تفصیل کے مطابق وہاں اگر قانوناً میڈیکل بیمہ ضروری ہو تو ان کے لئے بیمہ کرانا جائز ہے، لیکن شریعت غیر مسلم ممالک میں جا کر ملازمت کرنے اور ٹھہرنے کو پسند نہیں کرتی، چند شرائط کے ساتھ وہاں جانے کی اجازت ہے مثلاً:

۱)......اپنے ملک میں مناسب ذریعہ معاش موجود نہیں۔

۲)......وہاں جا کر اپنے ایمان کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔

۳)......حلال کمائی کا التزام کرے وغیرہ۔

مولانا برہان الدین سنبھلی لکھتے ہیں:

''حکومتی قانون کی مجبوری کو فقہاء نے ''حاجة'' کے درجہ میں رکھا ہے، بنابریں حاجت کی وجہ سے جو محظورات جائز ہو جاتے ہیں وہ اس صورت میں بھی جائز ہو جانے چاہئیں، لیکن اس صورت میں ایک ضروری بات یہ ملحوظ رکھنی ہوگی کہ جن ملکوں میں ایسے

(۱) آپ کے مسائل اور ان کا حل(٦/٢٥٨)

(۲) فتاویٰ محمودیہ(١٦/ ٣٨٨) نیز ملاحظہ ہو:منتخبات نظام الفتاویٰ(١/ ٢٠٥)و (١/ ٣٠٧)وفتاویٰ عثمانی (٣/ ٣١٤) و(١/ ٣٢٩)

(۳) الفقہ الاسلامی وادلتہ(٥/ ٣٤٢٢)

قوانین رائج ہیں جو اصلاً ممنوع شرعی ہیں، وہاں کا یہ شخص یا تو اصل باشندہ ہو یا باہر کا کوئی شخص وہاں ایسے کام سے گیا ہو جس کیلئے جانا شرعاً ناگزیر تھا، ورنہ ایسے ملکوں میں جانا اتنی مدت تک کہ یہ قانون لاگو ہو جائے، شریعت کے اصل حکم کی رو سے جائز نہیں لہٰذا ایسے لوگوں کے لئے وہاں کے قانون کو ''حاجت'' کا درجہ دینا بھی شاید محل نظر ہو جائے۔''(۱)

میڈیکل انشورنس کی جائز متبادل صورتیں

مروّجہ میڈیکل انشورنس کمپنیوں نے انشورنس کو ایک مفید تجارت اور کمائی کا ذریعہ بنایا ہے، اس میں لوگوں کا تعاون کم اور کمپنی مالکان کی تجوری زیادہ بھرتی ہے، یہاں انسانی ہمدردی نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی، اسلام مسلمانوں کی دوسروں کیساتھ احسان اور ہمدردی کا سبق دیتا ہے، لہٰذا میڈیکل انشورنس کی جائز اور متبادل صورت احسان و ہمدردی پر مبنی ہوگی۔

مروّجہ میڈیکل انشورنس کا جائز متبادل التامین التبادی یا التامین التعاونی ہے جسے انگریزی میں میوچل انشورنس (Mutual Insurance) کہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ ایک جیسے طبقہ سے تعلق رکھنے والے حضرات مثلاً ایک شعبہ سے تعلق رکھنے والے سرکاری ملازمین، کسی مخصوص پرائیویٹ کمپنی کے ملازمین، سکول، کالج اور مدرسہ کے اساتذہ و معلمین، ڈرائیور، تاجروں کی انجمن و جماعت، اہل محلّہ آپس میں ایک تنظیم بنالیں اور ماہانہ چندہ طے کرلیں، اس طرح ایک فنڈ تیار ہو جائے گا، ان میں ممبران یا ان کے اہل خانہ میں کوئی بیمار ہو تو اس فنڈ سے اس کو اخراجات دیئے جائیں گے، اگر رقم بچ گئی تو ممبران کو واپس بھی دی جاسکتی ہے، اور آئندہ کے لئے بھی محفوظ رکھی جاسکتی ہے، نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چندہ کی رقم تنظیم کے ملکیت میں دے دی جائے، اور آئندہ مشورہ سے یہ رقم رفاہ عامہ وغیرہ میں خرچ کردی جائے۔

اسلام اور جدید معیشت و تجارت میں ہے:

''ابتداء بیمہ کی یہی شکل چلی تھی اور شرعاً اس میں کوئی اشکال نہیں اور جتنے علماء نے بیمہ

(۱) میڈیکل انشورنس (ص۱۸۸) و مثلہ فی فتاویٰ عثمانی (۳/۳۲۵)

پر گفتگو کی ہے وہ اس کے جواز پر متفق ہیں‘‘۔(۱)
شیخ زحیلی لکھتے ہیں:

’’أمـا التامين التعاوني بين فئة من الناس فهوجائز شرعًا،لانه عقد من عقود التبرعـات ومـن قبيـل التـعـاون الـمـطلوب شرعًاعلى البر والخيرلان كل مشتـرك يدفع اشتراكه بطيب نفس لتخفيف آثارالمخاطروترميم الاضرار التـي تصيب احد المشتركين اياكان نوع الضررمن حريق اوغرق اوسرقة او حـادث سيـارة اوبسبب حوادث العمل اوموت حيوان ونحو ذلك ولانه يهـدف الـى تـحـقيـق الاربـاح، كـمـاتـفعل شركات التأمين ذات القسط الثابت‘‘۔(۲)

مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کا بھی یہی فیصلہ ہے، تفصیل کے لئے مذکورہ کتاب ملاحظہ ہو۔

میڈیکل انشورنس کمپنی اور ہسپتال کے درمیان معاہدہ

انشورنس کمپنی اور ہسپتال کے درمیان معاہدہ کی عموماً دوصورتیں رائج ہیں:

۱)...... کمپنی اور ہسپتال میں یہ معاہدہ ہوجاتا ہے کہ ہسپتال عملہ کمپنی کی طرف سے جاری کارڈ کے حاملین کا علاج معالجہ کرے گا اور اس پر جو بھی خرچہ آئے گا کمپنی ادا کرے گی، یہ صورت جائز اور بے غبار ہے، اور یہ معاہدہ غیر متعینہ مدت کے لئے بھی ہوسکتا ہے اور جونہی کوئی مریض علاج کیلئے آئے گا اس وقت عقد اجارہ منعقد ہوجائے گا۔

یہاں ہسپتال تین قسم کی خدمات فراہم کرتا ہے:

۱...... مریض کا چیک اپ، تشخیص، مریض کا آپریشن، مریض کی دیکھ بھال اور اس کی خدمت یہ تو اجارہ ہی ہے اس پر اجارہ ہی کے احکام لاگو ہوں گے، ہسپتال، ڈاکٹرز، نرس اور عملہ اجیر مشترک کہلائیں گے اور یہ سب اجارہ المنافع کے قبیل سے ہیں۔

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت (ص ۹۰)
(۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ(۶/۴۱۸۴)نیز ملاحظہ ہو (۵/۳۴۱۶)

۲...... مریض کا ہسپتال کے بیڈز، بستر ے، کمرے اور دوسری اشیاء استعمال کرنا، یہ اجارہ کے قبیل سے ہے اور جائز ہے۔

۳...... مریض کو ادویہ اور کھانا کھلانا، چائے، مشروبات دینا وغیرہ یہ بیع ہے، چونکہ اصل معاملہ اجارہ کا ہے، لہذا اس عقد میں ادویہ وغیرہ دینے کی شرط نہ لگائی جائے، ورنہ معاملہ صفقہ فی صفقہ کی وجہ سے فاسد ہو جائے گا، یا تو کمپنی اپنی طرف سے ادویات دیا کرے یا ہسپتال عملہ کو دوائی خریدنے کے لئے وکیل بنادے، دوائی وغیرہ دینے کے سلسلے میں معاملہ صرف وعدہ کی حد تک ہو۔

۲)...... دوسری صورت یہ ہے کہ کمپنی ہسپتال کیساتھ مخصوص مدت تک متعین اجرت کے ساتھ معاہدہ کرلے مثلاً طے ہو جائے کہ ہسپتال میں ایک سال تک کمپنی کے کارڈ ہولڈر کا علاج ومعالجہ ہوگا اور کمپنی سال میں پانچ لاکھ روپیہ دے گی، کمپنی ہر صورت پانچ لاکھ دے گی خواہ مریض نہ آئے ہوں اور اگر چہ ان کا خرچہ پانچ لاکھ سے زیادہ آیا ہو، یہ صورت جائز نہیں ہے، کیونکہ یہاں معقود علیہ یعنی علاج ومعالجہ میں غرر اور جہالت پائی جاتی ہے۔ لہذا اس سے احتراز ضروری ہے۔

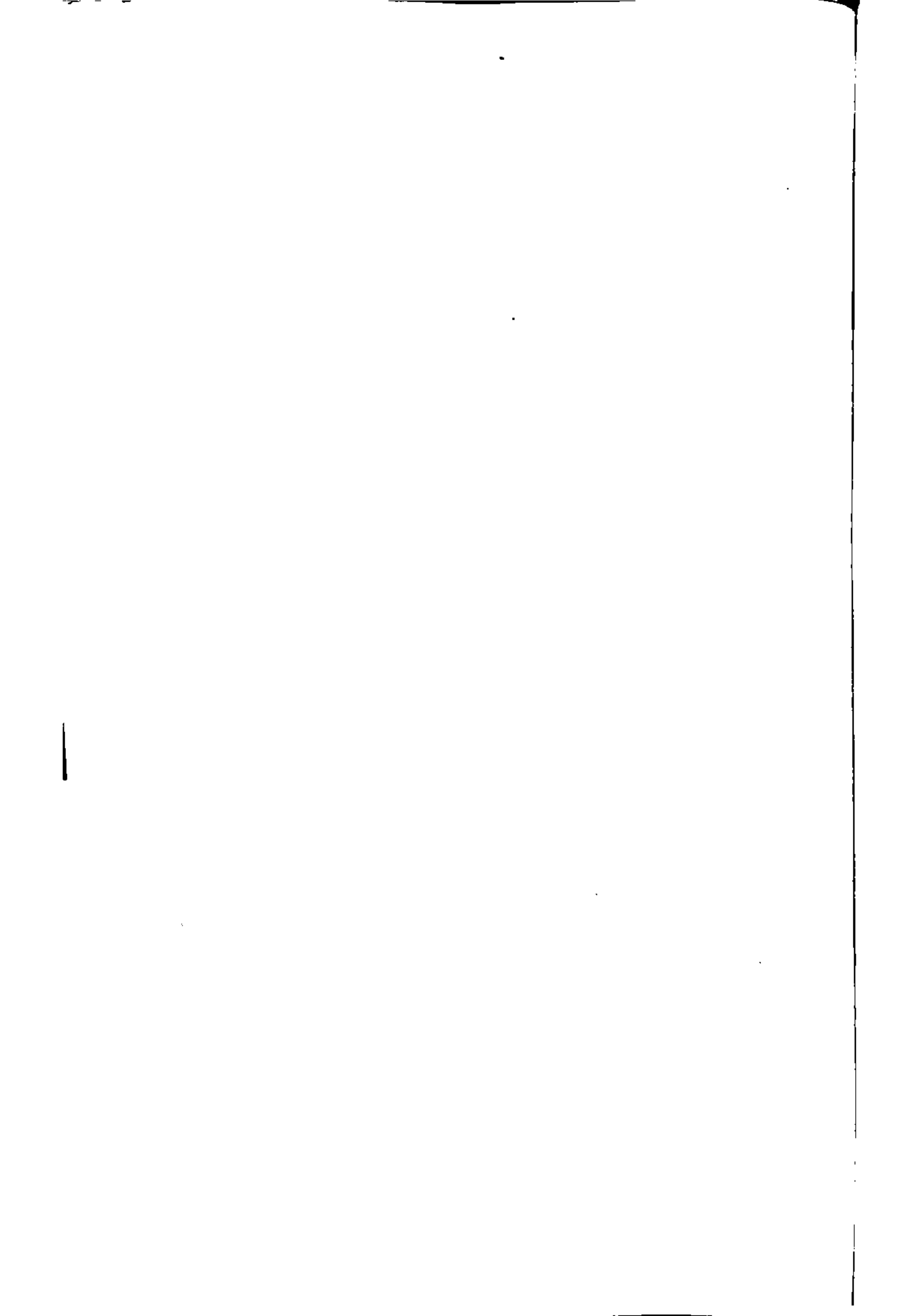
ریاض محمد بلگرامی

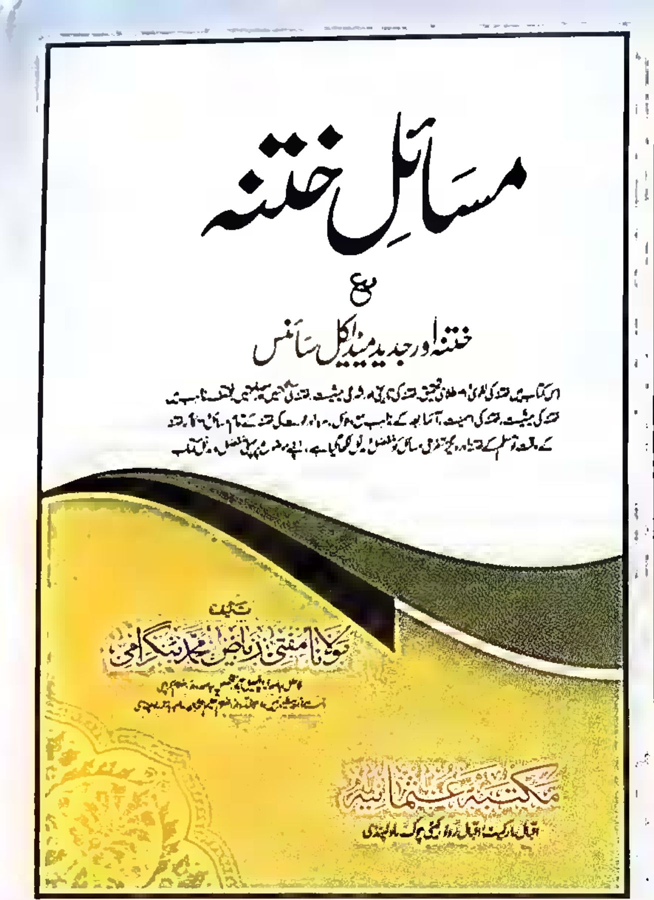
دارالافتاء تعلیم القرآن راولپنڈی

۶/۷/۱۴۳۵ھ

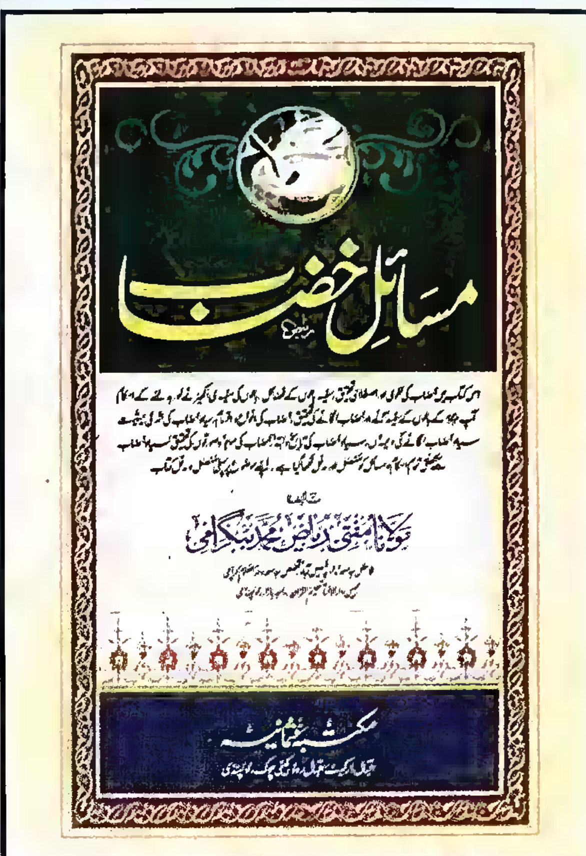
مصنف کی دیگر فقہی خدمات

۱	طہارت اور اس کے جدید مسائل	مفتی ریاض محمد پٹگرامی
۲	نماز اور اس کے جدید مسائل	مفتی ریاض محمد پٹگرامی
۳	نظام مسجد اور اس کے جدید مسائل	مفتی ریاض محمد پٹگرامی
۴	ٹیکس اور اس کی شرعی حیثیت	مفتی ریاض محمد پٹگرامی
۵	مسائل نذر	مفتی ریاض محمد پٹگرامی
۶	مسائل ولیمہ	مفتی ریاض محمد پٹگرامی
۷	مسائل عقیقہ	مفتی ریاض محمد پٹگرامی
۸	پوسٹ مارٹم اور اس کی شرعی حیثیت	مفتی ریاض محمد پٹگرامی
۹	مسائل تجارت	مفتی ریاض محمد پٹگرامی
۱۰	زکوۃ اور اس کے جدید مسائل	مفتی ریاض محمد پٹگرامی
۱۱	جدید طبی مسائل	مفتی ریاض محمد پٹگرامی
۱۲	مسائل خضاب	مفتی ریاض محمد پٹگرامی
۱۳	مسائل ختنہ (مع ختنہ اور جدید میڈیکل سائنس)	مفتی ریاض محمد پٹگرامی
۱۴	ارشاد الانام (اردو شرح) مسند امام (اعظم)	مفتی ریاض محمد پٹگرامی

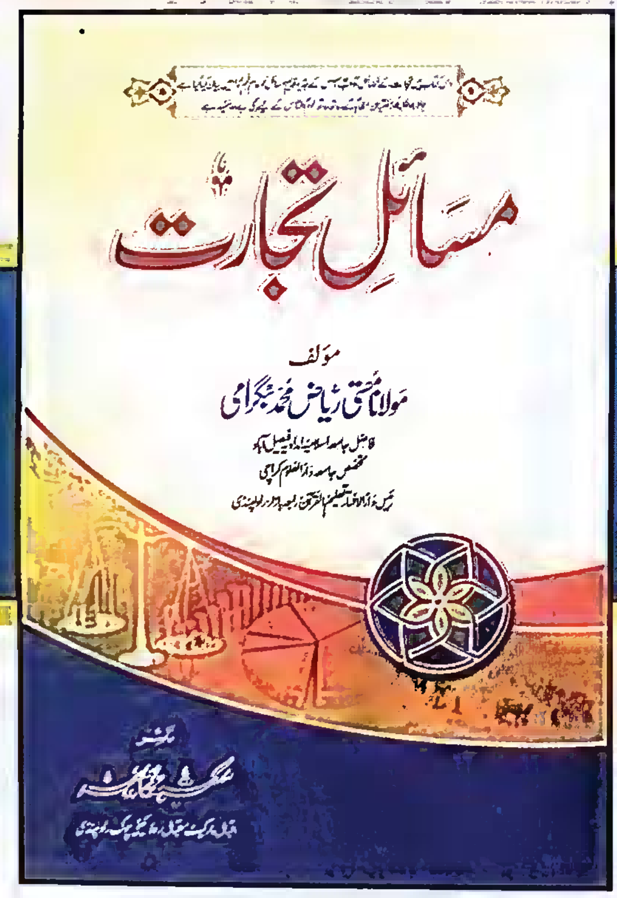




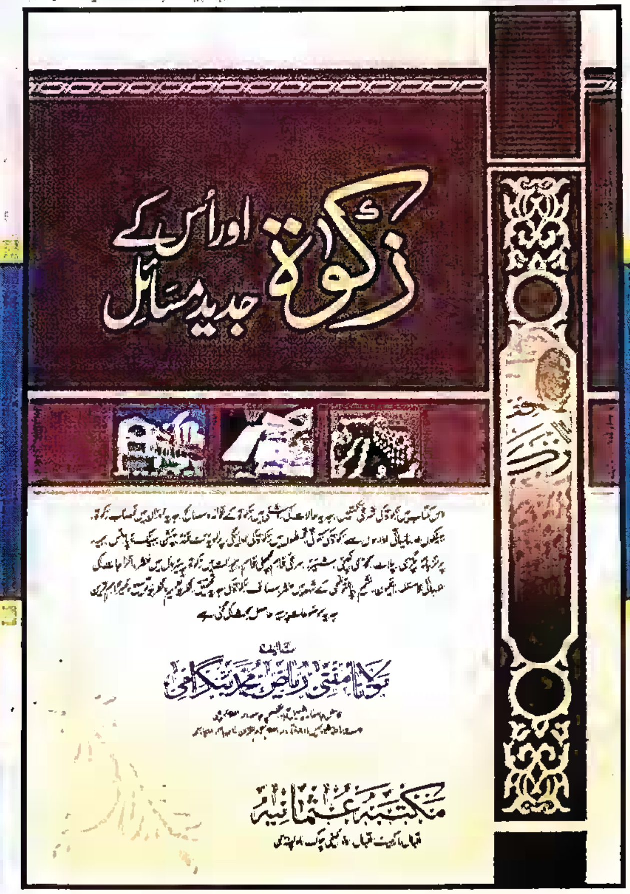
مسائلِ ختنہ
مع
ختنہ اور جدید میڈیکل سائنس
مولانا مفتی ریاض محمد بنگرامی
مکتبہ عثمانیہ



مسائلِ خضاب
مولانا مفتی ریاض محمد بنگرامی
مکتبہ عثمانیہ



مسائلِ تجارت
مؤلف
مولانا مفتی ریاض محمد بنگرامی



زکوٰۃ اور اس کے جدید مسائل
مولانا مفتی ریاض محمد بنگرامی
مکتبہ عثمانیہ